بڑا اور سچا رادھا سوامی مت درپن

یعنی

بچن سار

حصہ اوّل

جو روزانہ خطوط کی صورت میں بنام مسٹر ترلوک چند جی زگون نواسی [illegible] کرانے کی غرض سے شیوجی نے از ابتداء یکم جولائی تا ۳۱ جولائی سنہ [illegible] لکھے تھے اور اب کتابی صورت میں مسٹر ترلوک چند جی کی تحریک سے ہر خاص و عام کے مفاد کی نظر سے شائع کئے جا رہے ہیں۔ اُمید ہے۔ کہ انکا مطالعہ راز حقیقت کے سمجھانے عقدہ معرفت کی پیچیدہ گتھی سلجھانے اور راہ طریقت دکھانے میں سچے ہادی رہبر کا کام دیگا

بچن بچن میں بھید ہے بچن بچن میں بھاسے
ایک بچن جا نسی کٹے - ایک بچن اُر جھلے
یہی بڑائی بچن کی ہارتے جیت ہو ٹیک
جھگڑا مٹے انیک کا - سوجھ پڑے پد ایک

بار اوّل

قیمت پختہ مہر

فہرست مضامین پریم پچیسی حصّہ اوّل

دیباچہ

ازقلم مسٹر ترلوک چند جی رنگون نواسی

سجن پُرشو!

میں ایک معمولی گرہستی ہوں۔ لیکن پچھلے جنم کی بھگتی کا سنسکار دل میں تھا۔ وہ اُبھر اُٹھا۔ اور دل بے اختیار اس بات کی طرف مائل ہو گیا۔ کہ کچھ پرمارتھ کی کمائی کرنی چاہئے۔ اس کام کے پورا کرنے کے واسطے کئی مذہبی سوسائٹیوں سے تعلق پیدا کیا گیا۔ لیکن بے سُود۔ کیونکہ کسی جگہ بھی مجھے رُوحانی تشفی کا سامان نہیں ملا۔ اور ملتا بھی کیونکر جب کہ وہاں سچے پریم کا ابھاو تھا۔

چونکہ مالک مسبب الاسباب ہے۔ لہذا جب رُوحانیت کی خواہش بہت زیادہ بڑھ گئی۔ مالک اور بھاگ کے منشا کے مطابق گورو دیال مل گئے۔ اور دل نے گواہی دی۔ کہ یہاں تمہارا کام بن جاوے گا۔ اس لئے ان کے چرنوں میں گرا۔ اور انہوں نے مہر کی نظر کرکے مجھ کو چرن کمل کی اوٹ دی۔

میرے ملنے والے دوست احباب۔ اب بھی میری ذات میں کوئی خاص بات نہیں پاتے جو مجھ کو اُن سے کسی حد تک تمیز کرا سکے۔ لیکن اُن کو پتہ نہیں ہے کہ گورو مہاراج کے چرنوں میں جانے سے پہلے میری کیا حالت تھی۔ کیونکہ خود غرضی اور تنگدلی نے مجھے انتہا درجہ بے بس بنا دیا تھا۔ ذرا ذرا سی بات پر دوسروں سے لڑنا جھگڑنا۔ ان کے جذبات کو نقصان پہنچانا۔ اور اپنے ذرا سے فائدہ کے لئے دوسروں کو بہت نقصان پہنچانا۔ اور

اُن کی نند اکرنا میرا معمولی کام تھا۔ لیکن اب گورو مہاراج کی دیا سے یہ کمزوریاں ایک ایک کرکے نکل رہی ہیں۔ اور کسی دن سوچ سے بالکل دُور ہو جاویں گی۔ مالک کے پیارو اپنے کپڑے کے دھونے میں ہی دیر لگا کرتی ہے۔ خاصکر جب کہ کپڑا پرانا ہو کیونکہ اس وقت کئی ایک مصالحوں سے آہستہ آہستہ اُس کو صاف کرنا پڑتا ہے۔ مبادا وہ کپڑا پھٹ کر بیکار ہو جاوے۔ لیکن جونہی کہ کپڑا سفید ہو گیا۔ اُس کو رنگ دینے میں زیادہ دیر نہیں لگتی۔ اسی طرح میرے من کی میل گورو مہاراج نکال رہے ہیں۔ اور ایک دن سوچ سے مجھ کو رنگ دینگے +

میری حالت بعینہٖ سالہا سال کے ایک خشک ٹھونٹھے درخت سے مشابہ تھی جس کے ہرے ہونے کی اُمید نہیں رہی تھی۔ لیکن مالک کی باران رحمت نے اپنی اپار دیا اور مہر کا زلال پانی اس کی جڑ میں دینا شروع کیا۔ اور اب اس میں کونپلیں پھُوٹ رہی ہیں۔ جو کسی دن شاخیں بن جاویں گی۔ اور وہ ایک ڈیل ڈول والا خوبصورت درخت کی صورت میں بھگتی بھاؤ کا میٹھا پھل لائے گا +

مَیں برما میں ہوں۔ اور برما سے پنجاب کے جانے آنے میں پندرہ دن کا عرصہ لگتا ہے۔ لہٰذا میرے لئے سرکاری ملازمت کی قید و بند کے باعث یہ ممکن نہیں تھا کہ مَیں ست سنگ کا فائدہ حاصل کر سکوں۔ اگر میں پنجاب میں ہوتا تو یہ بات کسی حد تک ممکن تھی اس واسطے مالک کی دیا نے میری بے بسی کو دیکھا۔ اور بابو شیو برت لال جی نے روزانہ خطوط کے ذریعہ جواب ادھکاریوں کے فائدہ کی غرض سے شائع ہو رہے ہیں۔ مجھ کو ست سنگ کرا کر جتانا شروع کیا +

جو فائدہ مجھے اِن خطوط سے ہوا ہے وہ بیان سے باہر ہے۔ مَیں محسوس کر رہا ہوں کہ میرا دو سرا جنم ہو گیا۔ دھن ہیں سنت جن اور بلہاری اُن کی مہر کے۔ کہ وہ جیوؤں پر کیسی اپار دیا کرتے ہیں۔ اگرچہ مَیں کسی حالت میں بھی اپنے آپ کو اس دیا کا مستحق نہیں پاتا

لیکن جیسا کہ کہا گیا ہے۔

تو در سرور سنت جن چوتھے پرسے مینہ
پرمارتھ کے کارنے چاروں دھارئیں دیہہ

سنت صرف جیوں کے کلیان کے واسطے ہی پرگٹ ہوتے ہیں۔ اور اس واسطے یہ کوئی اشچرج کی بات ہی نہیں۔ کہ وہ کیوں ایسے دیاوان ہوتے ہیں +

میں یہ بھی عرض کر دیتا ہوں۔ کہ اگر اور حضرات جن کے پاس شیوجی مہاراج کے خطوط گئے ہوں۔ وہ خطوط واپس کر دیں۔ اور اُن کی اشاعت وانطباعت کا اہتمام ہو جاوے۔ تو وہ بھی اسی طرح ادھکاریوں اور سنساری جیوؤں کے واسطے مفید ثابت ہونگے۔ اور کیا عجب وہ سار بچن حصّہ دوم کے نام سے کتابی صورت میں نکال دیئے جائیں +

گورو آشیرباد کریں۔ کہ اس کتاب کے پڑھنے سے پاٹھکوں کے دل میں مالک کی بھگتی پیدا ہو۔ اور وہ اپنے آپ کو گورو پراین کرتے ہوئے اپنا کلیان کر دیں۔ آخر میں یہ بنتی حضور مہاراج کے چرنوں میں ہے۔ کہ عاجز کو اپنے چرنوں کی پریت اور پرتیت بخشیں +

کرو بینتی سنتن پاسے
میل لیؤ نانک ارداسے

سجن پرشوں کا سیوک اور گورو کے چرن کمل کی دھوڑ
ترلوک چند اوورسیر
پی ڈبلیو ڈی۔ رنگون برما

رادھا سوامی دیال کی دیا رادھا سوامی سہائے

منگلاچرن

حضور کے چرنوں میں بنتی اور آرتی

(۱) ساج منگل ساج آئے - جگت گورو داتار
بھگت کاج سماج ساجی - وشیش پشٹ ادھار

(۲) شبد ناد چڑھائے چتن کو - کرپا چھوبل پار
دین ہین ادھین کی سدھ لین کرپا دھار

(۳) بھگتی بھاو کی ریت نرمل جانے کیا سنسار
آپ ستگورو نے سکھائی - دھار ست اوتار

(۴) ناتھ بنتی سنو میری - تم ہو پرم دیال
چرن پکڑے ہاتھ کو تم - پکڑوں کالی دھار

(۵) سرب سمرتھ سائیاں - دکھ ریت بیشن ہار
رادھا سوامی کرپا ساگر - تم میرے رکھوار

رادھا سوامی دیال کی
رادھا سوامی سہائے

بچن سار

میں کیوں رادھا سوامی مت میں شامل ہوا

۴- جولائی سنہ ۱۹۱۶ء - لوگ اکثر مجھ سے سوال کرتے ہیں کہ تم رادھا سوامی مت میں کیسے شامل ہو گئے - وید - شاستر - درشن - اپنشد - وغیرہ سے واقف ہو کر کیوں حضور پوُرن دھنی کی شرن لی - کیا اور صورت میں تمہاری روحانی تشفی کا کہیں سامان نہیں تھا؟ میں ان کو یہ جواب دیتا ہوں - (۱) "اور جگہ نیکوں اور پُنیہ آتماؤں تک کی عزت کا خیال مدنظر نہیں رہتا ہے - اور پاپیوں سے نفرت اور بے پروائی کا اہتمام ہے - لوگوں نے سُنا نہیں کہ یہ پاپی ہے - اور اس سے ناک بھوں سکوڑنے لگے - میں آپ پاپی تھا - جہاں جہاں گیا - پاپیوں کے لئے ٹھور ٹھکانے کی جگہ نہیں دیکھی - حضور نے صرف مجھ جیسے پاپیوں کی اُدّھار کے لئے نر شریر دھارن کیا تھا - وہاں پاپیوں کی طرف سے بے پروائی - نفرت اور کینہ نہیں تھی - نہ کسی کی نندیا کی جاتی تھی - بلکہ محبت - دیا - اور رحم کا سلوک ہوتا تھا - مجھ کو یہ ادا بہت پسند آئی - اور دُنیا میں اس طرح کی شخصیت کا اچھا دیکھ کر میں نے چرنوں میں سیس جھکایا - اور یہاں ہی اپنی مغفرت کا ذریعہ دیکھا - ایک تو یہ سبب ہے - دوسرا سبب یہ ہے کہ پڑھنے لکھنے کو تو میں نے جو کچھ ہوا کر لیا اور پستکیں پڑھیں - مگر تلاش کسی اور شے کی تھی - وہ شے مجھ کو نہ تو کتابوں کے نقشی تصویروں میں ملی - اور نہ طبیعت کے ٹھکانے اور ٹھہرانے کا اُن میں سامان نظر آیا - یہاں وہ چیز موجود تھی - وہ مل گئی - اِسلئے

اگر میں دوارہ کو چھوڑ کر اور کہیں جاتا۔ تو کیوں جاتا۔ ؎

پریتم پانا چاترِی پہ تو بات سہل

تن من چھوڑ کے بس کرن کام مُشکل

تیسرا سبب یہ ہے کہ میں عالمِ وجود۔ عالمِ امکان۔ اور عالمِ اسباب میں اپنے معراج اِنتہا کی یعنی صنوبیتا کا درشن کرنا چاہتا تھا۔ وہ شکل یہاں نظر پڑی۔ بس پروانہ کی طرح بے خود ہو کر شمعِ معرفت کے گرد طواف کرنے لگا *

ناوی بندی بُو ملے۔ کرت کیتے پچھید

کوئی تخت نلے کا نا ملا۔ جاسے پُوچھوں بھید۔

یہ تین سبب ہیں جن کی وجہ سے میں حضور کا شرناگت ہُوا۔ تم بتاؤ۔ اگر شرن نہ لیتا تو جاتا کہاں! مجھ سے پاپیوں کے اُدّھار کا اور کہیں ٹھکانا کہاں تھا!

۲۔ جولائی ۱۹۱۷ء۔ لالہ پریم بہاری صاحب سب جج میرے سکول فیلو تھے میں جب حضور مہاراج کے درشن کے لئے آگرہ گیا۔ وہ مجھ سے وہاں ملے۔ اپنے گھر لے گئے۔ اور اکثر ست سنگیوں کے اخلاق کی شکایت کرنے لگے۔ میں اُن سے رخصت ہو کر حضور کے دربار میں آیا۔ اور اُن شکایتوں کو لفظ بہ لفظ سُنا دیا۔ حضور مسکرا کر فرمانے لگے "بھائی! دھوبی کے گھاٹ پہ تو صرف میلے ہی کپڑے جاتے ہیں۔ وہاں صاف سُتھرے اور اُجلے کپڑوں کا کیا کام! ست سنگ کا اہتمام تو صرف بُرے اور بد اخلاق آدمیوں کے اُدّھار کرنے کا ہے۔ جو اچھے ہیں اُن کو نہ یہاں آنے کی ضرورت اور سنتوں کو اُن کے اُپدیش ہی کی ضرورت ہے۔ اگر بُرے لوگ ست سنگ میں آتے ہیں تو اس میں بُرائی کی کیا بات ہے! یہ تو ست سنگ کی بڑائی ہے۔ پھر تم خود اپنی نسبت غور کرو۔ تم آپ کیسے ہو! یہاں تو اسی طرح کے آدمیوں کا گذر ہے۔ اور یہاں آنے کا حق بھی اُن ہی کو حاصل ہے"۔ میں اِن اشاروں کو سُن کر دل میں کانپ اُٹھا۔

دوبارہ زبان کھولنے۔ کسی کی نندا کرنے۔ یا کسی کی بُرائی کہنے کی جُرأت نہیں ہوئی ؛

بُرا جو دیکھن میں چلا ۔ من کی دُرمت کھوے
بج من مانا آپنا ۔ مجھ سا بُرا نہ کوے

۲ جولائی ۱۹۱۷ء۔ کسی گانوں میں ایک یوگی رہتا تھا جس کو سِدّھی شکتی اور وِدّیا کا گھمنڈ تھا۔ اُس کے چیلے چانٹے بہت تھے۔ اتفاق کی بات وہاں ایک سادھو آیا اکثر لوگ اُس کی طرف رجوع ہوئے۔ یہ بات یوگی کو ناپسند ہوئی۔ وہ کھُلم کھُلا اُس کی مذمت کرنے لگا تاکہ کوئی اُس کے پاس نہ جائے۔ اور جو جاتے تھے یوگ کے معتقد اُن کے مُزاحم اور سدِّ راہ ہونے لگے۔ سادھو کا ایک شردّھالو ست سنگی راہ میں جا رہا تھا۔ یوگی کے کسی عالم فاضل پڑھے لکھے چیلے نے اُس کو کہا "یار! تم اُس سادھو کے پاس کیوں جاتے ہو۔ نہ اُس میں علم کا کمال ہے نہ یوگ کی سِدّھی ہے۔ وہ تو محض معمولی آدمی ہے۔ یوگی راج اُس کی اکثر نِندیا کیا کرتے ہیں" ست سنگی نے جواب دیا "جو تم کہتے ہو وہ لفظ بہ لفظ سچ ہے۔ سادھو میں علمیت اور یوگ کا بل نہیں ہے وہ تیسے سادے بھگت ہیں۔ مگر اُن میں ایک بات نظر آتی ہے وہ کسی کی بُرائی نہیں کرتے۔ اور اسی ایک بات نے مجھ کو اُن کی طرف مائل کر دیا ہے۔ کیونکہ مجھ کو مدت سے ایسے شخص کی تلاش تھی جو پرائی نِندیا سے بچتا رہے۔ اور میں اُس کی صحبت کا فیض اُٹھاؤں۔ یہ میرے اُن کے پاس جانے کا سبب ہے۔ اور میں اسی ایک بات کو بہت غنیمت سمجھتا ہوں" جوگی کا چیلا یہ بات سُن کر لاجواب ہو گیا۔ اور چونکہ انصاف پسند تھا۔ سوچنے سمجھنے کے بعد اُس نے یوگی کی صحبت ترک کر دی۔ اور سادھو کے ست سنگ میں آنے لگا۔ اِس کہانی سے ہم کو دو سبق ملتے ہیں ؛

(۱) دوش پرایا دیکھ کر چلے ہسنت ہسان ۔ اپنا یاد نہ آوئی جاکا آد نہ انت
(۲) ساتوں ساگر میں پھرا جمبو دیپ کے بیٹھ ۔ پر نِندیا جو نا کرے ایسا کوئی نہ دیٹھ

۲ جولائی ۱۹۱۶ء - تمام مت متانتر والے اپنے آپ کو اچھا اور دوسروں کو
بُرا کہتے رہتے ہیں - کتابوں میں کھنڈن منڈن بہت ہے - اس قسم کی عادت مجھ میں
بہت تھی - بچپن سے میں پناہ مانگتا تھا - ایک تو میں خود پاپی - دوسرے اوروں کا
پاپ ناحق اپنے اوپر ڈال لیا کرتا تھا - حضور نے خاص قسم کی نظر عطا کر دی - اور بہ
آسانی تمام ان فضول جھگڑوں سے جو بالکل بے سود ہیں - مجھ کو نجات مل گئی -
کیا یہ بات کم ہے - میں تو اس کی بڑی وقعت کرتا ہوں - اور کوئی چاہے جیسا جی
میں آوے ویسا کہے ٭

۴ جولائی ۱۹۱۶ء - ایک صاحب جو غیر ہیں - اور میری صحبت میں اکثر آتے رہتے
ہیں فرمانے لگے "آپ کسی مذہب یا مِل مذہب کی نندا یا کھنڈن نہیں کرتے - اپنے پنتھ
خیال کے یقین دلانے کا یہ ایک عام اور مروجہ طریقہ ہے؟" میں نے جواب دیا "کوئی
شخص اپنی یا اپنے ذات یا اپنے گروپ کی نندا یا نہیں کرتا - عیسائی مسلمان - بودھ
جینی - ہندو وغیرہ یہ سب میرے ہی تو مختلف گروپ ہیں - میں نے ہی حسب ضرورت
یہ گروپ دھارن کر رکھے ہیں - جب کوئی شخص مجھ کو اپنے سے جدا - اور غیر اور بیگانہ
نظر آوے تو اس کی نندا کروں - یہ مثل مشہور ہے "ہر شخص را بہر خود یہ کمال دانند
خود بہ جمال بہتر نظر می آید" جب میں آپ ہندو - مسلمان - اور عیسائی ہوں - تو پھر
ان کی مذمت یا ان کے عقاید کی تردید کیا کروں؟ اس کے سوا ان میں سے کوئی بُرا
پرتیت کبھی نہیں ہوتی - حضور نے فرمایا ہے "برائی کرنی ہو - تو اپنی کمی اور کمزوریوں
کی برائی کرو - اور اگر بڑائی کرنی ہو - تو صرف ست پرش رادھا سوامی سَت گورو کی
کی بڑائی کرو" گورو کا حکم نہ ماننا بھی تو ناقابل معافی جرم ہے - اس لئے میں
جان بوجھ کر کسی کی مذمت نہیں کرتا ٭

۸ جولائی ۱۹۱۶ء - جب حضور مہرمین نگاہ عطا کر دیتے ہیں - تو پھر اکثر [illegible]

بہتر ہی بہتر کا نظارہ ہر چہار طرف دکھائی دینے لگتا ہے۔ اور عیب دُور ہو جاتا ہے جیسے خاص رنگ کی عینک کے پہننے سے آنکھوں کو وہی رنگ ہر طرف نظر آتا ہے ویسے ہی دل کا حال ہوتا ہے۔ بہتر بیں نگاہ گورو کی ہے۔ اور عیب بیں نگاہ سنسار کی ہے۔

جیسی نظر ویسا منظر

۱۶۔ جولائی سنہ ۱۹۱۷ء۔ جب تک میں حضور کے چرنوں میں نہیں آیا تھا میری عادت عیب دیکھنے کی بہت تھی۔ اور میں دوسروں میں وہی عیب دیکھا کرتا تھا جو مجھ میں پہلے ہی سے موجود تھے۔ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ جن میں عیب ہوتا ہے وہی اوروں کو عیب دار سمجھتے ہیں۔ اور عیبی ہونے کے سبب خود غرضیوں کی پردہ فاش کر دیتے ہیں تاکہ اُن کے عیب پر پردہ پڑا رہے۔ تم دیکھو جو شخص کسی کے خاص عیب کو فاش کیا کرتا ہے۔ وہی عیب اُس میں کثرت سے ہوگا۔ میں اپنے ذاتی تجربے سے کہتا ہوں۔ یہ کتابوں کے حوالے سے لئے ہوئے خیال یا محض سنی سنائی باتیں نہیں ہیں۔ نیکی نیک را و بدی بد را۔ آپ بھلا تو جگ بھلا۔ آپ برا تو جگ برا۔ مگر حضور کی دیا سے اب میرا دل اگر بالکل تبدیل نہیں ہوا ہے تو بدلنا شروع ہو گیا ہے۔ اب جب کبھی کسی عیب کو دیکھتا ہوں تو بالعوض اس کے کہ اُس کو برا سمجھوں۔ دل کی نظر فوراً اپنی طرف جاتی ہے۔ اور اُس پر رحم کرنے لگتا ہوں۔ اور اپنے دل میں خود شرمندہ ہوتا ہوں۔

عیب بین خود عیب دار ہوتا ہے

پہلے یہ من کاگ تھا کرتا جیون گھات
اب تو من ہنسا بھیا موتی چن چن کھات

۱۷۔ جولائی سنہ ۱۹۱۷ء۔ کسی کے عیب کو کیا دیکھتے ہو۔ اور کیوں کسی کا پردہ فاش کر کے بدنامی کرتے ہو۔ سوچو تم خود عیب والے ہو یا نہیں۔ اگر تم میں عیب ہے تو پھر تم کو دوسروں کے عیب دکھانے اور فاش کرنے کا حق کہاں ہے۔ چھاج بولے تو بولے چھلنی کیا بولے جس میں بہتر چھید۔ اور اگر تم عیب سے خالی ہو تو پھر عیب کی نگاہ دیکھت

کسی کا عیب نہ دیکھو

کیوں پھیلی ہے - بے عیب والے تو عیب سے نا آشنا ہوتے ہیں - جس کے دل کی آنکھوں پر عیب کی عینک چڑھی ہوئی ہے وہی عیب دیکھتا ہے - تیسرے اگر تم عیب اور ہنر دونوں کے دیکھنے کی نگاہ رکھتے ہو - تو خود اِن سے خالی نہیں ہو - گورو کا حکم ہے - عیب کو ترک کرو - ہنر کو قبول کرو - ان تینوں حالتوں میں سے کسی میں بھی تم کو عیب والوں کی پردہ فاشی کا حق نہیں ہے ؛

۳ جولائی - جو جس بات کی مشاقی کرتا ہے - وہ اُسی طرح کا بنتا جاتا ہے - کیونکہ اُس کے خیال - زبان اور جسم میں وہی بھاؤ سرایت کر جاتا ہے - حکیم مریضوں کو دیکھتے دیکھتے امراض کے حالات آنے جانے والوں کی صورت و شکل میں دیکھیگا - انجنیر کی نظر ہمیشہ عمارت کی خرابی - کجی اور کمزوری پر پڑے گی - وکیل ہمیشہ اپنے موکل کے مقدمہ کے ستم ہی کو پیش کرتا ہے - وعلیٰ ہذا القیاس - اِسی طرح ہنر بیں ہمیشہ ہنر کو دیکھتے ہیں - جہاں کوئی سامنے آیا - اُس کے روشن پہلو پر ان کی نظر پڑتی ہے - اور یہ خوش ہو کر اُسی کو دیکھتے ہیں - ساری بات دل پر موقوف ہے - اگر تم گورو کے سچے بھگت ہو - تو آدمیوں کے شُبھ بھاؤں کو دیکھو - اشبھ بھاؤں کی طرف سے آنکھ کو میچ لو - اور اسی عمل و شغل کی مشاقی تم کو نیک دل - نیک خیال اور نیک باطن بنائی جائیگی - یہ اچھا یا وہ اچھا ؟

۴ جولائی سنہ ۱۹۱۶ء - بڑوں کی بڑائی دیکھ کر خوش ہو - چھوٹوں کی چھوٹائی دیکھ کر اُن پر رحم کرو - برابر والوں کی دوستی اور پیار پر نظر رکھ کر خود اپنے پریم بھاؤ کو بڑھاتے جاؤ - اور جن لوگوں کی حرکتیں تم کو ناپسند آئیں اُن کی طرف سے آنکھوں کو بند کر لینا سادھن کرو - یہ گورو کی ہدایت ہے ؛

۵ جولائی سنہ ۱۹۱۶ء - تم مالک کو کیا سمجھتے ہو - مکمل یا غیر مکمل - خوبصورت یا بدصورت ؟ تم کہوگے وہ مکمل اور خوبصورت ہے - بہت اچھا تو پھر اِس کا بھی جواب دو

کہ دُنیا جو اُس مالک کی بنائی ہوئی ہے تم کو کیوں خراب۔ ناقص اور مصیبت سے بھری ہوئی نظر آتی ہے۔ اچھا کاریگر اچھا اور بُرا کاریگر بُرا کام کرتا ہے۔ اگر صانع حقیقی اچھا صنعتگر ہے تو اس کی صنعت میں نقص کیسا! اس سے تو صاف ظاہر ہے کہ اُس میں خود نقص ہوگا۔ تب تو ہر جگہ تم کو مُصیبت۔ آفت۔ تردد اور تکالیف نظر آتے ہیں۔ اس کا جواب تم بہ آسانی نہ دے سکو گے۔ کیونکہ مالک کا جو آدرش اور آئیڈیل تمہارے دل میں قایم ہے وہ خود ناقص ہے۔ اور اسی وجہ سے تم کو اُس کی کائنات اور رچنا میں بُرائیاں پرتیت ہوتی ہیں۔ آپ بُرے تو جگ بُرا ؂

۱۲ جولائی ۱۹۱۷ء۔ سچے مالک کی وصف یہ ہے۔ کہ اپنے اُپاسنا کرنے والے کے دل میں سچا بھاؤ نابھر دے۔ اور سچے گورو کی پہچان یہ ہے کہ اپنے شاگرد کی نظر بدی کی طرف سے ہٹا کر نیکی کی طرف مائل کرتا چلے۔ دھرم کا اصلی مقصد نیک بنانا اور مکتی دلانا ہے۔ آخر میں پرم پد کا ادھکاری ٹھہراتا ہے۔ جہاں اِن باتوں میں کمی دیکھو سمجھ لو۔ کہ وہاں مالک اور گورو کا اشٹ جھوٹا۔ ناقص اور باطل ہے۔ جو بدی میں عیب میں اور نکتہ چین بنا دے وہ گورو کیسا!

جا کا گورو ہے اندھلا چیلا کھرا نرندھ
اندھے کو اندھا ملا پڑا کال کے پھند

ایسے آدمی کی صحبت ترک کرنیکا حکم ہے۔ ورنہ بھو ساگر میں برابر غوطے کھانے پڑینگے ؂

۱۳ جولائی ۱۹۱۷ء۔ یہ دُنیا بڑی خوبصورت۔ بہت اچھی۔ اور نہایت ہی مکمل ہے۔ کیونکہ یہ خوبصورت۔ اچھے اور مکمل مالک کی صنعت گری ہے۔ تم سنتے چونکہ بُرے بدصورت اور غیر مکمل دل کو چیت دے رکھا ہے۔ اس لئے یہ برعکس صورت میں نظر آتی ہے۔ دل کو بدل دو۔ اور یہ بھی اور رنگ روپ میں دکھانے لگے گی ؂

جگ میں بیری کوئی نہیں۔ جو من شیتل ہوئے   من کی دُورت دُور کر۔ دیا کرے سب کوئے

مالک کا ناقص آدرش

گورو اور مالک کی پہچان

دیتے ہیں۔ تم کہو گے "حضور تو گپت ہو گئے۔ یہ تم کہہ کیا رہے ہو؟ سُنو۔ حضور چاہے اَوروں کے لئے گپت ہوں۔ مگر میرے لئے وہ اب بھی پرگٹ ہی ہیں۔ اپنے باپ کے خیال سے مَیں اپنے مَن میں اُن کے چرنوں سے اب بھی چمٹا رہتا ہوں۔ اور ان کو اپنے من کے اندر قید کر رکھا ہے۔ سو وہ جا کہاں سکتے ہیں! آئے مجھ جیسوں کو تارنے کے لئے۔ اور جائیں گے کہاں!

نینوں اندر آ تو۔ نین جھانپ توہی لُوں
ناہیں دیکھوں اور کو۔ نا توہی دیکھن دُوں

اس خصُوصیت میں ایک فارسی زبان کا شاعر مولنٰنا نظامی رحمۃ اللہ علیہ میرا ہمخیال کیا بلکہ ہمکلام ہے۔ وہ کہتا ہے:۔

گُناہِ من ار نامدے در شُمار
ترا نام کے بُودے آمرزگار

ترجمہ:۔ اگر میرے گناہوں کی گنتی نہ کی جاتی۔ تو پھر تجھ کو بخشنے والا غفور اور رحیم کریم کون کہتا؟

یہ بات ہے۔ اور دیکھو کیسی سچی بات ہے۔ باون تولہ۔ پاؤ رتی۔ کسوٹی پر کسی ہوئی۔

یہ پاپ کی بڑائی ہے۔

بھلے پاپ کمائے کر باندھی لوبھ کی پوٹ ۔۔۔ سکل پاپ چھن میں کٹے جب آئے گورو کی اوٹ
اوگن کیئے تو بہو کیئے۔ کرت نہ لائی بار ۔۔۔ بھاوے بندہ بخشئے کر جاوے گردن مار
مَیں اپرادھی جنم کا۔ نَکھ سکھ بھرا وِکار ۔۔۔ تُم داتا دُکھ بھنجنا۔ میری کرو سنبھار

آؤ! ترلوک! تم بھی ایسا سمجھو۔ اور حضور تم کو بھی پیار کریں گے۔ اور تم اُن کی اپار دیا کے پاتر بنو گے۔

۱۔ جوالا سنگھ ۱۹۵۱ء۔ پیارے ترلوک! ابھی اسی طرح گو کہ کوئی بھی برا نہیں سمجھتا۔
اس کو برا بھلا کہوں۔ وہ بھی اچھا ہی ہے۔ تم نہیں جانتے۔ مجھ پر کس قدر عذاب
تھا۔ میں بڑی مصیبت میں مبتلا تھا۔ تین تاپوں کے صدموں کی آگ سے دل
ہی دل میں جلا کرتا تھا۔ لیکن میرا چھٹکارا نہیں تھا۔ بار ہا خودکشی کرنی چاہی
ریل پر کٹ کر مر جانے کے ارادہ سے بار ہا گیا۔ مجھ کو شاستروں کے مطالعہ بیان
کئے شواو عبادات اور درشنوں کی پُستکوں سے شانتی نہیں ملتی تھی۔ کیونکہ بگولا تھا۔
یہ وید و شاستر پُستکیں بھی گوروں کو اپنا بھید نہیں دیتیں۔ حضور کے چرنوں میں شانتی
کا ذریعہ نظر پڑا۔ حضور نے خودکشی کرنے سے باز رکھا۔ اور ان کی چند روزہ صحبت
اور ست سنگ سے سچی خوشی نصیب ہوئی۔ میں آریہ سماجی تھا۔ جب سچے دل سے حضور
کے چرنوں میں آیا۔ مخالفت اور مزاحمت کی آگ ہر چہار طرف بھڑک اٹھی۔ رلے مخالفت
صاحب سابق ڈسٹرکٹ جج جواب آریہ سماج لاہور کے پردھان ہیں لالہ رلا رام صاحب
پلیڈر کے ساتھ میرے گھر پر سمجھانے آئے۔ رادھا سوامی مت کی شرکت سے باز
رکھنا چاہا۔ مگر گرمی سے جھلسے ہوئے اور تپے ہوئے آتما کو ٹھنڈک دینے والی جھیل
میں غوطہ مارنے کا موقع مل چکا تھا۔ ان ہمدرد صاحبوں کی باتیں کیا سنتا۔ وہ تو
ظاہری باتوں کی طرف جانے والے تھے۔ اندرونی حالت کو کیا سمجھ سکتے تھے۔ آخر
وہ ناچار ہو کر چلے گئے۔ میں اب بھی ان کی ہمدردی کا تہ دل سے ممنون ہوں۔
حضور کی شرن مجھ کو دکھ سے چھڑانے والی ہے۔ اس وجہ سے میں دکھ کی بڑائی کا گیت گایا کرتا
ہوں۔ دردناک تفکرات۔ ہیبتناک صعوبات۔ اور خوفناک آفات میں رات دن
جب چاہے رادھا سوامی نام کا سمرن کرتا رہتا تھا۔ سر شام کھاٹ پر لیٹ رہا۔
اور صبح تک برابر یہی عمل و شغل رہا۔ صبح سے نام رٹنے لگا۔ اور اسی میں شام ہو گئی
دھنیہ ہے اس دکھ پر! جس نے حضور کے دامن عاطفت پکڑنے کا اشارہ کیا۔

اب گورو کا بخشا ہوا نام ایڑی سے لیکر چوٹی تک اِس شریر میں محیط ہو گیا ہے - یہ دُکھ کی مہما ہے ٭

دُکھ کے ماتھے سِل پڑے جو نام ہردے سے جائے
بلہاری وا دُکھ کی - جو پل پل نام رٹائے

دُکھ نہ ہوتا - تو حضور مجھ کو کیسے پراپت ہوتے ؟ کون اس رمز کو سمجھتا ہے ! کس کو خبر ہے !
حضور کی کرپا سے سُکھ نصیب ہوا - اب دُکھ سُکھ دونوں ایک سمان ہو گئے - بیقراری جاتی رہی - قرار آیا - اور قرار اور بیقراری دونوں ہی غایب ہیں - دونا ست گئی - نِردوند کی حالت ہے - پرلوک ! تم بھی دُکھ سے نہ گھبراؤ - میری طرح حضور کا نام رات دن جپا کرو - اور پھر دیکھو کیا حالت ہوتی ہے ؟ اِس عمل کو ذرا کر دیکھو - پھر کہنا کہ یہ سچ ہے یا جھوٹ !

دُکھ سے زیادہ آرت (بیکس و بے بس) بنانے والی چیز کوئی بھی نہیں ہے - آرت غرض والے کو کہتے ہیں - غرض والا ہمیشہ باولا ہوتا ہے - اپنی ہی کہتا ہے - اور دل کی نہیں سُنتا -

آرت کے من رہے نہ چیتو
پھیر پھیر کہے آپنو ہیتو

آرت پنا بھگتی کا پہلا درجہ ہے - بغیر دُکھ کے یہ کبھی پراپت نہیں ہوتا - نہ کبھی اس کے بغیر شرن ورِدّھ کی جاتی ہے - دُکھ ہی کے لئے سُکھ ہے ٭

مالک اگر ہے تو صرف دُکھیوں ہی کو ہے - سُکھیوں کو تو اُس کی پرواہ ہے اور نہ اُس کو ان کی پرواہ ہے - مجبور کے لئے وصال - دُوری محسوس کرنے والوں کے لئے اتصال - اور دردمند دلوں کے لئے تسکین اور تسلّی کا سامان ہے - اسی ایک بات کو دیکھو - تم مجھ کو یاد کرتے ہو - میں بھی تم کو یاد کرتا ہوں - ہمدردی باہمی عشق ہے مُبارک

ہیں دُکھی کیونکہ وہ تسکین کئے جائیں گے - بانی یسوع

سُکھیا سب سنسار ہے کھاوے اور سووے ۔ دُکھیا داس کبیر ہے جاگے اور روئے

چرن چین پایا کنت کو تن من پایا روئے ۔ ہنسی خوشی جو ہری ملے تو کون دُہاگن ہوئے

لڑکا روتا ہے۔ تب ماں کی چھاتی میں دُودھ اُترتا ہے +

تا نگرید طِفل کے جُنبد لبن

تا نروید لالہ کے خندد چمن

تم نہایت رقیق القلب ہو۔ تم قدرتاً پریم انگ والے ہو۔ تم مالک سے دُور کیسے رہ سکتے ہو! اُس کی رحمت تمہارے ہی واسطے ہے۔ مانگو اور دیا جائے گا۔ کھٹکھٹاؤ اور تمہارے لئے دروازہ کھولا جائے گا۔ اس بات کا کامل یقین رکھو۔ میری ہی باتوں پر دھیان دو۔ سوچ سمجھ کر غور کرو۔ اور ان معمولی لفظوں میں تم کو سچائی ملیگی۔ مانگنے پر وہ اس قدر دے گا۔ کہ تم مالامال ہو جاؤ گے۔ اور شاید اُس کو پُورا پُورا لے بھی نہ سکو +

پھیلائے کوئی کیا میرے پروردگار ہاتھ

بندے کے دو ہی ہاتھ ہیں تیرے ہزار ہاتھ

تم ایک قدم چلو۔ وہ دس قدم آگے بڑھ کر تمہارا استقبال کرے گا۔ تم ایک مرتبہ اُس سے درخواست کرو وہ دس مرتبہ دے گا +

---

۲۹ - جولائی سنہ ۱۹۱۱ء اپنے متر کو لکھا۔ ہر شے کے روشن اور تاریک پہلو ہوتے ہیں۔ جن کو جو پہلو پسند آتا ہے وہ اُس کو اختیار کرتے ہیں۔ جس نے گورو کا چرن پکڑا ہے۔ اُس کو روشن پہلو سے کر اُسی قسم کے واقعہ کو نتیجہ خیز کرتے چلنا چاہیئے +

گن سب میں ہیں گن سے خالی کوئی نہیں۔ کیونکہ یہ جگت خود گنوں سے بنا ہے۔ یہ ترگن اتمک ہے۔ جو شے جس چیز سے بنی رہتی ہے۔ وہ اُس میں ہر وقت

موجود رہتی ہے۔ کارن ہمیشہ اپنے کارج میں رہتا ہے۔ اب اگر تم مجھ سے پوچھو۔ کہ یہ گُن اصل و نسل میں کیا چیز ہے۔ تو مَیں یہ کہوں گا۔ کہ اس گُن کے سنسکرت میں مادّی اور لغوی معنی رائے دینے کے ہیں۔ رائے یا صلاح ہمیشہ انسان کے دلی میلان کے بموجب ہُوا کرتی ہے۔ جس نے جیسی نظر بنالی ہے۔ وہ ویسی ہی دیکھتا اور اُسی کے موافق رائے دیتا ہے۔ یہی تو سبب ہے۔ کہ سنسکرت کے سچّے اور حقیقی معنی میں دانشمند عالموں نے ترگنا تمک مایا کو صرف واہمہ بتایا ہے۔ واہمہ۔ وہم۔ خیال اور بہکاو کو کہتے ہیں۔ مایا کی تعریف یہ ہے۔ کہ جو اصل میں نہ ہو مگر بھاستی رہے یہی مایا گُن کی کھانی ہے۔ اور یہ مایا کی تعریف سچ مچ صحیح ہے۔ لیکن اس موقع پر میں تم کو فلسفہ کے دقیق مسایل میں نہیں پھنسانا چاہتا۔ کیونکہ وہ طول طویل بیان ہو جائے گا۔ چھوٹے روزانہ خطوں کو طول دینا عبث ہے۔ صرف اتنا ہی یاد رکھو۔ مایا اور گُن واہمہ ہیں۔ جیسی نگاہ بنالو ویسا ہی نظر آنے لگتا ہے۔ سچا ند ہونے کو تو ایک ہے۔ مگر احول کو دو دکھائی دیتا ہے۔ احولی بڑے واہمہ کی بیماری ہے۔ اور عموماً اسی کے علاج کے طبیب ہیں۔ سب سے پہلے اس کو خوب ذہن نشین کرلو۔ تب آگے بڑھو۔

ہم جس شخص میں گُن دیکھتے ہیں۔ دوسرا شخص اسی میں اوگُن دیکھتا اور دکھاتا ہے۔ ہماری طرح وہ گُن کیوں نہیں دیکھتا! کیونکہ اُس نے اَور طرح کے واہمہ کو جگہ دے رکھا ہے۔ صرف یہ فرق ہے۔ اور فارسی شاعر کا کلام ہے:۔

هنر بچشم عداوت بزرگ تر عیب است
گُل است سعدی و در چشم دُشمناں خار است

یعنی دُشمنی کی نگاہ میں ہنر بھی بہت بڑا عیب پرتیت ہوتا ہے۔ سعدی گُلاب کا پھول ہے۔ مگر دشمنوں کی نظر میں کانٹا ہے''۔

دیکھا یاں بھی شاعر حیرت نگاہ کا تصوّر بتاتا ہے۔ اور حقیقت میں ایسا ہی ہے ؛

عیب کو سنسکرت میں اوگن کہتے ہیں۔ ان کے مادّی اور لغوی معنی چلے جاتے برعکس ہونے اور خامی وغیرہ کرنے لگے ہیں۔ یعنی صاف لفظوں میں گن کی عدم موجودگی بالکل غلط ہے۔ کیونکہ جب جگت خود گن سے بنا ہے۔ تو پھر جگت کی کوئی چیز گن سے خالی کیسے ہو سکے گی۔ ہاں نظر کے قصور سے وہ نظر نہ آوے تو دوسری بات ہے۔ اسی وجہ سے تو میں تم کو بار بار کہتا چلا آتا ہوں۔ کہ روحانیت کی مشاقی میں پہلے نظر کو گن گراہی اور ہنر بین بناتے چلو۔ نفی عدم موجودگی اور انکار کے واہمہ کو دل نہ دو۔ بلکہ اثبات موجودگی ہستی اور اقرار کو دل دو۔ نفی میں ترقی نہیں ہے ترقی تو اثبات میں ہے۔ اس لئے پہلے دل سے نفی کا خیال نکال دو۔ پھر ہستی اور اثبات کے خیال کو دل دو۔ نفی کو یوگ کی اصطلاح میں یم (خارج کرنا) کہتے ہیں۔ اور اثبات کو نیم (قبول کرنا) کہتے ہیں۔ لفظوں کے جھگڑے میں نہ پڑو۔ جوہر اور سار کو قبول کرو۔ تب بات سمجھ میں آتی چلیگی ؛

جب ہم نے تم کو بتا دیا۔ کہ گن گراہی ہونا بھی واہمہ ہے۔ تو پھر گن کے عوض اوگن کا گرہن کیوں کرتے ہو۔ گائے کا بچھڑا خون کو چھوڑ دیتا ہے۔ دودھ کو لے لیتا ہے۔ اسی طرح چونکہ ہم تم دونوں حضور کے بال بچے ہیں۔ اصلیت کا دودھ تو ان کی گئو سے روحانی تعلیم سے لے لیں۔ اور لفظوں کے سلسلہ میں جو گو ترک کا خون ہے اس کو نظر انداز کر دیں۔ اسی طرح ہمارا سلوک جگت کے پرانیوں کے ساتھ ہے مت مت انتر کے ساتھ اور شرتی سمرتی کے ساتھ ہو۔ تب تم سچے معنی میں گورو کے پنتھ میں داخل اور شامل سمجھے جاؤ گے۔ ورنہ کیا تم نہیں دیکھتے۔ خود آج کل رادھاسوامی مت میں اہنکاری جیو شامل ہو کر ستگورو کو نہ جان کر اپا پنتھی پن کا اظہار کر رہے ہیں۔ تم

اِن کے باہمی جھگڑوں کو نہ سُنو۔ اِن کا بھی ایک گُن گرہن کرو۔ یعنی وہ چونکہ گُورو
کے بتائے ہوئے اور بخشے ہوئے نام کو سُمرتے ہیں۔ سو وہ بھی چاہے کوئی کیوں نہ
ہوں، اِسی ایک معنی میں ہمارے پیار کے مستحق ہیں۔ وقت آئے گا جب ان کی ہٹا
بھی تبات پسند اور گُن گراہی ہو جائے گی۔ ابھی تو یہ اوگُن اور نفی کے گڑھے
میں گرے ہوئے ہیں ﴿

۱۴۔ چودھواں ارشاد۔ گُن گراہی ہونا گورومت میں شامل ہونا ہے۔ جو شخص
اوروں کو دور ہٹا کر ایک دوسرے کی نِندیا کا اشتعال دیتا رہتا ہے۔ وہ بھی گورو
مت میں شامل نہیں ہوا۔ چاہے وہ اپنے کو سنت اور شاگرد کہے۔ مگر حقیقت میں
وہ ابھی تک سچائی سے بہت دُور پڑا ہے۔ حضور اُس پر دیا کریں ﴿

حضور نے مجھ سے ایک مرتبہ آگرہ کے قیام کے وقت زبان مُبارک سے فرمایا۔
"شیوبرت لال! تم شہد کی مکھی کی طرح پھولوں پر بیٹھنے اور اُن کا ضروری اس لینے
کا عمل سیکھو۔ مگر پھولوں پر اِس طرح بیٹھو۔ کہ اُن پر تمہارے پاؤں کے دھبے
تک کا نشان نہ ہونے پاوے۔ یہ لطیف مزاج اور لطافت پسند طبیعتوں کا خاصہ
ہے۔ دوسری قسم کی مکھیوں کا خواص نہ قبول کرو۔ وہ تو جہاں بیٹھیں گی۔ غلاظت
ہی پر بیٹھیں گی۔ وہ شہد کی مکھی تو نہیں ہیں۔ اُن کا یہ دستور ہے۔ پہلے تو غلاظت
پر بیٹھ کر اُس کا اثر لیں گی۔ پھر آدمیوں کے کھانوں پر بیٹھ کر اُس کو ناپاک اور مسموم
کر دیں گی۔ یہ عادت سیوک۔ داس۔ اور گورومکھ کے لئے زیبا نہیں ہے ﴿

ترلوک! ایک بات میں تم کو بھی بتاتا ہوں۔ خوب سوچ سمجھ کر اُس کی طرف
توجہ دو۔ تاکہ جیتے جی تم کو پرمارتھ کا مزہ آئے۔ اور پھر اُس کی مشاقی کرتے ہوئے
سنتوں سے آخری اور اعلیٰ پد کی وراثت بہ آسانی حاصل کر لو۔ سُرت یعنی توجہ کے
کانوں سے گورو کے شبد کو سُنو۔ جو اندر باہر ایک رس محیط ہو رہا ہے۔ اِس

حضور مہاراج صاحب

عمل کو بھی شرت شبد یوگ کا ابھیاس یہی سمجھو ؎
مہم سے چولا لی ہے اٹکا ہو۔ جو لوگ نندیا کرتے ہیں۔ خواہ تمھاری دشمنی پر تلے ہوئے
ہیں۔ ان کے بھی گُن ہی کو قبول کرو۔ کیونکہ وہ بھی گُن سے خالی نہیں ہیں۔
نندک اور نندیا کے بھی روشن پہلو ہیں۔ ہم کو تو ہر شے کے تاریک اور نفی پہلو کو
ترک کرنا ہے۔ صرف روشن اور اثبات کے پہلو کو نظر کے سامنے لانا ہے۔ ورنہ
پھر رادھا سوامی مت میں شامل ہونے کا فائدہ ہی کیا ہوا! اگر ہم بھی اوروں کی
طرح عمل کرتے ہیں تو نتیجہ کے شرمانے والے اور شرم دلانے والے کہلائینگے ؎

نندک سے کُتّا بھلا جو ہٹ کر مانگے رار
کُتّا سے کرودھی بُرا جو گُرو دلاوے گار

اور جگہ مثال کی تلاش میں کہاں جاؤں۔ میری اپنی زندگی کے حالات پُر از واقعات
ہیں۔ انھیں کو تمھارے سامنے پیش کرتا ہوں۔ سُنو۔ رادھا سوامی مت کی
شرکت سے مجھ پر آریہ سماج کی طرف سے جا بجا مناسب اور نامناسب حملے ہوئے
سازشیں کی گئیں۔ مقدمے بنائے گئے۔ اس میں میرا بھی کچھ قصور رہتا۔ اگر مجھ میں
قصور نہ ہوتا تو وہ ایسا نہ کرتے۔ اخبارات کے کالم سیاہ کئے گئے۔ جا بجا عدل کو
اور مجھ میں عیب نہیں نظر آیا۔ تو مجھ کو جعلی ایم۔ اے۔ اور رادھا سوامی پنتھی کہہ کہہ
کر گالیاں دینے لگے۔ میں نے یہ سب برداشت کئے۔ اور دل پر ضبط کر کے حضرت
حضور کے روپ اور حضور کی پاک تعلیم کی طرف نگاہ رکھی۔ اس مخالفت اور
مزاحمت کا نہایت برکت بخش نتیجہ ہوا۔ کہ مجھ میں روز بروز اس کی طفیل مضبوطی
آتی گئی۔ حضور نے اندر میں دیا کا پرچہ دینا شروع کیا۔ اور میں نے بہ آسانی ان
نندکوں کی مہربانی سے شاگردی کو ہدایت کر لیا۔ اگر وہ اس طرح سلوک نہ کرتے
تو میں حضور کا دیا پاتر نہ ہوتا۔ میں نے کبھی بھول کر بھی آریہ سماج کی مخالفت نہیں

کی۔کیونکہ اُس کا روشن پہلو اور دھرشی سوامی دیانند جی کی سفید شخصیت میری نگاہ کے سامنے رہتی تھی۔میں سب کی تعظیم کرتا رہا۔اور اپنے ان سمجھ نندکوں کو سچے دل سے دعا دیتا رہا +

کبیر نندک نا مرو۔جیؤ آد جگاد
ہم تو ستگور پائیا نندک کی پرساد

قدرت میں جس کام کے لئے جو شخص موضوع ہوا ہے۔وہ تو وہ کام ضرور ہی کریگا ورنہ پھر اُس کے پیدا ہونے کی ضرورت ہی کیا تھی ا اور وہ بھی کسی خاص مصلحت سے ہے۔بے مصلحت تو دُنیا میں کوئی کام نہیں ہوتا۔تم اپنا کام کرو۔ان کو اپنا کام کرنے دو۔ان کی نندیا سے تُم میں مضبوطی اور استقلال۔گورو بھگتی اور ایثار نفسی آئے گی۔اور تمھاری بھگتی کا امتحان ہوتا جائیگا۔گورو بانی ہے :۔

نندک نیرے راکھئے آنگن کُٹی چھوائے   بن پانی صابن بنا۔نرمل کرے سُبھائے
نندک دُور نہ کیجیئے۔کیجے آدر مان   تن من نرمل کرت ہے۔بکے آن ہی آن

یہ نندک اور نندا کا روشن پہلو ہے +

ہاں۔تم ہرگز کسی کی بھی نندا نہ کرو۔ورنہ ان سمجھی سے اُس کے پاپ کے بھاگی ہوتے جاؤ گے۔اور بالعوض گورو کے وہی شخصیت جس کی تُم بُرائی کرتے ہو تمھارے من میں بستی جائے گی۔اور عملی تصوّر سے خود تم اُس کے رُوپ ہوتے جاؤ گے۔دُشمنی کا خیال بہت مضبوط ہوتا ہے۔دوستی کے خیال پختہ کرنے میں دیر لگتی ہے۔اس لئے سنت مت چونکہ پریم کا مارگ ہے۔اُس کے پیرو کار کو کسی کی بھی بُرائی کرنے کا حکم نہیں ہے۔یہاں تو صرف پریم کو پکّا کرنا ہے۔نندک بھی تو آخر حضور کے بال بچہ ہیں ان کو یا تو پیار کرو۔یا ان کی طرف سے اُداسین اور بے پرواہ رہو۔یہ بھی تمھارے بھائی ہیں۔یہ ان سمجھ ہیں تُم سمجھدار ہو۔سمجھ والے کو ان سمجھ سے اُلجھنا کیسا ؟ مگر

تپدا اور مخالفت ہی دنیا میں آگ کی بھٹی ہے۔ جس میں بھگت جن تپائے جاتے ہیں۔ اگر ایسا نہ کیا جائے تو پھر کھرے کھوٹے کی تمیز کیسے ہوگی! اس کے سوا اور کوئی کسوٹی ان کے جانچ پڑتال کی نہیں ہے۔ اگر تم سچے گورو کے سچے سیوک ہو۔ تو ان کی سہو۔ اور اس برداشت اور تحمل کے سلسلہ میں اپنا کام بناتے چلو۔

کبیر کسوٹی رام کی کھوٹا ٹکے نہ کوئے
رام کسوٹی وہ ٹکے۔ جو مر جیوا ہوئے

۲ جولائی ۱۹۱۴ء۔ راون رام کا نزدیک اور دشمن تھا۔ رات دن رام کی دشمنی پر تلا رہتا تھا ہمیشہ یہی خیال۔ وہی تصوّر یا آخر یہ حالت ہو گئی کہ رام اُس کے من میں بس گئے۔ راون کو ہر وقت رام ہی کا خیال رہتا تھا۔ وہ دھیان روز بروز پختہ ہوتا گیا۔ آخر لڑائی ہوئی۔ رام نے راون کو ہلاک کیا۔ راون کے منہ سے نور کا شعلہ نکلا۔ اور رام کے منہ میں سما گیا۔ یہ اُس کی دشمنی کا انجام ہوا۔ اور اُس کی عاقبت بخیر ہو گئی۔ کبیر صاحب نے سچ کہا ہے:۔

مکھ میلا تو کہی بھلا۔ اچھا کبہوں نہ تیل
سادھو سنگ جھگڑا بھلا۔ ساکت سنگ نہ میل

اگر کوئی راون بنتا ہے تو بننے دو۔ تم رام بنے رہو۔ اور تمہاری دشمنی کرنے سے تمہارا دشمن بھی تمہارے طفیل تر جائے گا۔ آریہ سماجیوں نے میری مخالفت کی۔ اب اگر پنجاب میں دیکھو۔ تو آریہ سماجیوں ہی کی کثیر تعداد میرے لٹریچر کو پڑھ پڑھ کر رادھا سوامی پنتھ میں شامل ہو رہی ہے۔ اگر میں بھی مخالفت پر تلا رہتا تو یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ تم نیک بنو۔ اوروں کو بُرا بننے دو۔ اور ایسا ہو کہ تمہاری نیکی کا دباؤ اُن پر خوشنما اثر پیدا کرے۔ اور وہ تمہارے جیسے ہو جائیں۔ ابھی ہم تو گورو کے سیوک ہیں۔ سیوک کو صرف سیوا کرنا چاہیئے۔ سیوک کو لڑنے جھگڑنے سے کیا کام ہے!

طالبوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ دشمن کو اپنا محسن سمجھیں

یہی سادھ کا لکش ہے۔ جن میں ہو گورو مکھ

۲۷ جولائی ۱۹۱۷ء۔ ایک شخص ہے جس میں کام انگ کی زیادتی ہے۔ دوسرا شخص ہے جس کا کرودھ کا انگ زور پر ہے۔ دنیا میں اوروں کے لئے تو یہ عادات مذموم ہیں۔ کیونکہ کہا گیا ہے :-

کامی کرودھی لالچی ان سے بھگتی نہ ہوئے
بھگتی کرے کوئی سورما ذات برن کُل کھوئے

لیکن بھگت کے لئے کیا ارشاد ہے :-

کامی ترے کرودھی ترے لوبھی ترے اننت
آن اُپاسک کرتگھن ترے نہ نام کہنت

ذرا ان کلاموں کے اندر گھُس تب کیفیت معلوم ہو۔ اور ان کی خبر صرف اُس شخص کو ہو سکتی ہے۔ جس کو گورو نے ہر شے کے دیکھنے کے لئے خاص قسم کی نگاہ عطا کی ہے۔ جو زہر اور دیوتاؤں کیلئے مُہلک ہے۔ وہی شیوجی کا زیور اور اُسی کی بدولت وہ نیل کنٹھ کہلانے والا نام پاتے ہیں۔ لوگ سانپ بچھو کے نام لینے سے ڈر جاتے ہیں۔ مگر وہ شیو کے جسم سے لپٹے رہتے ہیں۔ اور وشنو کے لئے سیج کا کام دیتے ہیں۔ اس کا سبب کیا ہے؟ گُنوان کے لئے اوگن بھی گن روپ ہو جاتے ہیں۔ اور وہ گن بن جاتے ہیں۔ وامن کا لوبھ۔ پرسرام کا غصہ۔ کرشن کے کام کو صرف اَن سمجھ آدمی ہی بُرا بتائیں گے۔ ورنہ وہ تو اُن کی زندگیوں کی امتیازی خصوصیتیں ہیں۔ گوسائیں تلسی داس جی کا کلام ہے :-

سمرتھ کو نہیں دوش گوسائیں
روی پاوک سُرسری [illegible] کی نائیں

ترجمہ:- اے سوامی! سمرتھ کو عیب نہیں لگتا۔ جس طرح سورج گنگا اور آگ

گورو مکھ ان کو یاد کرا دے اور ان کے روشن پہلو کو زیر نگاہ رکھ کر خاص طور پر ان کی
تادیب اور تربیت کرتا ہے۔ اور ان کے مارنے سے باز آتا ہے۔ وہ ان کی شکایت
کبھی نہیں کرتا۔ اور کیوں کرے۔ اس نے تو ان کے اچھائی کے انگ کو دیکھ لیا ہے
۵ جولائی سنہ ۱۹۱۷ء۔ اب شلوک یہ کام کرودھ کیا چیز ہیں۔ کام کو لوگ بالعموم
شہوت کے معنی میں تاویل کرتے ہیں۔ یہ بھی صحیح ہے۔ اور اس کے کچھ اور بھی
معنی ہیں۔ گورو کی بانی ہے:-

کام کام سب کوئی کہے۔ کام نہ چینہے کوئے
جیتی من کی کلپنا۔ کام کہاوے سوئے

سنسکرت میں کام کا مقصد خواہش اور پیار بھی ہے۔ قوت ارادی کی تکمیل
خواہش اور پیار ہی سے ہوتی ہے۔ جب تک کسی میں مضبوط خواہش اور پیار نہ ہو
اس کی قوت ارادی میں پختگی کبھی نہ آئے گی۔ اور نہ دین و دنیا میں کبھی کامیاب ہوگا
میں نے تو آج تک کسی بہتر سے دین یا دنیا کا زبردست کام انجام دیتے نہ دیکھا ہے
اور نہ سنا ہاں اگر کسی اور نے دیکھا یا سنا ہو تو اس کی بابت مجھ کو خبر نہیں ہے۔ کام انسانی
زندگی کی طاقت کا بہترین تحفہ ہے۔ کیونکہ اس کا تعلق بیرج سے ہے۔ جب تک
آدمی بیرج وان نہ ہوگا۔ اس میں بل اور بڑھنے کی آتما شکتی نہیں ہے۔ ایسی حالت میں
ہوا اور نادان کے اور کون اس کے مارنے کی جتن کرے گی۔ کلجگی ودوان اور گیانی دھیان سبھی کا
انحصار اسی پر ہے۔ یہی بل دان بناتا ہے اور دماغ کی طرف رجوع ہو کر اور اوج ہو کر
کرانتی اور چمک۔ رونق اور دمک شکل پر اپنا نمود دکھاتا ہے۔ جیسے اور کام بھی
اس کے نہیں تو نے ویسے ہی آج تک کسی نے تجربہ سے کلجگی کا کبھی کام نہیں کیا
ہے۔ جب تک آدمی گورو کی شرن میں نہیں آیا ہے تب تک اس کا کام انتہائی نیچے کی
رجوع رہتا ہے۔ اور جہاں اس نے شرن قبول کر لی۔ اس کا رخ اوپر کی طرف

پھیل جاتا ہے اور یہی زبردست طاقت بن کر رُوحانی غلافوں کو ڈھیلا کر دیتا ہے۔ ایک مقام سے دوسرے رُوحانی مقام پر جست کرتا ہوا جاتا۔ اور آخر میں پرم پد کا ادھکاری بنا دیتا ہے ۔

تم اس کے بس میں کرنے اور اس کی تربیت کرنے کا عمل جان لو۔ اور یہ تمہارا مددگار بن جائے گا۔ اور اگر دُنیاداروں کی طرح اس کو بُرے رُخ کی طرف لگاتے رہے تو یہ خود ناپاک ہوگا۔ اور تم کو بھی ناپاک کرتا جائیگا۔ بیج کا استھان دماغ میں ہے۔ اس دماغ آتما میں ارتقیہ کرو۔ اسی طرف رجوع کرنے کا سادھن سیکھو۔ اور جب ایسا ابھیاس کرتے ہوئے تم اپنے دماغ پر مان سرووَر (یا شوتیہ) کے امرت کنڈ میں غوطہ لگاؤ گے یہی کام تو ہنس بنا دے گا ۔

کام کرودھ شوتک سدا سوتک لوبھ سماسے
مان سرووَر نہائیے۔ تب یہ سوتک جاسے

جن کی آنکھوں میں مروت۔ اور دل میں محبت۔ دیکھو۔ جو رقیق القلب ہیں۔ اور انسانی ہمدردی کا دم بھرتے ہیں۔ ان میں سے سب میں کام کا انگ پربل ہوتا ہے جو دوسروں کے دُکھ درد کو دیکھ کر رو پڑتے ہیں۔ دستگیر اور مددگار ہوتے ہیں۔ اور اگر کہیں سادھن میں لگے۔ تو یہی سچے گیانی اور سچے بھگت بن جاتے ہیں۔ دور نہ جاؤ اپنے دل میں داخل ہو کر دیکھو۔ اور سچائی کو سمجھ جاؤ گے۔ یہ کام ہی انگ ہے جو گورو کی صحبت میں بیٹھنے سے شکتی کی صورت میں پرگٹ ہوتا ہے۔ اور زمینی سے آسمانی بن جاتا ہے ۔

ممکن ہے۔ آج تم میری باتوں کو نہ سمجھو۔ اور دوسروں کے کلام کے زیر اثر آ کر اس طرز بیان کو بالکل نیا اور ناقابل یقین کہو۔ مگر کچھ دنوں پیچھے خود تم کو اس کی سمجھ آ جائے گی ۔

۵ - جولائی ۱۹۱۷ء - کرودھ کیا ہے؟ یہ دل کی ناپسندی کے اظہار کا خوبصورت جذبہ ہے - جو ناوانستگی میں حیوانی غیظ و غضب کی صورت میں ظاہر ہوا کرتا ہے - اور جب اس کا رُوپ سمجھ میں آجاتا ہے - اور اس کی اصلیت کا علم ہو جاتا ہے - تو پھر رُوحانی ترقی میں یہ بہت بڑا مددگار اور چت کی ورتیوں کے ایکاگر کرانے میں مددگار ہوتا ہے +

گھروں میں لوگ بیوی - بچّوں - نوکروں پر - دفتروں میں ماتحتوں اور افسروں پر ست سنگ میں اپنی بیدلی اور چِنچِتا پر غصّہ کرتے ہیں - کیوں؟ کیونکہ اُن کے دل کے اندر ہر بات کا خوبصورت خیالی معراج قایم ہے - اُس کو باہر نہ دیکھ کر جھنجھلا اُٹھتے ہیں ہم چاہتے ہیں - گھر کی صفائی خاص قسم کی ہو - لڑکے خاص طرح کے مؤدّب رہیں - نوکر شایستہ بنجائیں - ماتحت اور افسر با اصُول ہوں - ہم گُورو کی قربت اور دھیان میں دل کو اچھی طرح یکسو کریں - ناکامی اور کامیابی پر طبیعت مکدر ہو جاتی ہے - اگر ہم سے یہ کرودھ یا غصّہ بالکل چھین لیا جائے - تو ہماری ترقی محال ہو جائے گی - عام آدمیوں کو اس کی اہمیت کی خبر نہیں ہے - اس لئے اُن کا طرز روش ناخوشگوار ہو جاتا ہے - جب خوش قسمتی سے کبھی سچے گورو کا ست سنگ میسّر آجاتا ہے تب اس کی اصلیت ذہن نشین ہونے لگتی ہے - اور سیوک اپنا کام بنانے لگتا ہے +

فارسی کی ایک کتاب میں لکھا ہے "لقمان" سے کسی نے پُوچھا - حکمت کس سے سیکھا؟ جواب دیا "بے ادبوں سے" - کیونکہ ان کی جو حرکت مجھ کو ناپسند آئی اُس کو ترک کرتا گیا " یہ کرودھ کا بہترین استعمال ہے +

تم بیوی - بچّوں - نوکروں - اور ماتحتوں پر دل کا غبار کیوں نکالتے ہو؟ یہ سمجھو کہ آدرش اور آئیڈیل تمھارے دِل کے اندر ہے - اُن کے اندر تو نہیں ہے - چُپ رہو اور اپنے ہی دل کی اصلاح کرتے چلو - تاکہ تمھارا آئیڈیل تمھاری زندگی میں ظاہر

ہونے کا موقع حاصل کرے۔ سو تم ان کی حرکات کو دیکھ کر روز بروز کچھ نہ کچھ سیکھتے جاؤ ٭

سنو۔ وہ بھی ایک جگہ رات کے وقت سو رہے تھے۔ ایک کے پاؤں میں خارش ہوئی۔ وہ دوسرے کی پاؤں کھجلانے لگا۔ وہ بولا "میرا پاؤں کیوں کھجلاتے ہو؟" اس نے جواب دیا "پاؤں میں خارش ہے"۔ اس نے کہا "پھر اپنا پاؤں کھجلا لے"۔ یہ کہکر اس نے پاؤں کھینچ لیا۔ یہ رونے لگا "ہائے میرا پاؤں کہاں گیا"۔ ایسا ہی دو لوگوں کا حال ہے۔ آئیڈیل تو ان کے دل میں ہے۔ مگر دوسروں کی ذات میں اس کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ اپنی اصلاح نہیں کرتے پھلتے۔ مگر وہ بھی کیا کریں۔ ست سنگ میں بیٹھنے کا موقع نہیں ملا۔ مبارک ہیں وہ لوگ جن کو ست سنگ پراپت ہو گیا ہے۔ وہ بالعموم دوسروں کے اپنی کمزوریوں پر توجہ کرکے اپنی ہی بہتری میں لگ جاتے ہیں ؎

۵۔ تیسرا لالچ۔ ستسنگ ۱۹۱۷ء۔ یہی حال لوبھ کا سمجھو۔ لوبھ سنسکرت مادہ لُبھ (بہت زیادہ) خواہش رکھنے سے نکلا ہے۔ کسی شے کی بڑی لالچ کو لوبھ کہتے ہیں۔ دنیادار اس کو دولت وغیرہ ہم شے وغیرہ کہتے ہیں۔ ست سنگی کو بہت بڑی لالچ پرم پد اور گرو بھگتی کی ہوتی ہے۔ اور وہ سب سے بڑا لالچی ہے۔ وہ ایسی چیز چاہتا ہے جس سے زیادہ قیمتی کوئی بھی نہیں ہے۔ اسی کو ہمارے شاستر موکش تا کہتے ہیں۔ اور جب یہ خواہش دل میں سما جاتی ہے تو سنتوش آ جاتا ہے ٭

گؤ دھن۔ گج دھن۔ باج دھن اور رتن دھن کھان
جب آوے سنتوش دھن سب دھن دھول سمان

سمجھو۔ اس سے بہتر دولت اور کیا ہو گی۔ تم سے اگر ہو سکے تو ایسے لوبھی اور لالچی بننے کا ساہس کرو۔ سیلانی کیوں ہوتے ہو۔ آسمانی لوبھی کیوں نہیں بنتے ٭

مالِ دنیا تن پرستاں را حلال ما غلامِ ملکِ عشق لا یزال

۵۔ جولائی سنہ ۱۹۱۶ء۔ موہ کیا ہے؟ سنسکرت میں "موہ" بھرم کو کہتے ہیں اور اگیان کو کہتے ہیں۔ عام مروّجہ اصطلاح میں کسی دُنیاوی شے۔ لڑکے۔ جورُو وغیرہ سے گہرے تعلق کو موہ کہتے ہیں۔ دونوں ہی کے روشن پہلو ہیں۔ بھرم نام ہے واہمہ کا۔ اگر وہ پیدا کرتا ہے خواہ بھرم میں پڑتا ہے۔ تو گورُو بھگتی سے واہمہ کو پختہ کر چلو۔ تاکہ جب اس کی انتہائی حالت آ جائے۔ تو سچا گیان پراپت ہو جائے گا۔

گیان بُوجھ جڑ ہو رہو۔ تج ابھمان غرور
موہ کرو گورُو چرن میں۔ روشن حال حضور

اور اگر تعلق اور گہری محبت کا دم بھرنا ہے۔ تو حضرت گورو کی محبت اور تعلق کو دل کیوں نہیں دیتے؟ دُنیاوی رشتہ داروں کی محبت آواگون کا باعث ہوگی۔ اور یہ جو نکہ بغرضانہ ہوگی۔ پرم پد کا ادھکاری بنائے گی۔

۵۔ جولائی سنہ ۱۹۱۶ء۔ اب رہ گیا اہنکار۔ اہنکار کہتے ہیں۔ اہم یا کو۔ اہم معنی میں اور کار بنانے والا۔ یہ اُس کا مادہ ہے۔ جو شے ہماری شخصیت کو گھڑتی اور فردیت کو امتیازی صورت میں منتقل کر دیتی ہے۔ وہ اہنکار ہے۔ اس سے بہتر اور کیا چیز؟ خیال۔ تصور۔ دھیان۔ اور واہمہ کو پختہ کرے گی! اور اس سے بہتر ہو کیا سکتا ہے! ستی غرور کو چھوڑو۔ عادی غرور کو دل سے۔ سفلہ پن دل سے دُور ہونا چاہیئے علوی پن دل میں داخل ہو جائے۔ ویدانت کے مہاواکیہ میں اسی اہنکار کو سب سے زیادہ عزت دی گئی ہے۔ اہم برہم آسمی۔ انا الحق۔ میں ہی برہم اور میں ہی حق۔ ہمل یہ ویدانت کی تعلیم ہے۔ برہم یا حق کو خدا یا ایشور کے معنی میں حسرت بے وقوف تبدیل کرتے ہیں۔ برہم نام ہے گیان کا اور حق نام ہے حقیقت کا۔ خدا اور ایشور سے اِن کو کیا تعلق ہے؟ اور اس نظر سے اس مہاواکیہ کے دیکھنے سے جُدائی کیا ہوتی ہے؟ اگر ہم گیان اور حقیقت۔ ذات اور معرفت نہیں ہیں تو پھر

تم میں گیان اور حقیقت آئے گی کہاں سے۔ وہ تو در اصل ہمارا رُوپ ہے۔ وہی اَشٹ اور اَٹیل ہے۔ دل میں پردے پڑے ہوئے ہیں۔ اور ہم وچار سے اُن پردوں کو چیرتے ہوئے اپنی ہستی اور اپنی ذات میں اُن کا جلوہ دکھانا چاہتے ہیں۔ اس نگاہ سے بہت بڑا ویدانتی میں ہوں۔ اور میں کیوں نہ اس طرح کا غرور کرتے ہوئے اپنے میں حقیقت کی جمالی اور جلالی شان دکھاؤں۔ اِس شان کے دکھلانے کے دو طریقے ہیں۔ ایک کا تو اُوپر بیان کر دیا گیا۔ دوسرا یہ ہے کہ میں ست پُرش رادھا سوامی کا شاہزادہ اور اُسی معبودِ حقیقی کا وارث۔ ذات اور رُوپ ہوں۔ اور سُرت شبد یوگ کا ابھیاس کرتے ہوئے اُسی کی پاکی کو اپنے میں دکھانا چاہتا ہوں۔ یہ بھگتی اور پریم کا مارگ ہے۔ جس کی مُراد کو اب اِس تعلیم کے لیے میں پرگٹ کرنا مقصود ہے ✻

اس طرح کے اہنکار کو بُرا کون کہیگا! جس میں ایسا اہنکار ہوگا۔ وہ کبھی ذلّت کو بھی گوارا نہ کریگا۔ نہ اُس سے ناخوشگوار اور مذموم حرکات کا اظہار ہوگا بلکہ اُس میں خاص قسم کی خودداری ہوگی۔ اور اس اہنکار کی بدولت وہ بُروں کی صحبت بدوں کی قُربت۔ نفسانیت کے ناپاک اثرات۔ اور جسمانیت کے گندے جذبات اور حیوانیت کے ذلیل غلبات سے خود بچ کر بچتا رہیگا۔ مگر اس بات کی سخت ضرورت ہے۔ کہ یہ جذبہ گورو سے حاصل کیا جائے۔ ویدانتی گورو مُکھ سے گیان سُنے۔ اور سنت مت کا پیرو کار یہ پاک خیال سنت ستگور سے حاصل کرے۔ ورنہ نتیجہ ناقص ہوگا۔ کتابوں کے مطالعہ سے کام کبھی نہ بنیگا۔ تمہارا جی چاہے کسی ویدانتی سے پُوچھ دیکھو۔ اور اِدھر کسی باخبر سادھو سے راز لے لو ✻

گورُو بن مالا پھیرتے گورُو بن دیتے دان
گورُو بن دان حرام ہے جائے پُوچھو وید پُران

گورو بن بھجتے رام کو گورو بن لیتے
بن گورو نشپھل بھگتی ہے کرم دھرم بیکام

ترلوک! سمجھو۔ میں نے تُم کو کام کرودھ وغیرہ کے روشن پہلو دِکھا دیئے۔ اب اِن کو جیوں کا تیوں سمجھنا۔ ماننا اور اِن سے فائدہ اُٹھانا تمھارا کام رہا ÷

۱۰۔ جولائی سنہ ۱۹۱۷ء۔ ترلوک! یہ تُم یاد رکھو۔ کہ پریم اور کوئی چیز نہیں ہے۔ گُن کا گرہن کرنا۔ اور گُن کو گرہن کرتے ہوئے اُس کو سرب انگ سے من دیدینا اور اُسی گُن کا ہو رہنا پریم ہے۔ جو گُن کو پیار کرتا ہے۔ وہ پریمی ہے۔ اور جو اوگُن کو گرہن کرتا ہے وہ پریمی نہیں ہے۔ یہ عادت قدرت میں کسی کسی کو ہوتی ہے۔ حضور جگت میں تشریف لائے۔ کسی نے اُن کو سنت سمجھ کر اُن میں تارنے کا گُن دیکھا۔ اور چرنوں کو گھر کر پکڑ لیا۔ اور اِن کے اِس خیال کو اِس طرح مضبوطی ہوئی۔ کہ وہ اُسی کے ہو رہے۔ اور تر گئے۔ کسی نے اُن کو پرم تتو سمجھا۔ اِن میں یوں یک درشٹی تھی۔ اور اسی نظر سے اُن کو دیکھتے رہے۔ یوگی اور تتو گیانی ہو گئے۔ اور گیان ہی مُکتی کا اصلی رُوپ ہے۔ وہ اس نظر کی بدولت موکش کو پراپت ہوئے۔ کسی نے ان کو اِنسانی صُورت میں رُوح مجسم ٹھہرا لیا اور رُوحانی ہو گئے۔ دُوسروں نے ان کو یوگی یقین کیا۔ اور اُن سے یوگ کا اعتقاد کیا۔ بعضوں نے صاحب اختیار افسر سمجھا۔ اور اُسی قسم کا فیض پایا۔ اور آدمیوں نے رشتہ دار اور خویش کی نگاہ سے دیکھا اور ویسا ہی برتاؤ کرتے رہے۔ جس نے اِنسان یقین کیا اُس کو انسانی فیض ملا۔ جنہوں نے فقیر جانا اُن کو ریاضت۔ فقر۔ اور پارسائی کی دولت نصیب ہوئی۔ تتو ایک ہے۔ جس کا جیسا سوجھا تھا وہ اُس کو اُسی رُوپ میں دکھائی دیئے۔ اور اُسی طرح کی کمائی کا اکتساب کرتے رہے واحد میں کو اُن میں شانِ وحدت کا جلوہ دکھائی دیا۔ کثرت میں کو کثرت کا تماشا نظر آیا

اور یہہ سب اپنے اپنے طور پر مستفید ہوتے رہے - مُبارک ہیں وہ جنہوں نے اُن کا درشن تو کیا - کیونکہ ان کی خوش نصیبی اس درشن اور زیارت سے جاگ اُٹھی - اِن سب میں پریمی کا درجہ بڑا ہے - کیونکہ پریمی یک انگی ہوتا ہے - اور اُس کی ترقی بہت جلد ہوتی ہے - بات ایک ہی ہے - صرف دل کے جذبات کا اختلاف رہتا ہے - کسی کا کام جلد ہوا - کسی کا دیر میں - کام تو سب کا ہوا - مگر پریمی سب کا پیشوا بن گیا - کیونکہ وہ گورومکھ تھا - جو گورو کو گورو سمجھ لیتا ہے وہی سچا گورومکھ کہلاتا ہے +

گورومکھ تا سے بڑی کام کرے تت کال
جب گورومکھتا من وسی - گورومکھ ہوا نہال

کایا سے سیوا کیا - کایا ہو گئی شُدھ
گورو بن کچھ نہ بھاسی - اور نہ کولی شُدھ

من سے گورو کا دھیان کر کہے گورو کا نام
آنکھوں سے گورو درس کر پہنچے ست گورو دھام

چوٹی سے ایڑی تلک سیاپ رہے گورو دیو
اب دُوجا کوئی نہیں - ایک گورو کا سیو

رشی منی گیانی - دیوتا اور نہ دیکھے کوئے
گورو کی نس دن چاہ ہے - سو بڑ بھاگی ہوئے

۱۱ جولائی ۱۹۱۶ء - پریمی اوروں کو مُردہ نظر آتا ہے - کیونکہ مُرید اصل میں مُردہ ہی ہے - مگر صرف ظاہر بین کے لئے - ورنہ وہ اصلی زندگی کا وارث ہو گیا ہے - وہ سنسار کی طرف سے مُردہ ہے - اور سار کی طرف سے زندہ ہے - اسار کو چھوڑ دیا - اور سار کو گرہن کر لیا - اِدھر سے سوتا ہے - اُدھر سے جاگتا ہے - یہ پریمی کا روپ ہے +

۱۲ جولائی ۱۹۱۶ء - پریمی گورو کے سوا اور کسی کو نہیں دیکھتا - اور کوئی ہو تو نظر پڑے - یہہ جگت ہی اُس کو گورو مے اور پریم مے پرتیت ہوتا ہے - اور جب من میں گورو بس گئے - تو پھر وہ کس کی ستتی کرے - اور کس کی نندیا کرے - اور کسی کی اس کے من میں گنجائش کہاں ہے - جو جذبات دل میں پیدا ہوتے ہیں وہ گورو ہی کے رنگ سے رنگے رہتے ہیں +

لالی اپنے لال کی جت دیکھوں تت لال
لالی دیکھن میں گئی - میں بھی ہو گئی لال

۲۲ جولائی ۱۹۱۷ء - جب چوپسر کی گوٹ لال ہو جاتی ہے - تب وہ پھر آنند سے
سو رہتی ہے - اور پکی کہلاتی ہے - لیکن یہاں ایک رہسیہ ہے - چوپسر کی پکی گوٹ
کبھی کبھی کچی بھی ہو جایا کرتی ہے - اور کھلاڑی پکی گوٹ سے کچی گوٹ کو مار کر اُس
کو پھر کچی کر لیتے ہیں - اور پھر اُس کو چوپسر کے خانوں میں بھرمنا پڑتا ہے - اگر اُس
گوٹ نے لال ہو کر اپنے ساتھ اوروں کو بھی لال کر دیا - تب تو ہمیشہ کے لئے بساط
اُلٹ گئی - ورنہ پھر بھی خطرہ ہے - اِسی طرح اگر گورو کے کسی سیوک نے صرف اپنی ذاتی
مکتی کو دل دیا - تو اُس میں اہنکار کا بیج رہیگا - اور گو وہ ظاہر میں نظر نہ آوے - مگر مخفی طور
پر چھپا رہیگا - اس لئے جہاں ہم گورو کے چرنوں میں اپنے اہنکار کو مار دیتے ہیں وہاں اپنے
ساتھ اوروں کی بھلائی کا بھی دھیان رہے - اور ہمارا - ہمارے ساتھی اور دوست
دشمن بھی تمام جگت پاک ہو جائے - اور یہہ سب حتی الامکان گورو پراین کئے جائیں -
تب سچا کلیان ہو گا - اور جب سنسار کی یہہ تمام گوٹیں مکتی کے کھیل سے لال ہو جاینگی
پھر چوکا نہ پانسہ پڑے گا نہ بساط بچھیگی - لکش چوراسی کے خانے نہ رہیں گے - اور نہ کسی
گوٹ کو ان خانوں میں بھرمنا پڑے گا - یہ سنت مت ہے - جس میں یہ جذبہ نہیں ہے -
اس نے سچے معنی میں سنت مت کو قبول نہیں کیا +

(۱) آپ تریں ہم سب کو تاریں - تر تر کر گورو گا دیں
ترن تارن کی اوٹ پکڑ کر کال جال نہیں آ دیں

(۲) پریم بھاو دھر من میں اپنے چیتن جیو چیتا دیں
جو کوئی پوچھے پریم بھگتی سے گورو مت تاہی بتا دیں

(۳) چھیڑیں راگ پریم کا پل پل مست ہوئے گن گا دیں
گورو کا روپ الیکھ اگوچر لیکھے تاہی لکھا دیں

(۴) بن آئی میری گورو پایا - بگڑی سب کی بنا دیں

سب کوئی ہووئے گورو پراین۔ گورو پر بل بل جاویں
(۵) دیکھا درشٹیہ پریم کا ہم نے۔ اوروں کو بھی دکھا دیں
رادھا سوامی چرن شرن بلہاری۔ بھگتی موکش پھل پاویں

۱۵ جولائی ۱۹۱۷ء۔ ایک ہی کشتی میں سب سوار ہیں۔ کشتی اگر کنارے لگتی ہے تو سب مع کے سب پار پہنچیں گے۔ اگر کشتی منجدھار میں ڈوبتی ہے۔ تو سب کے سب غرق ہونگے۔ ہماری تیراکی کس کام کی! جب ہم کشتی سے دُور ہو کر خود اپنے کو بچاتے ہیں بات تو تب ہے جب ہمارے ساتھ اور بھی کنارے پہنچ جائیں۔ یہ سنت مت کا مارگ ہے۔ جو لوگ صرف اپنی ہی مکتی چاہتے ہیں۔ وہ لگھو یعنی چھوٹے مارگ کے پیرو کار ہیں۔ اُن کی نندیا نہیں ہے۔ کیونکہ نندیا کرنا ہمارے اخلاق کے شایاں نہیں ہے۔ ہم تو اُن کے جذبہ کی بھی تعظیم کرتا ہے۔ مگر مہا مارگ چاہتا ہے۔ کہ اُس کے تمام پیرو سنت پدوی کو اوروں کے ساتھ حاصل کریں۔ اور ایک ایک آدمی اس خیال کو تقویت دیتا رہے۔ اور حضور معلّی مقدّس کے چرنوں میں یہی پرارتھنا کرے کہ سب کے سب رادھا سوامی پراین بنیں +

اپنی تو سب کو پڑی اپنے اپنے کاج
ہم کو تو سب کی پڑی۔ سنگو رر اکھو لاج
ہم سیوک ہیں گورو کے سب کی سیوا کریں
بوجھ پرایا آپنا۔ سوچ سمجھ سر دھریں
سب بالک ہیں گورو کے کیا شترو کیا میت
سب کی ہم سیوا کریں دھر گورو چرنن پریت
تارن آئے سنگورو شبد جہاز چڑھائے
سیوک گورو کی چال چل سب کو پار لگائے
رادھا سوامی گائے کر پریم پریت منگائے
پنتھ گورو کا نرملا۔ اِل مِل تر جائے

۱۶ جولائی ۱۹۱۷ء۔ ترلوک اِستو۔ ہم پہلی مرتبہ صرف تم سے کہتے ہیں۔ اور ہم کو حضور کا سچا پُتر سمجھ کر مہا مارگ اور لگھو مارگ کا چنھہ بتاتے ہیں۔ لگھو مارگ بیں اکثر لوگ نندیا کر کے اپنی بڑائی اور دُوسروں کی چھوٹائی دکھاتے رہتے ہیں۔ ان میں تنگدلی

ہے۔ جہامارگ سب کو پریم کی نظر سے دیکھتا ہے۔ اس خاص طریق میں یوگ سانکھیہ ویدانت سب ہی کھپ جاتے ہیں۔ کیونکہ یہ بھی سب ہمارے ہی رُوپ ہیں۔ تمام سمپردائی۔ پنتھائی اور اہل مذاہب میں سے سب میں سچائی ہے۔ اُس کو گرہن کرو اور اُن کے تتّو اور تعلیم کے جوہر کو سمجھ کر اُن کو حوصلہ دلاتے رہو۔ کسی کے کھنڈن میں کیا دھرا ہے۔ اور کیوں کھنڈن کیا جائے۔ آتما ایک ہے۔ حقیقت ایک ہے۔ جوہر ایک ہے۔ سارگرہن کرنے والی درشٹی صرف جوہر اور سار کو لیتی ہے۔ اور یہ نظر گوروئے مجھ کو بخشی ہے۔ تم دیکھتے ہو۔ میں نے پانچ سو سے زیادہ اب تک کتابیں لکھی ہیں میری کتابوں میں کہیں بھی کسی کا کھنڈن نہیں آتا۔ اور میں سب کو انگ لگاتا ہوں۔ اور سب کے سِدّھانت کا منڈن کرتا رہتا ہوں۔ جب میں آگرہ میں حضور کے درشن کو حاضر ہوا آپ نے ایکانت میں مجھ کو سمجھایا۔ لویکی کے لئے سب ایک ہے۔ ایویکی کے واسطے سب بھن بھن ہے۔ رسمی پوجا پاٹ۔ ہار چڑھانا۔ پرشادی لینا یہ معمولی آدمیوں کے لئے ہے۔ بویکی اس کی سمجھ رکھتا ہے۔ اور نہیں تو اسی رسمی بیوہار سے ان میں پریم اور بھگتی تو پیدا ہو۔ اِن سے ہر قسم کی چھوٹی موٹی سیوا لینا ہے۔ تاکہ پریم بھاو بڑھے۔ تم بویکی ہو صرف اصلیت کو ذہن نشین کرتے جاؤ۔ اور جب جب میں ست سنگ میں حاضر ہوا فوج سے اسی طرح کے بچن ہوتے رہے۔ اور میری تعلیم خاص قسم کی ہوئی ہے۔ جو اوروں کی تربیت سے مختلف ہے +

گورو مے سیتل بھیا۔ دوربھئے ترے تاپ
جب من کا آپا مٹا۔ ستگورو بر گئے آپ

دوش نہ کا ہو دیجیئے۔ تجیئے ادرمان
ہم تو گن گراہی بنے۔ گن اوگن پہچان

گورو کے تاتے مانئے۔ سب کو کیجیے میت
ہنسا کبھو نہ کیجیئے۔ یہی پریم کی ریت

گورو نے تو پریمی بھیا۔ سب سوں پریم بڑھانا
نِرادر پریم شوچا ہی بھتیا بات بنائے

جگت گورو کا رُوپ ہے گورو جگت کے روپ
جت دیکھوں تت گورو دے آپ لیکھ انوپ

کریں! ممکن ہے کوئی شخص کہے۔ کہ سنتوں نے بھی تو کھنڈن کیا ہے۔ خود کبیر صاحب
کی بانی میں ایسی مثالیں موجود ہیں۔ اور سار بچن نظم اور نثر بھی اس سے خالی نہیں ہیں
یہ اعتراض سچا ہے۔ مگر اس میں ایک راز ہے۔ یہ باتیں کسی کی دلآزاری کے لئے نہیں
کہی گئیں۔ صرف نظر کے اونچی کرنے کے خیال سے کہی گئی ہیں۔ وہ وقت ایسا ہی
تھا۔ اب اور وقت ہے۔ اور ہمارا رنگ کو اب اس کی بھی ضرورت محسوس نہیں ہوتی
جو ہو گیا وہ ہو گیا۔ اب سنتوں کے طریق کی اشاعت اور ڈھنگ پر کی جا رہی ہے۔
اور وہ طریقہ یہ ہے۔ کہ سب متوں کا صرف سار سمجھا کر گورومت کی دعوت دیجائے۔
یہ علم و ہنر کا زمانہ ہے۔ علمی اور عقلی جذبات زور پر ہیں۔ آدمی چاہتا ہے۔ کہ بال کی
کھال نکال کر اس کو معرفت کا نکتہ سمجھایا جائے۔ عقل اور علم یوں ہی تو نہیں ہیں!
آخر ان کا قدرت میں کچھ مقصد بھی ہے! اور وہ مقصد یہ ہے۔ کہ ان کی مدد سے تتو
کی اصلیت سمجھی جائے۔ برا کسی کو کیوں کہا جائے۔ ہم برے تو نہیں ہیں جو اوروں کو
برا کہیں۔ ہم بھلے ہیں۔ بھلائی کے مارگ میں داخل ہوئے ہیں۔ اس وجہ سے ہم
اوروں کے گن کو دیکھکر ان کے گن کی سراہنا کر کے گورومت کی سوجھ سمجھاتے ہیں۔
کوئی آدمی کوئی مذہب کوئی قوم ایسی نہیں ہے جو اوصاف سے خالی ہو۔ ہر انسان
کے دل میں طاقت۔ لیاقت۔ فضیلت۔ اور حسن کا بھنڈار چھپا ہوا ہے۔ جب یہ بات
سمجھ میں آگئی۔ کہ سب کے دل میں خوبیوں کا خزانہ مخفی ہے۔ تو پھر ان کو نیک خیال
نیک حوصلہ اور نیک نیتی کا اشارہ دیکر حقیقت کی طرف ان کا رخ کر دو۔ وہ آپ وقت
پر تتو کو سمجھیں گے۔ اور دیکھتے دیکھتے کچھ کے کچھ ہو جائیں گے۔

ہم تو گورو کے داس ہیں۔ داساتن سے کام
داس رہے جب تک جیا۔ اور رہے بیکام

۷۔ جولائی ۱۹۱۷ء۔ کسی لڑکے کی بابت دلی تجربہ کیا۔ اس سے دیکھ کر برا کہتے نہ ہو۔ وہ

بُرا ہو جائے گا۔ اور گھر والوں کی مصیبت کا باعث ہوگا۔ پڑھنا لکھنا چھوڑ بیٹھیگا
کسی لڑکے کو نیک حوصلہ دلاتے رہو۔ وہ سستی کو چھوڑ کر چستی اور چالاکی اختیار کریگا
اور علم و ہنر سے تعلق پیدا کریگا۔ ہم بار بار کہتے ہیں۔ کہ بدی کی کوئی اصلیت نہیں ہے
صرف نیکی کی عدم موجودگی کا نام بدی ہے۔ تاریکی اپنی ہستی نہیں رکھتی۔ روشنی کے
غایب رہنے کا نام تاریکی ہے۔ یہ بھرم ہے۔ اور یہ بھرم کی زبردست صورت ہے۔ کوئی
کسی کو نفی کا خیال کیوں دلائے؟ اثبات کی طرف کیوں نہ لگائے؟ ایہہ مل ہے وہ کمل
ہے۔ بھرم سے آدمی مرجاتا ہے۔ گو ہم مرنے کو بھی غلط اور وہم بتاتے ہیں۔ بھرم سے
بھوت پیدا ہوتا ہے "لنکا ڈاین شنکا بھوت" ترلوک! خبردار! تم بھرم میں نہ پڑو
اپنی بیوی اور بال بچوں کے ساتھ پریم کرتے ہوئے اُن کے دل میں حضور کی بھگتی کا
بیج ڈالتے رہو۔ وقت پر سب کچھ ہو رہیگا۔ یہ اثبات کی نہایت ہی زبردست صورت
ہے۔ اِس سے بڑھکر اور کوئی بات نہیں ہو سکتی۔ یہ جگت ست کی ستا میں بھاستا
ہے۔ تین باتیں ہیں۔ ست۔ ستا اور جگت۔ اور یہی تینوں تثلیث اور ترپٹی کہلاتی ہیں
اِن تینوں کا روپ وِویک کی مدد سے سمجھ لو۔ اور تمہارا کلیان ہوگا! اور حضور کو تم اپنے
اندر اپنے میں دیکھو گے*

دھوکے ہیں دھوکا گھنا۔ دھوکے اٹکا جیو
جیونے میں پھنس رہا۔ نظر نہ آیا پیو

۱۶ جولائی ۱۹۱۶ء۔ موت کے نام سے سب ڈرتے ہیں۔ تمہارا لڑکا مرگیا۔ تم
دُکھی ہوئے۔ دُکھ کیوں ہے؟ کیونکہ موت کے بھرم کا پردہ پڑ گیا ہے۔ کون مرا؟ کوئی بھی
نہیں۔ مرنا کیسا؟ یہاں تو کوئی مرتا ہی نہیں۔ ستا میں چونکہ پیدایش کا بھرم موجود تھا
اُسی پیدایش کے عکس نے موت کی صورت اختیار کر لی۔ سیپ میں چاندی کا بھرم ہوا۔ وہ
بھرم جاتا رہا۔ اب نہ چاندی کے بھاؤ کی پیدایش ہے نہ موت ہے۔ زندگی کے غایب ہونے

کو موت کہتے ہیں - زندگی اور موت دونوں شتابیں ہیں - سچ شتا کا روپ ہے آنند - پھر
اُس شتا کو آدھار جو سدا ہے اُس کی طرف نظر کرو تب یہ دوشتوں کا جاتا رہیگا - ابھی یہ
تم سے کسی نے کہا نہیں! پھر کیا تھا؟ تمہارے ہی خیال کیا وہ کس روپ تھا - مر کر پھر
خواہش ہوئی - خواہش میں کمزوری تھی - اُس کا ظہور تو ہوا - مگر بہت ناقص ہوا -
یہ پھر بھی ہوگا - ہوتا رہیگا - گھبراتے کیوں ہو - حقیقت پہچانتے جاؤ - وہ شتا [illegible]
ہوگا - تم موت سے ڈرتے ہو - میں موت کے نام سے خوش ہوتا ہوں - وہ دن کب
آئیگا کہ یہ میرا جسم ہمیشہ کے لئے چلا جائیگا! میں خوشی سے اُس کے استقبال کیلئے
تیار ہوں - وہ آئیگا ضرور - کیونکہ شتا میں اُس کا اہتمام ہے - مگر کب آئیگا - ابھی سے
کیا کہا جاسکے - گورو کی بانی سوہے :-

جا مرنے سے جگ ڈرے - موہی بڑا آنند
کب مریہوں کب دیکھیوں - پورن پرمانند

سوال - مرید: ہم سنتے ہیں اگر موت بری چیز ہے - تو پھر حق کیا ہوگا! اگر مصیبت پیدا
ہوتی ہے - تو پھر زندگی اور ہستی کا نام بھی فضول ہے - یہ بھرم ہوتا - اور پھر جسم سے جس قدر
جلد انسان چھٹکارا پا جائے اتنا ہی اچھا ہے - یہی کیفیت بیماری کی ہے - تندرستی
کے ابعاد کو بیماری کہتے ہیں - یہ سب شکتی کی صورتیں ہیں - شکتی اپنی اصلی ہستی نہیں
رکھتی - صرف آکار یعنی شتا میں وہ جاسکتی ہے - سمجھو تب یہ سمجھ میں آئیگی ۔
موت ہوا نہیں ہے جس کے نام سنتے ہی ڈر کے مارے رونگٹے کھڑے ہو جاتے
ہیں - ہم مرتے نہیں - مرے وہ جس نے گورو کا گیان نہیں پایا - ہم کو تو ستگورو نے امر جیو
بنا دیا - ہم کیوں موت کے نام سے ڈریں ۔

ہم نا مریں - مرے سنسارا
ہم کو ملا - جلاون ہارا

نظروں کو اس پر پورا وشواش ہے۔ مگر یہ کوئی نہیں دیکھتا۔ کہ یہ علم و ہنر من اور
من کی شکتیوں کو کہاں لئے جا رہا ہے۔ یہ ظاہر ہے۔ کہ من جس بات کی دھن
میں لگیگا اُسی میں تعجب خیز اور حیرت انگیز نتیجے پیدا کر دکھائیگا۔ اُس سے اُس کو
خاص قسم کی طاقت اور لیاقت تو حاصل ہو جائے گی۔ اور انسان اُس کی مدد سے
باوان ہو جائے گا۔ مگر اس زور بل۔ اور طاقت کا انجام کیا ہوتا ہے؟ ہم یہ صاف
دیکھ رہے ہیں۔ کہ علمی ایجادات اور اختراعات کی بدولت انسان دوسرے
انسانوں کو تہی دست نگر اور محتاج اور غلام بنا رہا ہے۔ جو اوروں کو اور خاص
اپنے ہم جنسوں کو رات دن غلامی کا طوق پہنا کر اپنا ماتحت کر لیتا ہے۔ وہ خود آزاد
کیسے ہوگا! کیونکہ اوروں کے غلام اور محکوم بنانے میں خود اُس کے اندر غلامی کا
منشا نمایاں صورت میں بھرا ہوا پرتیت ہو رہا ہے۔ اور باوجود ان سب
کے محکوم بنانے کے اگر غور کی نگاہ سے دیکھا جائے۔ تو وہ خود اوروں کا محکوم
اور غلام بنا ہوا ہے۔ عالم کتابیں لکھتا ہے۔ تاکہ اور انسان اُن کو خرید کر کے
اُس کی دنیاوی حاجتوں کو رفع کریں۔ صاحب ایجاد محتاج ہے لوگوں کی قدردانی
کا۔ کیا ان سب میں غلامی نہیں ہے؟ اور پھر غلام کو سکھ کہاں؟

پر-ادھین-سپنے ہو-سکھ-ناہیں

۷ جولائی سنہ ۱۹۱۲ء۔ سکندر فاتح عالم مشہور تھا۔ ایک فقیر کے ملنے کو گیا۔
اُسکے وزیر یا سنتری نے فقیر سے کہا۔ یہ سکندر بادشاہ دنیا کو فتح کرنے والا آپکے
درشن کو آیا ہے۔ سادھو نے قہقہہ مارا۔ "سکندر کو صرف نادان بادشاہ اور
فاتح عالم کہتے ہیں۔ وہ تو محکوم اور غلام ہے۔" بادشاہ اور وزیر دونوں متعجب ہوئے
پوچھا۔ "اس کی صراحت کیجئے۔" فقیر بولا۔ "جس کا دل قابو میں نہیں۔ اور دنیا کی
حرص و ہوس کے خیال سے ملکوں ملکوں پھرتا۔ اور سینکڑوں قسم کے ناچ نچاتا

عیسائی اور پارسی سب کو بھگتی کا دان دیا۔ اب بھی ایسا ہو رہا ہے۔ مگر عام پرچار کا کسی کو حکم نہیں ہے۔ نہ یہ مسائل اخبارات میں زیر بحث آتے ہیں نہ اُپدیشک مقرر ہیں جو جگہ جگہ جا کر اس کی منادی کریں۔ جس کو ضرورت ہو۔ وہ ست سنگ میں شریک کیا جائے۔ فقیر کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ آئے محبت کے ساتھ اور جائے محبت کے ساتھ۔ اپنی اُلفت کا سکہ ہمارے دل پر بٹھا جائے۔ اور ہماری اُلفت سو گنا اس کے عوض میں لے جائے۔ ہم اُس پر اَنگ لگا دیں۔ وہ ہم سے بغلگیر ہو۔ جس میں محبت نہ ہو۔ اُس کو کچھ دنوں صبر کرنے کی ضرورت ہے ؎

بے وقت کسی کو کچھ نہ دے
پتا کہیں کچھ بن نہ آ سکے

۶۔ جولائی سنہ ۱۹۱۶ء۔ یہ خالص پریم کا مارگ ہے۔ پریم کا سودا کرنا ہو تو وہ چاہئے کہ پریم آئے۔ ہم اپنا جان و تن اس پر نثار کریں۔ وہ اپنی انانیت اور اہم کو بھلا دے۔ ہم کو وہ چاہئے۔ اور اگر وہ اس سے ڈرتا ہے۔ تو محبت کبھی نہ کرے۔ یہ مر کر جینے کا راستہ ہے ؎

جب لگ مرنے سے ڈرے تب لگ پریمی ناہہ
بڑی دور ہے پریم گھر سمجھ لیو من ماہہ

۷۔ جولائی سنہ ۱۹۱۶ء۔ ست مت میں صرف پریم کی دوا ہے۔ اور کسی چیز کی نہیں۔ نہ ہم دولت چاہتے ہیں نہ عزت۔ ہم صرف پریم کے بھوکے ہیں۔ اور جس کو پریم کا دان دینا ہو۔ اور ساتھ ہی پریم کا دان لینا ہو۔ وہ ست مت کا دامن پکڑے۔ پہلے سمجھ لے کہ تمام نفسانی اور جسمانی جذبات کو پریم کے ہون کنڈ میں آہوتی دے دے کر جلانا ہے۔ تب اِدھر رجوع کرے۔ اس سے پہلے کبھی نہیں۔ وفاداری کی عادت چھوڑے۔ کسی دین کے بزرگ کو بُرا نہ کہے۔ سب کا نام ادب اور تعظیم کے ساتھ لے۔ اخلاق میں مستقل ہو۔ اولیاء کا قدم قدم پہ ذکر ہو۔ بلند حوصلہ۔ بلند خیال۔ بلند ہمت۔ بلند دل اور بلند دماغ ہو

ہوتے ہیں۔ اوّل تو ہمارے دل کی صفائی ہوتی رہتی ہے۔ اور وہ ہماری کمزوریاں کو خواہ وہ ہوں یا نہ ہوں پیش کرتے ہوئے ہم کو مضبوط بنانے کا اہتمام کرتے ہیں۔ دوسرے دُنیاداروں کی بھیڑ بھاڑ ست سنگ میں نہیں لگنے پاتی۔ تیسرے گورو کے چرنوں میں عقیدہ کی پختگی ہوتی ہے۔ چوتھے صرف سچے اودھکاری اور روحانیت کے سچے شایق خود بخود کھنچتے رہتے ہیں۔ پانچویں ان مہربانوں کی عنایت سے ست مت کا آپ ہی آپ اشتہار ہوتا رہتا ہے۔ یہ لوگ ہمارے کام کے سب سے زیادہ بہتر مددگار ہیں۔ اگر یہ نہ ہوتے۔ تو سنت مت گمنامی میں پڑا رہتا۔ کیونکہ یہاں اشتہار بازی کا بالکل ابھاو ہے۔ اور اس نظر سے ہم اُن کے دل سے ممنون کرم ہیں۔ چھٹویں بُرے بھلے یہ گورو کا نام تو لیتے ہیں۔ جس سے اُن کے بھی تر جانے کی امید ہے۔ وغیرہ وغیرہ مہاراج صاحب فرماتے ہیں:-

کنڈلیا (۱)

نندک جیوے جگ میں کام ہمارا ہوئے

(۱) کام ہمارا ہوئے - بنا پیسے کا چاکر
کمر باندھ کر پھرے - کہے تیہو لوک اُجاگر

(۲) لگا رہے دن رات - پریم سوں دیتا گاری
اُسے ہماری سوچ - پلک بھر نائیں بساری

(۳) بھگتی دِرڑھاوے سہج جگت کا بھرم چھوڑاوے
نندک سے کر پیار - گورو سے وہی ملاوے

(۴) سُن کر نندک مرگیا - پلٹو دیکھا روئے
نندک جیوے جگن جگ - کام ہمارا ہوئے

کنڈلیا (۲)

نندک رہے جو کُشل ہے ہم کو جوکھم نانہہ

(۱) ہم کو جوکھم نانہہ - گانٹھ کا صابن لاوے
خرچے اپنا دام ہمارا مَیل چھوڑاوے

(۲) تن من دھن سب دیئے - سنت کی نِندا کارن
لیہیں سنت تیہی تار بڑے وہ پتِت اُدھارن

(۳) سنت بھروسا بڑا سدا نِندک کا کرتے
نِندک کی اتی پریت بِداو دوسر نہیں دھرتے

(۴) پلٹو وہ پرسوارتھی - نِندک نرک نہ جانہہ
نِندک رہے جو کُشل سے تو ہم کو جوکھم نانہہ

۵ - جولائی سنہ ۱۹۱۶ء - بیخواہشی کی خواہش سنت مت میں جیوں کو داخل کراتی ہے - اور اسی کا نام مُکتی ہے - اگر اور طرح سے کوئی شخص خواہش کے جال سے چھوٹ جائے - تو ہم خوش اور ہمارے حضور خوش - مگر یہ بات بہت کٹھن ہے - اس لئے سنتوں نے بکثرت شبد یوگ کا سہل رستہ اور سادھن بتا کر جیوں کے چتانے کے لئے یہ کام اپنے ذمہ لیا ہے - ورنہ اُن کی اپنی کوئی ذاتی خواہش نہیں ہے - سنت پرمارتھی اور پرسوارتھی ہوتے ہیں - یہ اُن کا قاعدہ ہے :-

بیخواہشی

کنڈلیا

سنت سبھاؤ سہت ہیں - جیسے سہے کپاس

(۱) جیسے سہت کپاس ڈال - چرخے میں اوٹے
روئی دھرجب دُھنے ہاتھ سے دھاگو رنجیوٹے

(۲) مودم رودم انگائے پکڑ کر دھنیا دھنی

جائے گی یہ بڑھنے کو تو بڑھ نہ جائے گی۔ لیکن اگر پانی سوکھ گھٹ جائے۔ تو یہ گھٹتی نہیں۔ یہ پریکٹیکل پرمان ہے۔ طرزِ بیان شاعرانہ ضرور ہے۔ مگر اُس کے ایک انگ میں سچائی ہے۔ اور لوگ بھی جو پریم کی مہما گاتے رہے ہیں ایسا ہی کہتے آئے ہیں۔

"قدمِ عشق بیشتر و بیشتر"

کشتگانِ عشق را جانے دِگر

ہر دمش از غیب احسانے دِگر

لیکن کیا یہ حقیقت ہے؟ ہاں اور نہیں۔ ہاں اس وجہ سے کہ ہم اس کا کاروبار کچھ اسی قسم کا دیکھتے ہیں اور نہیں اس وجہ سے کہ پریم ہمارا رُوپ اور ہماری ذات ہے اُس میں بڑھنا گھٹنا کیسا؟ چاند بڑھتا ہے اور گھٹتا ہے۔ اس واسطے پُورانوں نے اُس کو کلنک لگا دیا۔ پریم اکھنڈ۔ والمیر اور گمبھیر ہے۔

بچن بروس چپن ہیں جتنے یہ تو پریم نہ ہوئے

سدا ایک رس جو رہے پریم کہاوے سوئے

حضور پوران دھنی نے جگت میں اپنا ظہور کیا۔ پریم کا رُوپ اپنی ذات میں جسم طور پر دکھا دیا۔ تب جا کر اُس کی سمجھ بُوجھ آئی۔

پریم پیارے لال سوں من تیں بیچ بناو

شکر کے پرتاپ سے بھلا بنا ہے داو

۸۔ جوالی [illegible] پریم بے غرض ہے۔ پریم خود غرض بھی ہے۔ بے غرض اس وجہ سے کہ پریمی [illegible] پر نثار کر دیتا ہے۔ اور اُس کا معاوضہ نہیں چاہتا۔ اور خود غرض اس وجہ سے کہ [illegible] اپنا ہی بنا لیتا ہے۔ اور سب انگ سے اُس کو اپنا ہی کر لیتا ہے۔ [illegible] پریمی اور پریتم ایک ہو جاتے ہیں۔ رام و شیو کے [illegible] اور کشتریوں کے [illegible]

رہتے۔ یہاں آسمان اور زمین دونوں مِل کر ایک ہو جاتے ہیں۔ اجتماعِ ضدّین اور دوئی کا جھگڑا ہمیشہ کے لئے دُور ہو جاتا ہے۔ نہ رُوح کا تصوّر نہ جسم کا خیال! اس سے زیادہ اور اَدویت خواہ توحید تم جس کو کہو گے؟ گیانی دھیانی اور سنجمی اس کی بزرگی کو کیا جانیں! یہ تو کچھ پریمیوں ہی سے مخصوص ہے ۔

۹۔ جولائی سنہ ۱۹۱۷ء۔ پریم میں دین کے ضابطوں کی پابندی کیسے ہوگی؟ دل تو ایک ہے۔ اُس میں جب ایک سما گیا۔ ہزار سودا اور ایک سر کا مغالطہ خود بخود جاتا رہا۔ پھر نماز کون پڑھے اور کون پوجا پاٹ کرے۔ عشق خود نماز اور خود پوجا پاٹ ہے۔ اس لئے یہاں اُٹھک بیٹھک اور غسل و طہارت کا اہتمام کہاں رہتا ہے۔ اور کیسے ہو سکتا ہے۔ اس کو سوا محبوب کے تصوّر کے دوسری باتوں کا دھیان کہاں رہتا ہے! پنڈت اور مُلّا دونوں اِن کو دھیان دیں۔ کیونکہ یہ عشق کی لذّت سے بالکل محروم ہیں ؎

جہاں پریم تہاں نیم نہیں تہاں نہ بدّھی بیوہار
پریم مگن جب من بھیا۔ کون گنے تتھی یار

۹۔ جولائی سنہ ۱۹۱۷ء۔ پریم میں تین باتیں نظر آتی ہیں۔ اوّل دنیا سے لینا نہیں ہے دوسرے خود تکلیف اُٹھانا ہے تکلیف دینا نہیں ہے۔ تیسرے بے خوف رہنا ہے کسی سے ڈرنا نہیں ہے۔ پریمی سب کچھ اپنے محبوب کے لئے نثار کرنے کو ہر وقت تیار رہتا ہے اور وہ معاوضہ نہیں چاہتا۔ وہ سوائے ذاتِ حقیقی کے کسی اور کی جانب نظر نہیں کرتا۔ ... نہیں ہے کہ ایک دو پیسے دیئے۔ اور سودا خرید لیا۔ کیا مزے کی بات ہے ... سے منت کرتے ہیں۔ تو ہم کو دشمن کردے۔ ہم تجھ کو قدر نیاز ... خود دے۔ ہم تیرا گُن گائیں گے۔ سوچو تو سہی ... عشق ہیں یا ...!

... ... سپاد۔   از خدا غیر از خدا چیزے مخواہ

شمع روشن پہ فدا ہے اُسے جل جانے دو — آہ۔ اے بوالہوسو! اُٹھو پروانے سے
جان دیکر لیا ہے عشق کا سودا جس نے — کیا وہ چھوڑیگا کسی شخص کے سمجھانے سے
کہا منصور نے بیچو فی سے لٹے طالبِ وصل! — بام پر پہنچیگا تو دار پہ چڑھ جانے سے
ظاہری بادۂ گلفام سے مستی کیسی — نشہ گر چاہیے پی قالب کے پیمانے سے
ایک میں دو سے کا وہم فقط ہے سودا — یار یگانے سے تعلق ہے نہ بیگانے سے
مذہبی قصوں کو پڑھ پڑھ کے مکرے سب غافل — نیند آجاتی ہے یہ خوابوں کو افسانے سے
عقل کے بچوں کو مذہب کا کھلونا دیدو — دلِ بیتاب بہل جائیگا بہلانے سے

چھوڑو لفظوں کو فقط مغز سخن کو سمجھو
پیٹ بھرتا نہیں بکام نہ پکل کھانے سے

۹۔ جولائی سنہ ۱۹۱۷ء۔ ایک انجنیر صاحب جو میرے دوست ہیں۔ ایک دن کہنے لگے۔ "تمام آدمی یہ شکایت کرتے ہیں۔ کہ آپ کی کتابیں گو بہت نتیجہ خیز دلچسپ اور سچی ہیں۔ مگر اُن کا ابتدائی منگلا چرن اور آخری پرارتھنا دونوں رادھا سوامی نام سے شروع کئے جاتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا۔ تو لوگ بڑے شوق سے اِن کو پڑھتے" میں نے جواب دیا۔ "جن کو تم نتیجہ خیز۔ دلچسپ اور سچی کہہ رہے ہو وہ تو حضور کے خاص انگرہ دیا کرنے سے مجھ کو نصیب ہوئی ہیں۔ حضور میرے نکو سے سینکڑوں تک محیط ہو رہے ہیں۔ رات دن میں انھیں کا نام جپا کرتا ہوں۔ کوئی میری کتابوں کو پڑھے خواہ نہ پڑھے۔ میں اس نیت سے تو کتابیں نہیں لکھتا۔ اُن کے ذریعے صرف اپنے دل کے بھاؤ کو پرگٹ کرتا رہتا ہوں اگر کسی میں طاقت ہو۔ تو یہ نام مجھ سے چھین لے" وہ کہنے لگے "یہ مشکل ہے" میں نے کہا "پھر شکایت بیجا ہے۔ جو دل میں رہتا ہے وہی تو زبان پر آئے گا۔ اور آتا رہے گا"

وہ خاموش ہو گئے +

۹۔ جولائی سنہ ۱۹۱۷ء۔ میں نے اُن سے کہا "قدرت میں مجھ کو رادھا سوامی نام پرگٹ

کرنے کا کام سپرد ہوا ہے۔ مَیں اپنی سعی کرتا ہی رہوں گا۔ مخالفت اور مزاحمت کی مجھ کو کیا پرواہ ہے۔ مخالف تو دن میں صرف دو چار بار میری مخالفت کا تصور کرتے ہونگے۔ مَیں تو رات دن اسی کام کے خیال کو چنتن کرتا رہتا ہوں۔ صبح شام، دن رات۔ اسی سے کام ہے۔ میرے خیالات اور افعال کی دھار سیلاب کی طرح پھیلیگی۔ اور وہ مخالفوں کی مخالفت سے ہمیشہ زیادہ زوردار رہیگی۔ مجھ کو کامیابی اور اُن کو ناکامی نصیب ہوگی۔ کیونکہ نسبتاً پھر بھی اُن کی ناحق کی دشمنی کا خیال کمزور رہیگا۔ کہاں ایک دو لمحہ کی مزاحمت اور کہاں چوبیس گھنٹوں کی مصروفیت!

بہ بیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا

اس کے سوا وہ مخالف نہیں۔ مَیں تو اُن کا بھی مخالف اور مزاحم نہیں ہوں۔ اُن کی بدی کا خیال آپ سے آپ اُن کے پاس لوٹ جائے گا۔ کیونکہ میرے دل میں اُن کیلئے جگہ بالکل نہیں ہے۔ مَیں اپنے ہی خیال میں مست رہتا ہوں۔ اُن کا تو تصور تک نہیں کرتا۔ پھر وہ کس طرح مجھ پر غالب آئیں گے۔ ہاں اگر مَیں اُن کی شکایت اور حکایت کو دل دیتا تو بیشک ڈرتا رہتا۔ اور یہ خوف کبھی نہ کبھی مجھ کو کمزور بنا دیتا۔ پھر یہ دلچسپی، یہ خوبی اور سچائی آپ کو میری تحریر میں کہاں ملتی!

(۱) سوؤں تو سپنے ملوں۔ جاگوں تو گورو نام | آٹھ پہر مو نشٹھ گھڑی۔ گورو سیوک بن جام
(۲) لکھتا ہوں گورو نام کو۔ پڑھتا ہوں گورو نام | سمجھتا ہوں گورو نام نت۔ اور نہ کوئی کام
(۳) لکھنا پڑھنا تیرتھ۔ سب ہی گورو کے ہیت | مَیں تو گورو کا ہو رہا۔ دھن پر واہ سیت
(۴) راہ چلوں تو گورو بھجوں بیٹھوں سمرن نام | میرے چت میں گورو بسے چھن پل آٹھوں یام
(۵) بولوں تو گورو نام گن۔ کھاؤں گورو پرشاد | پیوں تو چرنامرت نت۔ تیاگوں باد بواد

۹ - جولائی ۱۹۱۶ء۔ جیون مکتی دشا کے سینگ پوچھو نہیں ہوتی۔ ایک دھیان۔ ایک گیان۔ اور ایک ہی سمجھ بوجھ میں رات دن محو رہنا جیون مکتی ہے۔ جب اور دوسرا خیال

ہی نہیں۔ تو اِس شریر کے تیاگنے پر وہ یہ مُکتی کیوں نہ ملے گی۔ یہاں تو جہاں جہاں من جاتا ہے۔ وہاں وہاں گورو کا رُوپ اپنی چمتکار دِکھاتا ہُوا نظر آتا ہے۔ اور وہاں وہاں سمادھی لگ جاتی ہے۔ گورو کی دیا سے سویکلپ اور نروِکلپ سمادھی کے علمی اور فلسفانہ جھگڑے خود بخود چلتے رہے ہیں۔ کسی کی بھی ہوس نہیں رہی۔

جیوت سمروں نام کو۔ مروں تو نام سماؤں۔
آوا گون کہاں رہا۔ کت آؤں کت جاؤں

کیا تناسخ کی دلیلوں سے ملیگا ہم کو — یاں نہیں آنے کے حق ہم کو نہیں جانے سے
مستی آئی جو پیا بادۂ اسرارِ ازل — نہیں اتی یہ کبھی دنیا کے پیمانے سے

۹۔ جولائی ۱۹۱۷ء۔ جو عشق کی راہ میں گُم ہو گیا۔ اُس نے اگم کا بھید پالیا جس نے اپنے آپ کو اس میں فنا اور محو کر دیا۔ وہی جاویدانہ زندگی اور بقا کا سچی معنی میں وارث قرار دیا گیا۔

گُم کردو اپنے آپ کو اپنا پتہ ملے — ظلمات کی جو سیر ہو آبِ بقا ملے
بے خود بنو خودی کو کرو دل سے محو کر — اپنی ہی ذاتِ پاک میں ذاتِ خدا ملے
بے عقلی اور عقل کے دونوں بندوں سے ہو نجات — اُس وقت زندگی کا سچی تم کو مزا ملے
ہاں ترک کردو حرص و ہوس کو جو یک قلم — وہ دوست خود ملے تمہیں اور برملا ملے

قدموں پہ رکھ کے سر کروں جان و دل نثار
گر دِل کا میرے آپ سے مجھ مدعا ملے

۹۔ جولائی ۱۹۱۷ء۔ موت اور زندگی صرف دل کے وسوسے اور ضمیر کے مخمصے ہی ہیں۔ نہ کوئی کبھی مرتا ہے نہ جیتا ہے۔ یہ راز حضرت عشق نے مہربانی فرما کر سمجھا دیا۔ لو یہ جھگڑا بھی ہمیشہ کے لئے مٹ گیا۔ مرنا جینا ایک جیسا ہو گیا۔ پھر اب دُکھ کس بات کا رہا۔ کسی راجہ کی لڑکی کی اُس کے وزیر کے بیٹے سے آشنائی تھی۔ راجہ کو ناگوار گذرا۔ چونکہ وزیر دانا امورِ سلطنت کا پیشوا تھا۔ وہ اُس سے ڈرتا تھا۔ چُپکے چُپکے حکیم سے مشورہ لیا۔ اور ایک تجویز

میں بند کر کے اُس لڑکے کے سرہانے رکھوا دیا ۔ وہ افیون کھاتا تھا ۔ افیون سمجھ کر
اُس کو چٹ کر گیا ۔ اور نہیں مرا ۔ راجہ نے حکیم کو لعن طعن کیا ۔ یہ بولا "میں کیا کروں مجھ سے
تو دِل آپ کی لڑکی میں بستا ہے ۔ وہ مسموم نہیں کیا جا سکتا ۔ پریم کا خیال موت یا زہر کے
خیال سے زیادہ مضبوط ہوتا ہے ۔ وہ مرے بھی تو کیسے مرے ۔ ہاں حکمت عملی سے
اُس کو لڑکی کے مرنے کا سچا یقین دلا دو ۔ وہ مر جائیگا" ۔ ایسا ہی کیا گیا ۔ وہ مر گیا ۔ اور جب
لڑکی نے سنا ۔ تو وہ بھی مر گئی ۔ دونوں کی لاشیں ساتھ ساتھ مرگھٹ کو گئیں ۔ یہ پریم ہے ٭

۵ جولائی سنہ ۱۹۱۴ء ۔ میرا نے زہر پیا ۔ نہیں مری ۔ سانپ اُس کی کھاٹ پر رکھا گیا
اُس نے نہیں کاٹا ۔ کیوں؟ کیونکہ عشق حقیقی نے اُس رانی کے دِل کو پاک اور معصوم
بنا رکھا تھا ٭

برہ تیج تن میں تپے ۔ انگ سبھی اکلائے
گھٹ سُونا جیو پیو میں ۔ موت ڈھونڈ پھر جائے

جن کو خیال کی اصلیت کا علم نہیں ہے وہ اس بات کو غلط سمجھیں گے ۔ زہر اور موت کیا
ہیں؟ یہ کمزور خیال کے کیمیائی اثر سے بنے ہیں ۔ جب کوئی خیال اِن سے بھی مضبوط ہو ۔ تو
پھر ان کا داؤں اُس پر کیسے چلے ۔ میں نے تم کو پہلے ہی بتا رکھا ہے کہ انسان کے معصوم
بچے شیر کے جبڑوں ۔ ہاتھی کی سونڈ ۔ اور سانپ کے پھن کے ساتھ کھیلا کرتے ہیں ۔ یہ
اُن کو تو تکلیف نہیں دیتے ۔ مگر تم دل کے ناپاک اور خیال کے کمزور ہو ۔ اس لئے نتیجہ
برعکس ہوتا ہے ۔ ذرا عشق کے خیال کو پختہ تو کر دیکھو ۔ پھر نہ تم کسی کو ستاؤ گے ۔ اور نہ قدرت
کی کوئی مخلوق تم کو ستا سکے گی ۔ یہ سچی بات ہے ٭

۹ جولائی سنہ ۱۹۱۴ء ۔ تم کہو گے آخر بچے کیوں مر جاتے ہیں؟ اور کیوں ہمیشہ بیمار رہتے
ہیں؟ اس کا سبب یہ ہے کہ جھوٹے وہم ۔ خیال ۔ خوف ۔ اور خطرات کے وسوسے
پشتہا پشت سے اور نیز اس وقت ماں باپ کے دل سے پیدا ہو کر اپنی دلی کیمیائی اثر سے

بچوں کو قتل اور بیمار کرتے رہتے ہیں۔ ایک ماں نے رات کے وقت بچّہ سے کہا "سو جا نہیں تو ہوّا آ جائیگی" خیالی ہوّا رات کو سچ مچ آ گئی۔ اور بچّے کو ہلاک کر گئی۔ ماں روئی چلّائی مگر یہ نہیں سمجھا۔ کہ وہ خود لڑکے کی قاتل ہے۔ دوسری ماں نے غصّہ کی حالت میں بچّہ کو دودھ پلا یا۔ دودھ میں اُس کا ناقص خیالی کیمیائی اثر اُتر آیا۔ بچّہ نے تڑپ تڑپ کر جان دیدی دیا کا زور دیکھ کر ماتا لڑکوں کو ڈراتی رہتی ہیں۔ اور وہ بیمار رہا کرتے ہیں۔ راجپوتنیوں کے لڑکے شہزور اور بیخوف ہو کر سلطنت کرتے تھے۔ کیونکہ ان عادات کے اثرات ماں کے دودھ کے ساتھ اُن کو ملا کرتے تھے۔ آج کل کے ہندو لڑکے بزدل اور ڈرپوک ہوتے ہیں۔ اور رات کے وقت باہر صحن میں اکیلے پیشاب کرنے نہیں جاتے۔ کیونکہ اُن کی ماتاؤں میں بیخوفی نہیں ہے۔ یہ موت اور بیماری کا سبب ہے ۔

جس وِش سے مُنہ مُڑ گئے۔ شیو نے کیا سوپان ۔ نیلکنٹھ پدوی ملی۔ پربھو پد لاگا دھیان
وِشنو سر پے تج یہ۔ رما کراہ کی پیٹھ ۔ اوتار سنگھ اسوار ہے۔ وِش نے تُو کو دیٹھ

۹۔ جولائی سنہ ۱۹۱۷ء۔ ذرا پریم کی مشاقی کو تو کر دیکھو۔ پھر کہتے ! ماتحت ملازم کے خوف کا بھاؤ اُس کے افسر کو غصّہ ور اور خوفناک بنا دیتا ہے۔ ورنہ اُسی کے اناث متاث اُس کے بال بچّے رہتے اور بیخوفی سے اُس کو نوچتے کھسوٹتے رہتے ہیں۔ یہاں پریم اور بیخوفی ہے۔ وہاں نفرت اور خوف ہے۔ یہ سبب ہے۔ ڈرنے والوں کا خدا جبّار اور قہار رہتا ہے۔ پریم کرنے والوں کا خدا پریتم اور پریم سروپ ہے۔ دونوں کی مورتیں دیکھو۔ تب خیال کے کیمیائی اثر کا پتہ لگیگا ! پریمی بھگت شانت ہوتے ہیں۔ خوفناک ایشور والے اپانسک اشانت رہتے ہیں ۔

پریم کی مہما کیا کوئی جانے۔ پریم تو اگم اپار ۔ پریم بھاؤ جب من میں آیا۔ بھاگ گیا ستار
پریم روپ جب کو دیکھا۔ تن من ہو امن مو ۔ گورو نو سیتل چند۔ بن ہیں میرا چت چکور
رادھا سوامی پریم کی مورتی میں جاؤں بلہار ۔ گورو پرتن من دھن سب اپنوں تُم ہر ساتھ پکار

مسئلہ کا سوال

خیال کا اثر

۹ - جولائی ۱۹۱۶ء - تم شاید یہ بھی پوچھو - کہ "اگر موت خیالی ہے - تو پھر یہ لوگ مرتے کیوں ہیں - اور پھر سب سے زیادہ تعجب کی بات تو یہ ہے - کہ سنت اور پرم سنت بھی دنیا سے کوچ کر جاتے ہیں" - اس کا جواب میں تم کو یہ دیتا ہوں - نہ کوئی کبھی نہ جنمتا مرتا ہے - یہ واہمہ ہیں - رچنا ایک قسم کی ہستی کا اظہار ہے - اسی کے سلسلہ میں خیال نئی نئی صورتوں کو بناتا رہتا ہے - جو ناشاتمن ہے - پرانی چونکہ اگیان میں پھنس کر جنم مرن کا واہمہ دل میں پیدا کر لیتے ہیں - اس لئے ان کو اس کا دکھ سکھ ہونے لگتا ہے - اگر یہ واہمہ کسی طرح دور ہو جائے - تو پھر نہ کہیں آتا ہے نہ جاتا ہے نہ جنمتا ہے نہ مرتا ہے - کسی خیال میں اہنکار کے ساتھ ایک کر لیک رہنا ہی موت اور زندگی کا باعث ہے - جیسے کسی کے پیارے کو دل دیا - تو اس کیلئے اس کا جانا بھی ضروری ہے - رہ گیا سنتوں کا ظہور اور ان کا گپت ہونا یہ جیوں ہی کی خواہش اور تمنا کے موافق ہوتا ہے - جب جیو دکھی ہو کر چاہتے ہیں - کہ سنت پرگٹ ہو کر سچائی کا راستہ دکھائیں - تاکہ ان کا ادھار ہو جائے - تو پھر اس مانگ سے جنتا ہونے کا اہتمام ہو جاتا ہے - اور سنت روپ میں پرگٹ ہو کر تو اپنا بھید لکھا جاتا ہے - اور پھر نظر سے غائب ہو جاتا ہے - کال سرشٹی میں کال کا قانون ضرور برتا جائے گا - جیو کال کی رچنا میں اسی قسم کی خواہش کرتے ہیں اس لئے ایسا ہوتا ہے ؛

سوال ۱ - پھر یہ لڑکے جو پیدا ہوتے ہیں وہ کیا ہیں ؟

جواب - ماں باپ کے بھاؤ - خیال - تصور - اور واہمہ کی مجسم صورتیں ہیں - جو عالم ظہور میں آ کر اپنا تماشا دکھا جاتے ہیں - اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے !

سوال ۲ - ہم نے بہ حیثیت انسان اگر خواہش کی تو یہ کسی قدر سچ مانا جاتا ہے مگر حیوان اور نباتات اور معدنیات میں یہ کیونکر گھٹ سکتا ہے ؟

جواب - سب کا پیدا کرنے والا کال ہے یہ بات اس میں سب سے پہلے [illegible]

کی صورت میں اندھکار رہی - پھر اویاکرت کی طرح وہ لطیف خیال کی صورت میں جلوہ
ہوئی - اور اسی کے سلسلہ میں وہی باسنا وراٹ پرش کے روپ میں ستھول بھاو نے
پرگٹ ہوئی - اس کے ہزاروں ہاتھ ہزاروں پاؤں ہیں - کیونکہ وہ خیالات کا مجسم
ظہور ہے - اس کا سر گگن - درمیانی حصہ انترکش - اور پاؤں پاتال ہیں - بنسپتی اس کے
روئیں - پہاڑ وغیرہ اس کی ہڈیاں - ندی سمندر جل اندری کے ستھان ہیں - وغیرہ وغیرہ
چونکہ اس کے من میں بڑھنے کی باسنا ہوئی - اس لئے قدرت کے تمام شعبوں میں کثرت
کا ظہور ہو گیا - یہ برہمانڈ کیا ہے! اسی وراٹ پرش کا تو ستھول روپ ہے یہی اس کا استھول شریر
ہے - اس کے بھی تین شریر سوکشم - کارن - اور استھول میں ہرنیہ گربھ کارن - اویاکرت
سوکشم اور وراٹ استھول ہے - اس میں بھی تینوں اوستھائیں جاگرت - سوپن اور سشپتی
ہیں - اور چونکہ یہ جگت اسی کا عکس ہے - اس لئے سب میں وہی قانون برتا رہتا ہے +

سوال ۳ - یہ باسنا کہاں اور کیسے ہوئی؟

جواب - عالم ظہور میں اس کا نام تپ لوک ہے - ست کی شا جب عالم ہستی میں
آنے لگی - تو وہ اپنے ہی اندر تپی اور تپ کر اس نے کارن سوکشم اور ستھول روپ دھارن
کیا - اور اسی طرح باسنا کا سلسلہ چل نکلا +

سوال ۴ - یہ صرف تمھاری کہتی ہے - شاستر ایسا نہیں کہتے +

جواب - تم نے شاستروں کا تو یہ سمجھا کب ہے! یوں ہی باتیں بناتے ہو - اول
تو ہم کو شاستروں کا ابھیمان نہیں ہے - اور نہ ہم ان کے شبد اور پرمان پہچانتے ہیں لیکن
چونکہ تم نے پوچھا ہے - ہم شاستروں کے اشارہ کو تمھارے ذہن نشین کراتے ہیں - سنو.

یہ پرانایام کا منتر ہے +

اوم بھوہ - اوم بھوہ - اوم سوہ - اوم مہہ - اوم جنہ - اوم تپہ - اوم ستیم -
پہلا ست - پھر اس کی شاکا تپ - پھر اس میں تولید اور پیدائش کا سلسلہ ہوا - پھر

مت قیمتہ — پھیرورات سوہ - پھر چیتن جیو - اور پھر یہ پرتھوی بنی اس طرح اس رچنا
کے ظہور کی تواریخ شاستر بتاتے ہیں - وستار کرنے سے یہ بیان بہت طول طویل
ہو جائے گا - اس لئے اختصار کے ساتھ تم کو بتایا گیا ہے سمجھو - غور کرو - تب ذہن
نشین ہوگا ٭

سوال ۵ - یہی بات ذرا سنت مت کی درشٹی کو سمجھائیے ٭

جواب - پہلے ست تھا - ست کے سوا کچھ دوسرا نہیں تھا - اس کی ستّا جب [illegible] ہے وہ
تپی اور پھیلو ترنگ میں چاتری لانے لگی - اس سے سُتن میں ہرنیہ گربھ پیدا ہوا - جو سونے کے
جلالی روپ میں اندا کار تھا - وہاں سے جو دھار چلی وہ نرگنی ہیں اور پاکرت بنی - اور
یہاں ہی سے تین گن اور پانچ تتو وغیرہ کا مصالحہ نکلا - وہ سب دھار روپ میں آ کر
جوت نرنجن یعنی تِل کے ستھان پر وراٹ روپ میں پرگٹ ہوا - وہی سب کا ایشور اور
خدا ٹھہرا - اور اسی سے یہ ستھول جگت نکلا - جیو اسی کی اُپاسنا میں لگ گئے - اُن کو وہ
نہیں پایا اس لئے آگے کی بھید گپت رہا - اب ست پُرش رادھا سوامی نے نر شریر میں
پرگٹ ہو کر جیوں کو جتایا اور ست دھام کا اِشٹ بندھا کر سُرت شبد یوگ کے سادھن
کے ذریعہ اُس کے ساکشاتکار کرنے کی یُکتی بتلائی - جیو انجان نہیں مانتے وہ سنت نہیں مگر
جن کو بویک درشٹی ہے وہ مان کر اپنا کام بنا رہے ہیں - اور سنت مت کا انھیں کے
ذریعہ پرچار ہو رہا ہے - تم بڑے خوش نصیب ہو - جو سنتوں کی شرن میں آئے ہو -
اِن تمام مقامات اور منازل کو طے کر کے ست دھام کی طرف چلو - یہ پیغام تم کو سنایا
جاتا ہے ٭

---

۱۰ جولائی سنہ ۱۹۰۷ء - جس طرح ہم نے ستّا بتایا ہے - وہ ست دھام اور ست لوک
کے نیچے جابی اور غباری شکل میں رہتی ہے - اسی کو آدی بابا یا پر دھان - پرکرتی اور مادہ کہتے

ہیں۔ یہی غباری۔ سیّال۔ رقیق۔ اور ٹھوس ہوتی ہوئی مختلف طبقات میں مختلف نام پاتی ہے۔ یہاں تک کہ شیولوک میں اسی کا نام شکتی۔ وشنولوک میں اسی کا نام لکشمی اور برہمہ لوک میں اسی کا نام گایتری ہو جاتا ہے۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔ اس ستا میں حقیقت کے عکس قبول کرنے کی طاقت ہے۔ اور وہ اپنے اندر عکس کو لیکر شخصیت اور فردیت کو گھڑا کرتی ہے۔ اور برہمانڈ کا سلسلہ اسی میں ہے۔ یہ ست میں نہیں بلکہ اُس کے نیچے نیچے ہے۔ اور تم اگر بغور دیکھو۔ تو قدرت اور نظام قدرت میں کوئی موجودات ایسی نہیں ہیں۔ جو اس سے خالی ہوں۔ اور جو اُن کے اوپر منڈلاتی نہ رہتی ہو۔ خود تمھارے ستھول جسم پر یہ ہر وقت اسی طرح اُڑتی رہتی ہے جیسے سورج کے اردگرد کرنیں۔ آگ کے ہر چہار طرف گرمی کے پرماڻو۔ اور ہیرے جواہرات میں چمک کے ذرے۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔ اور یہی رنگ روپ بدلتی رہتی ہے۔ یہاں تک کہ وہی تمھارے جسم کے اوپر موٹی تہ بن کر کثافت اور میل ہوا کرتی ہے۔ یہی تپ کر تپتی ہوئی گرم ہو جاتی ہے۔ پھر اسی میں اور قسم کی تبدیلیاں ہو ہو کر یہی آکاس ہوگا۔ استھول اگنی۔ جل اور پرتھوی بنتی ہے۔ پرتھوی اور کچھ نہیں ہے۔ صرف اسی ستا کے ٹھوس پنے صورت کا نام پرتھوی ہے۔ اور اسی ستا میں ست کے عکس قبول کر لینے سے اِن دونوں مسالحوں کے ملنے سے من پیدا ہوتا ہے۔ جو خود انیک روپ والا ہے۔ اور جگت کا کھیل کرتا رہتا ہے۔ اسی من کا پہلا نام اہنکار۔ دوسرا بدھی۔ تیسرا من اور چوتھا چت ہے۔ اور ایک ایک منڈل میں اس کے نام۔ روپ۔ اور گن۔ کرم۔ سوبھاو جدا جدا ہیں۔ مدسی کے سمجھ لینے سے جگت سمجھا جاتا ہے۔ اور اسی کی مدد سے حقیقت کا انبھو ہوتا ہے ✦

✦ اپنچوار کی مثال ۱۹۱ سے۔ اس ستا کو جیسا ہوا دیکھ کر ویدک رشیوں نے جو برہمہ گیانی تھے اگنی سمجھا۔ اور ویدک نغموں میں اس کی تعریف میں "اگنی میڈے پروہتم" کی رچا دے گئے۔ پھر و چار کرتے کرتے اور اُسی کے فائدوں کو سنساری دِرشٹی سے دیکھتے

ہوئے اُس میں تمام تتوں کا پتہ لگایا۔ اور پھر آکاش اور وایو کے نیچے اُس کا تیسرا
استھان ٹھہرایا۔ اس ستا میں فطرتاً اپنے ذرات کے حرکت دینے اور نچاتے رہنے کا
قدرتی خواص ہے۔ جیسے سُورج پر کرن اور پانی کے اُوپر اور بھاپ ناچتے رہتے ہیں
جو کچھ ہے وہ یہ ہے۔ اس میں بطور خود پیدا کرنے کی طاقت نہیں ہے۔ جب یہ ذات
حقیقت کے عکس کو قبول کر لیتی ہے تب اسی کے سہارے یہ جگت رچتی ہے۔ اس
کی اپنی ہستی نہیں ہے۔ ست کی ہستی پر اس کا دارومدار ہے۔ جو عکس پہلے اس میں
کال کے رُوپ میں آتا ہے وہ کال کہلاتا ہے۔ پورانوں نے اسی کو مہا کال کہا ہے اور
اور یہ ستا کے ذرات میں عکسی صورتوں کو دے کر ان کو اپنے اندر مقید کرتا ہوا ہر ایک سے
اُپجتی۔ استھتی۔ اور پرلے کے نظارے پیش کیا کرتا ہے۔ جب یہ دونوں کال یعنی مہا
(مایا) اور کال ملتے ہیں۔ تو اوپر کے طبقہ میں کال اور مایا کہلاتے ہیں۔ نیچے ترگنی کے
استھان میں وہی پُرش اور پرکرتی کا نام پاتے ہیں۔ اور جوں جوں ان کا اوتار اور
نیچے کی طرف جھکاؤ ہوتا ہے۔ یہی عکسی صورتیں برہما برہمانی۔ وشنو لکشمی۔ اور شیو شکتی کے
نام سے پکارے جاتے ہیں۔ سہس دل کنول میں اگر یہی جوت نرنجن ہو جاتے ہیں۔ اس
اس کے نیچے کھٹ چکروں میں ان کو اودر اور ختاب بنتے ہیں۔ یہ دویت پد ہے۔
پاتال سے لیکر بھنور گپھا تک دویت کی حد ہے۔ رنگ رُوپ ریکھا سب اسی دویت
دایرہ میں ہیں۔ اُوپر نہ رنگ ہے نہ ریکھا ہے۔ وہاں ست پد کو واحد اور یکتا
کہہ سکتے ہو۔ اس کے آگے جس کو سنت رادھا سوامی دھام بتاتے ہیں۔ وہ ایک اور
دو کے حد سے پرے ہے۔ یہاں ایک انیک کا جھگڑا مٹ جاتا ہے۔ میں تم سے کیا کہوں
دُنیا بھولی ہوئی ہے۔ سنتوں کی بانی اس کو خبر نہیں ہے۔ سرت شبد اگر کر سکے
تب آنکھیں کھلیں۔ اور سار سمجھ میں آئے۔ اور اس کو معلوم ہو جائے۔ کہ سنت مت تمام
فلسفہ۔ علم معرفت اور سائنس کی جان ہے۔ اور اپنے اندر وہ ہر قسم کے دنیاوی کو خواہ

مگر اِن باتوں کو سمجھتا کون ہے! بغیر ست سنگ اور ابھیاس کے علم کا ہونا مشکل ہے۔ یہ بھی کیا کریں۔ کتابوں کے خندق میں بڑی طرح مُنہ کے بل گرے ہوئے ہیں۔ ہر وقت مقدس کتابوں کا پرمان مانگتے رہتے ہیں۔ سنت سوا اپنے کلام کے اور کوئی سند نہیں دیتے۔ ہاں میں اُن کو سند بھی دیتا ہوں۔ کسی طرح تو وہ اِدھر رجوع لاویں۔ اور سوچیں سمجھیں۔ کہ مَیں غلط کہتا ہوں یا صحیح کہتا ہوں +

۱۰- جولائی سنہ ۱۹۱۶ء۔ سند اور پرمان جھگڑوں کی کھان ہیں۔ اور یہ غلامی کے طوق ہیں۔ جو جیئوں کی عقل کی گردن میں پڑے ہوئے ہیں۔ یہ تو ہوتا ہی نہیں کہ اپنے انبھو سے حقیقت کو ساکشاتکار کریں۔ جب دیکھو حوالہ جات اور سند مانگتے رہتے ہیں۔ سنتوں کا ست سنگ ایک اعلیٰ تعلیمگاہ ہے۔ جہاں روحانی علم بچن سے انبھو سے اور خاص نظر سے بخشا جاتا ہے۔ آؤ۔ اور کہو سُنو نہیں۔ بلکہ آؤ۔ اور کرو۔ دیکھو۔ یہ اُس کا مقولہ ہے۔ جو علم ہو اُس کو اپنا کر لو۔ سورگ نرک اپنی آنکھوں ہی سے دیکھے جاتے ہیں دوسرے کہاں تک۔ کب تک۔ اور کیسے دکھائیں گے ۔ ساد ھن میں لگو۔ اصلی شرون منن ندھیاسن میں لگ کر خود ساکشاتکار کرو۔ اپنے اندر اپنی آنکھوں سے دیکھو۔ تب ہی پرم کلیان ہوگا۔ ورنہ عمریں گذر جائیں گی۔ اور ہاتھ کچھ نہ آویگا۔ وقت بڑا ہے یہ خوش قسمتی کی بات ہے۔ کہ حضور نے ظہور فرما کر تمھارے آزاد کرانے اور سچی مکتی کا ادرش پیش کرتے ہوئے حقیقت کے سمجھنے بوجھنے کا سامان فراہم کر دیا ہے۔ موقع کو غنیمت سمجھو۔ ورنہ پیچھے سوا پچھتانے کے کیا ہاتھ آئیگا۔ انسان جنم کی قدر کرنا سیکھو +

کٹ ڈلیا

دھوبیا پھر مر جائیگا۔ چادر لیجے دھوے

(۱)- چادر لیجے دھوے - میَل ہے بہت سمانی
چل سنگدر کے گھاٹ بھرا جہاں نرمل پانی

پرمان اور سند کی غلامی

(۲)۔ چادر بھئی پرانی - دنوں دن دیر نہ کیجے
ست سنگت میں سوند - گیان کا صابن دیجے

(۳)۔ چھوٹے تن داغ نام کا کانپ لگاوے
چلئے چادر اوڑھ - پھر نہیں بھوجل آوے

(۴)۔ چیتو ایسا کیجئے - من نہیں میلا ہووے
دھیا پھر مر جائے گا - چادر بیٹھے دھووے

شبد

دایا دایا دایا
ستگور کیجے جن پر دایا　　(ٹیپ)

(۱)۔ پریم پیار ہے من میں چھپایا　　کرے اکاج نہ جگ کی مایا
کول کرم نے آن بھرمایا　　بھول بھرم سے دکھ بہو پایا
بھکشا مانگن آیا

(۲)۔ تین تاپ سے رہوں اکلانا　　میرا کہیں نہیں ٹھور ٹھکانا
دیکھ پیرا سب کا استھانا　　اب تو ستگور دیجے دایا
دھیان چرن میں لایا

(۳)۔ اٹک پریت باندھے من چھن چھن　　سمروں نام تمھارا گن گن
تو لاگی رہے جب لوں دن دن　　دیکھوں روپ نہ جگ کا بن بن
رہوں اسوچ اگایا

(۴)۔ گیان جوگ کی اکتھ کہانی　　سمجھ نہ آوے رہے حیرانی
جب تب سنجم ایک نہ جانی　　سنوں تمھاری نت مردو بانی
رہیا جیا اگایا

(۵)۔ تُم تو آئے جیو اُبارن ۔ نام دھرا اپنا جگ تارن
پرگٹ بھئے ہو ہمرے کارن ۔ ہم پاپی تُم تبت اُدھارن
رادھا سوامی بھید بتایا

۱۱۔ جولائی ۱۹۱۷ء۔ تم نے سمجھ لیا ہوگا کہ مایا اور کچھ نہیں ہے۔ ست کی ستا کا نام مایا ہے۔ جو ست لوک کے نیچے جُنبالی۔ غباری۔ اور پرمانُوئے شکل میں محیط ہو رہی ہے۔ اس مایا کا اصلی رُوپ تو ستا ماتر ہی ہے۔ جو اُس کی اپنی نہیں ہے۔ مگر اس میں تین خصوصیتیں ہیں۔ اور خصوصیتوں کو گُن کہتے ہیں۔ گُن یہہ ہیں۔ ست۔ رج۔ تم۔ اور یہہ تینوں ستائیں اس طرح اوت پروت اور ملی جُلی ہیں۔ کہ ایک کو دوسرے سے الگ کر دکھانا غیر ممکن ہے۔ صرف اُن کی وسیشتا اور اودھکتا کے انومان سے اُن کا انومان ہوا کرتا ہے۔ جو صفت کہ ستا سے بہت قریب ہے وہ ست کہلاتا ہے۔ اس میں پرکاش۔ آنند۔ اور کشادگی ہے۔ کیونکہ یہہ ست کے عکس کو جلد قبول کرتا رہتا ہے۔ اس کا جو عکس ہوا وہ تم ہے۔ ستا میں ست کا عکس ہو نا سمجھ میں کم آئے گا۔ لیکن یہہ صحیح واقعہ ہے۔ اور جیسا کہ تم اصل اور سایہ میں یہاں فرق دیکھتے ہو۔ وہی فرق ست اور تم میں ہے۔ اور جیسے سایہ اصل کے مقابلہ میں تاریک رہتا ہے۔ ویسے ہی یہہ تم بھی ہے۔ اور ست کے بالکل برعکس ہوتا ہے۔ اس میں مُوڑھتا۔ آلسیہ اور اندھکار ہے۔ اور یہہ سکڑا ہوا ہے۔ یہہ دو گُن ہو گئے۔ اب تیسرا گُن جو رج ہے اس کی حقیقت سنو۔ اوپر ست ہے نیچے تم ہے۔ بیچ میں ست اور تم کی جو ملی جلی حالت درمیانی ہوئی اُس میں دونوں یعنی ست اور رج کے خواص موجود ہیں۔ اُس میں جنبش اور حرکت ہے۔ رونا اور گانا ہنسنا اور دُکھ دونوں ہیں۔ اس لئے رج ہی چنچل ہیں یعنی فیلنے کا استھان ہے۔ اس

مایا اور اُس کے تین گُن

چونکہ ست۔ تم۔ دونوں کا اثر موجود ہے۔ اس لئے یہ کشمکش اور کھینچا کھینچی کی حالت ہے۔ جہاں دو چیزیں ملتی ہیں وہاں قدرتاً تیسری حالت پیدا ہوتی ہے۔ اور وہ رج ہے۔ اب پھر ان کا روپ سنو۔

ست میں آنند۔ پرکاش اور کشادگی ہے۔ تم میں موڑھ پنا۔ آلسیہ۔ اور اندھکار ہے۔ اور رج میں سکھ دکھ اور کشمکش ہے۔ ان کے سروپ کو سمجھ لو اور مسنار کے جس پرانی۔ جیو۔ جنتو۔ یا چیز میں جس پربھاو کی ادھکتا دیکھو سمجھ لو کہ اس میں وہ گن زیادہ ہے۔ جو شخص خوش رہتا ہے بھگتی بھاو اور گیان کو پسند کرتا ہے۔ وہ ستوگنی ہے۔ جو نکما پڑا رہتا ہے۔ اور کوئی بات جس کی سمجھ میں نہیں آتی وہ تموگنی ہے۔ ان کے بالکل برعکس جو شخص مزاج کا جھگڑالو۔ حاسد۔ جدوجہد کا شایق۔ اور بیوہار میں اپنی ٹیک رکھتا ہے وہ رجوگنی ہے۔ یہاں اس قدر اور جان لو کہ ست اور تم میں کریا شکتی یعنی قوت فاعلی نہیں ہے۔ یہ خاصہ صرف رج کا ہے۔ جو ورمیانی ہے ؀

یہ تینوں گن ہونے کو تو ست دھام کے نیچے جھنور گپھا میں بھی پرتیت ہوتے ہیں۔ اور نیچے اتر کر سن استھان میں ان کی ویسی ہی گردھت ہوتی ہے۔ جیسے سوشپتی میں ہمارے شریر کے گنوں کا بیوہار دبی ہوئی صورت میں ہوتا ہے۔ مگر جب یہ تینوں برہمانڈ میں ترکٹی کے استھان میں آتے ہیں تو ان کی صورت تحقیق نگاہ کو دکھائی دیجاتی ہے۔ جھنور گپھا اور سن میں تو یہ کارن روپ ہیں۔ ترکٹی میں یہ سوکشم روپ والے ہوجاتے۔ اور نیچے اتر کر سہنس دل کنول میں یہ استھول روپ بنتے ہیں۔ اب اگر اس مایا پر بھی دھیان دو۔ تو وہ بھی اصل میں ایک روپ والی ہی ہے۔ مگر پرنام (تبدیلی) کو پراپت ہوکر وہ تین روپ والی بنجاتی ہے جیسے سوشپتی یعنی گہری نیند کی حالت میں مایا کا صرف شانت روپ رہتا ہے۔ اور

سوپن اور جاگرت میں وہ سوکشم اور ستھول بنتی ہے سو ویسے ہی اوپر برہمانڈ میں اُس کا
حال ہے - بھنور گپھا اور سن میں وہ کارن ماتر ہے - ترکٹی میں سوکشم اور سہس دل کنول
کے استھان میں ستھول ہے - جو ہم میں اور ہمارے روزانہ زندگی میں حال ہے وہی
برہما اور برہم کی روزانہ زندگی کا طریقہ ہے - کیونکہ ہم اور کچھ نہیں ہیں - برہم ہی کے
عکسی رُوپ ہیں - عکسی رُوپ کہنے سے یہ نہ سمجھ لینا - کہ ہم اصلیت سے خالی ہیں -
نہیں - اصلیت تو ہم سب کے پس پشت رہتی ہے - وہ نہ ہو تو پھر یہ لیلا اور جگت کا
پرپنچ بھی نہ چلے - اس کا بیان ہم اور آگے چل کر کرینگے +

برہم اور جیو کا مقابلہ

۱۱ - جولائی سنہ ١٩١٧ء - اب ہم بیان ہم کو برہم اور جیو کا مقابلہ کر کے ان گنوں کی
صورتوں میں اُن کا رُوپ دکھاتے ہیں - جیسے جیو میں تین حالتیں ہیں ویسے برہم میں
بھی ہیں جیو جاگتا ہے - سوتا ہے - اور گہری نیند میں جاتا ہے - برہم بھی جاگتا سوتا اور
گہری نیند میں جاتا ہے - جاگرت سوپن اور سوشپتی جیو اور برہم دونوں میں ہیں - جیو جب
جاگتا ہے - تو جاگرت کے اجمالی ہونے کی وجہ سے اس کا نام وشو ہوتا ہے - جب
سوتا ہے تب سوپن کے اجمالی ہونے سے وہ تیجس کہلاتا ہے - اور جب سوشپتی
میں جاتا ہے تب سوشپتی کے اجمالی ہونے سے وہ پراگیہ نام پاتا ہے - اسی طرح
جاگتے ہوئے برہم کو وِراٹ - سوتے ہوئے برہم کو ہرنیہ گربھ اور سوشپتی میں لے ہوئے
برہم کو ہرنیہ گربھ کہتے ہیں - جیو اس شریر میں بستا ہے - برہم برہمانڈ میں بستا ہے -
وہ برہمانڈ میں محیط ہے - یہ شریر میں محیط ہے - اگر شریر اور برہمانڈ دونوں کے نسبتی
مدارج کو چھوڑ دو - تو چیتن کی درشٹی سے دونوں ایک رُوپ والے ہیں - پنڈ اور برہمانڈ
کا حساب ایک جیسا ہے - پنڈے سو برہمانڈے +

۱۱ - جولائی سنہ ١٩١٧ء - مگر یہ جیو بنا اور وہ برہم بنا دونوں ہی مایا کے کھیل ہیں - ست
پُرش کی سبھا میں ان کا تماشا ہوتا رہتا ہے - جیو کو اب تک ست پُرش تک کی سمجھ نہیں ہے -

جو پنڈ اور برہمانڈ منڈلوں سے پرے ہے ست پُرش میں بھی شتا ہے۔ مگر وہ شتّا اس کے لوک کے نیچے ہے۔ وہ اُس پر حاوی نہیں ہے۔ برہمانڈ میں تو سو کشم مایا حاوی ہے۔ اور پنڈ میں استھول۔ کارن مایا جس کو ہم یہاں سمجھانے بجھانے کے لئے شتّا کہتے ہیں۔ صرف کیفیت گپت ہے۔ سوچ وچار کر اس مایا کے تیاگنے سے تب کچھ اس کا انبھو ہوتا ہے ❊

۱۱۔ جولائی ۱۹۱۶ء ان تینوں حالتوں پر غور کرنے سے تین درجے اس رچنا میں قائم پاتے ہیں۔ سنتوں نے پہلے درجہ کو دیال دیش بتایا ہے۔ جس کا دھنی ست پُرش ہے یہاں شتّا ماتر ہے۔ جس کو مایا کہنا بھرم میں پڑنا ہے۔ مگر اس میں شک نہیں۔ اس شتّا کی اُتپتی کا ست پُرش ہی سے آئی ہے۔ مگر ست پُرش اُس کے اثرات سے محفوظ ہے کیونکہ شتّا بیرونی یا باہر ہے۔ دوسرا درجہ کال دیش کہلاتا ہے۔ جس کا دھنی برہمہ خداوند پربرہم ہے اسی کو مایا شبل اور شدھ برہمہ کہتے ہیں۔ پربرہم بنا تمام وہ کسی حالت میں ہو مایا بنا ہی ہے سنتوں کے ست سنگ میں جانے سے تب اِن کی سمجھ آنے لگتی ہے۔ تیسرا درجہ مایا دیش ہے۔ جس میں تمام پنڈوں کا مجموعہ رہتا ہے۔ اور جیو اسی کے دائرہ میں اپنا کھیل کرتے اور جنمتے مرتے رہتے ہیں ❊

۱۱۔ جولائی ۱۹۱۶ء۔ دیال دیش میں مایا کا ابھاو ہے۔ وہاں خالص چیتن ہی چیتن ہے کال دیش میں لطیف مایا ہے۔ جو چیتن کے ماتحت ہے۔ اور چیتن غالب مایا مغلوب ہے مایا دیش میں استھول مایا ہے۔ یہاں چیتن مغلوب اور مایا غالب ہے۔ اور بغیر مایا کے یہاں جیوں کا کوئی کام نہیں بنتا۔ وہ اس قدر اُس کے زیر اثر آئے ہوئے ہیں۔ کہ جب تک مایا کے ساز و سامان نہ ہوں۔ تب تک یہ اپنی روزانہ زندگی کی ضرورتوں کو کبھی رفع نہیں کر سکتے اور بغیر اس کے دُکھی رہتے ہیں۔ لیکن ایک رہسیہ ہے۔ مایا چونکہ یہاں بنیتی اور چھن بھنگی ہے اُس کے ملنے سے بھی دُکھ۔ اور اُس کے بچھڑنے سے بھی دُکھ ہوتا ہے۔ اور جیو اس اقد

گیان اور اَوِدیا میں پھنسا ہے کہ نہ تو پورے طور پر اُس کو بھوگ ہی سکتا ہے نہ چھوڑ ہی سکتا ہے۔ سانپ اور چھچھوندر کا سا حال ہے۔ اگر سانپ چھچھوندر کو نگل جائے تو کوڑھی ہو جائے۔ اور اگر نگل جائے تو اندھا ہو جائے۔ اپنے اِرد گرد کے ویوہار اور واقعات کو دیکھو تب اس کی سچائی تمہارے ذہن نشین ہو جائے گی۔ بغیر وچار کئے ہوئے اِس کی جیووں کا تیجل نہ سمجھ سکو گے +

۱۱- جولائی ۱۹۱۷ء - اب سوچو عام جیووں نے اِس سنسار میں مختلف مذاہب کے زیر اثر کس کو اپنا اِشٹ مان رکھا ہے۔ کوئی تو دیراٹ پُرش کو پوجتا ہے۔ کوئی اَویاکرت کو اور کوئی ہرنیہ گربھ کو یہ سمجھ بوجھ والے جیووں کا حال ہے۔ اِن سے بھی جو نادان ہیں دو دیوی دیوتا اور بھوت پشاچ خواہ حیوانات۔ نباتات یا معدنیات کے اُپاسک بنے ہیں۔ جو آدمی سے بھی کسی حالت میں بزرگ اور قابل تعظیم نہیں ہیں۔ جو جس کو پوجتا ہے اُس پر غالب نہیں آتا۔ بلکہ اُس کا ماتحت ہی رہتا ہے۔ ماتحتی نام ہے غلامی کا۔ غلامی نہ مکتی ہے نہ آزادی ہے۔ اور پھر وہ نِروان پد کے ادھکاری کیسے ہونگے + یہ معمولی سی بات ہے۔ جو ایک بچہ بھی سمجھ سکتا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اِن میں سے کوئی بھی نہ مکتی کا ادھکاری ہے اور نہ اُس نے مکتی کو اپنا اِشٹ مزاج اور آدرش بنا رکھا ہے۔ سچی سچی بات کہو تو کوئی مانتا نہیں۔ جھوٹ کہنے کی اپنی عادت نہیں +

۱۱- جولائی ۱۹۱۷ء - جو سب سے بڑے گیانی کہلاتے ہیں ہم کو صرف اُن کی حالت پر وچار کرنا ہے۔ اوروں کو ہم چھوڑ دیتے ہیں۔ گیانیوں کا اِشٹ برہم ہے۔ اور وہ برہم کو اپنا روپ سمجھ کر اُس ہی کے چنتن کا سادھن کرتے ہیں۔ بہت اچھا۔ اب تم سوچو۔ ہم نے تم کو دکھا دیا کہ برہم میں جاگرت سوپن اور سُوشپتی تینوں ہیں۔ اور یہ مایا کے حدبست کے اندر ہیں۔ برہم جب خود ہی جاگتا سوتا اور سُوشپتی میں جاتا ہے تو وہ مایا کے حد سے باہر کب ہوا تاکہ گیانی برہم خواہ پر برہم میں لے ہو گئے۔ مگر جب سُوشپتی کا اُتھان ہوگا۔ تو کیا یہ پھر

ارشاد ۔ ۱۹۱۷ء

جنمیں اور مریں گے ۔ جب برہم خود مکت نہیں تو ان کی مکتی کیسی ! اگر یہ کہا جائے ۔ کہ
اُنھوں نے چیتن کو اپنا آدرش بنایا ہے ۔ تو یاد رہے ۔ وہ چیتن خود کال دیش یعنی لطیف
مایا کے اندر کی بات ہے ۔ خالص چیتن تو وہ بھی نہیں ہے ۔ اس لئے یہ غلطی اور بھرم میں پڑے
ہوئے ہیں ۔ سب کلپانتر کی مکتی پاکر پھر کال کے چکر میں آئیں گے ۔ برہم خود کال ہے
شاستر آپ اُس کو کال اور مہا کال بتاتے ہیں ۔ کال میں ہمیشہ واقعات کا اعادہ ہوا کرتا ہے
گھڑی کو دیکھو ۔ وہ ہر وقت ٹِک ٹِک کرتی رہتی ہے ۔ پھر جہاں کال بیاپت ہے خواہ
وہ کسی شکل صورت اور کسی امتداد یعنی چوڑی حالت کا ہو ۔ وہاں مکتی اگر ملے گی تو کیسے
ملے گی ۔ اس لئے ست گرو رادھا سوامی نے پرگٹ ہو کر جیوں کی نگاہ کے اونچی کرنے
کا سادھن بتا کر اُن کو پرم دھام کی طرف چت لگانے کا ساہس دیا ۔ اگر کوئی نہ مانے تو
اُسی کا قصور ہے ۔ کیا کیا جائے ! اور کوئی کر کیا سکتا ہے !

۱۰ ۔ جولائی ۱۹۱۶ء ۔ حکم تو یہ ہے ۔ کہ مایا دیش اور کال دیش دونوں کے مرحلوں اور
منزلوں کو طے کر کے دیال دیش کی طرف چلو ۔ اور ان تینوں کو چھوڑ کر چوتھے پد یعنی رادھا
سوامی دھام کو چیت دو ۔ لیکن اگر کوئی ست لوک اور ست پُرش کا اِسٹ بنائے تب بھی
کوئی حرج نہیں ۔ کیونکہ یہ چوتھے پد کا ناکا ہے ۔

۱۱ ۔ جولائی ۱۹۱۶ء ۔ ہم یہاں کیا دیکھتے ہیں ؟ کال سب کو کھا رہا ہے ۔ ایک چیز
دوسرے کی خورش ہے ۔ حیوان پتے کھاتے ہیں ۔ حیوانوں کو انسان کھاتا ہے ۔ اور
انسان کو کیڑے مکوڑے تک کھاتے ہیں ۔ اور اِن سب کو کال کھاتا رہتا ہے ۔ کھانا کئی
طرح کا ہوتا ہے ۔ جو جس کو برتتا ہے وہی اس کو کھاتا رہتا ہے ۔ کال کی رچنا میں ہر جگہ کھانے
کا اہتمام ہے ۔ جس کو دیکھئے وہی نگلتا اور نگلا جا رہا ہے ۔ کیا یہ حالت ناخوشگوار نہیں ہے ؟ جلنے
ہونا بھی ایک طرح کا غذا بننا ہے ۔ اسی کا چنتن سب لوگ کرتے ہیں ۔ اور اصلیت سے
دُور پڑے ہوئے ہیں ۔ تتو بھی ایک دوسرے کو کھاتے ہیں ۔ جل پرتھوی کو ۔ اگنی جل کو

وایو اگنی کو۔ آکاس وایو کو۔ اور مایا آکاس کو کھا جاتی ہے۔ ایک خیال دوسرے خیال پر غالب آکر اُس کو کھا جاتا ہے۔ اور اپنا جُز بنا لیتا ہے۔ یہ کال کی رچنا۔ اُس کی رچنا کا مقصد اور اُس کے مقصد کا کاروبار ہے۔ کیا تم سچ مچ اَوروں کی غذا ہونا چاہتے ہو؟ اگر ایسا خیال ہے تو پھر ہمارا کہنا سُننا بے سُود ہے۔ مرو کھپو۔ اور اگر ایسا خیال نہیں ہے تو پھر اُس کا چنتن کرنا کیا معنی؟ کیوں نہیں اصلیت کو سمجھ کر اور سُرت شبد یوگ کا سہل سادھن کرتے ہوئے اپنے نج بھنڈار میں واپس چلے جاتے۔ جہاں نہ کال ہے نہ مایا ہے۔ نہ لَے ہے نہ چنتن ہے۔

ایک باخبر صوفی صدا دیتا ہے:۔

وایں گریز از جوقِ آکالِ غلیظ — سوئے آں کہ گفت ما نعمت حفیظ
یا بسوئے آں کہ او ایں حفظ یافت — گر نتابی سوئے آں حافظ شتافت

ترجمہ:- خبردار رہ۔ اِن مکروہ غذاؤں کے گروہ سے اُس کی طرف بھاگ چل جو کہتا ہے کہ میں اِن سے بچا ہوا ہوں۔ اور اگر یہ نہیں ہو سکتا۔ تو اُس کی طرف چل۔ جس نے اُس حافظ کی شرن حاصل کر لی ہے۔"

وہ کون ہے؟ وہ مُرشد کی ذات ہے۔ وہ حضور کا چرن ہے۔ اُن کی شرن سے تیرا کلیان ہوگا۔ یہاں پھر وہی صوفی ذوق و شوق کے ساتھ پیغام دیتا ہے:۔

موہبت را در کفِ دستش نہد — وز کفش آں را بہ مرحوماں دہد
با کفش دریائے کُل را اِتصال — ہست بیچون و چگانہ در کمال
دستِ پیر از غائباں کوتاہ نیست — دستِ او جُز قدرتِ اللہ نیست
مرد را دستِ دراز آمد یقیں — بر گزشت از آسمانِ ہفتمیں

ترجمہ:- بخشش کی پونجی مالک نے مُرشد کے ہاتھ میں سپرد کر رکھی ہے۔ اور اُس کے ذریعہ اپنے اپنائے ہوئے جیوؤں کو دیتا ہے۔ اُس کا ہاتھ دریائے کُل سے ملا ہوا ہے۔

اور کال میں وہ بھی بیچون وچرا ہے - گورو کا ہاتھ غائب آدمیوں کے لئے بھی چھوٹا نہیں ہے - کیونکہ یہ ہاتھ سوا مالک کے اور کسی کے قبضہ میں نہیں ہے - اُس کا ہاتھ اس قدر لمبا چوڑا ہے - کہ ساتویں آسمان سے اونچے پہنچا ہے ؛

من مایا کے پنجرے سے رہائی پانا بغیر گورو کی شرن میں آئے ہوئے غیر ممکن ہے :-

ہیچ نکشد نفس را جز ظلّ پیر ‏ دامن آں نفس کش را سخت گیر

گر بگیری سخت آں توفیق ہو ست ‏ ہر کہ قوت در تو آید جذب اوست

ترجمہ :- نفس سوا گورو کے سایہ میں آنے کے کبھی نہ مریگا - اِس لئے گورو و نفس کُش کے دامن کو مضبوطی سے پکڑ - اگر تو نے اس کی دامن کو خوب زور کے ساتھ پکڑ لیا - تو سمجھ کہ یہ مالک کی مہربانی ہے - اور پھر جو طاقت تجھ میں آئے گی - وہ طاقت گورو ہی کی بخشش جاذبہ کا نتیجہ ہوگی ؛

گورو بن مالا پھیرتے - گورو بن دیتے دان ‏ گورو بن نام حرام ہے جائے پوچھو وید پوران

گورو بن مالا پھیرتے - نہیں سنت پرچاو ‏ کہیں کبیر داس کا پڑے نہ پورا داو

۱۱ - جولائی ۱۹۱۵ء - محض چیتن چیتن کہتے رہنے سے کچھ نہ بنیگا - یہ عالم اسباب ہے ہر مقام اپنا اثر اور خواص رکھتا ہے " ہر سخن موقع و ہر نکتہ مکانے دارد " اگر سب چیتن ہے تو پھر جڑ کس کا نام ہے اجڑ بھرم ہے - بہت اچھا - پھر بھرم کیا ہے ! اب تو پڑے کے الجھن میں - اور یہ لا بحث مباحثہ کا سلسلہ - اور سب کے سب بھیڑوں کی طرح شہد کے جال میں آ کر پھنس کر ہلاک ہو گئے - ایک بھی تو نہیں بچا - یہ جگت بھیڑ دھسان اور بھیڑ چال ہے ایک بھیڑ کنوئیں میں گری تو سب ہی گر پڑے - کرنا دھرنا تو مشکل ہے - مریادا کو بھنگ کرکے واچک گیان کا مزہ لوٹنا پرمارتھ کی درستی سے غلط طریقہ ہے - جب بیوہاری جگت میں ہونا لازمی ہے تو پرمارتھی جگت میں پرمارتھ کمانا کیوں نہ ضروری ہوگا ؛

۱۱ - جولائی ۱۹۱۵ء - من تو مایا کے سانچے سے بنا ہے - وہ ذات حقیقت کا علم کیسے

عالم اسباب

حاصل کریگا ۔ یہ سوال نہایت ہی خوبصورت اور رگِ خیال کا حرکت دینے والا ہے ۔ سوال کرنا تو بہت سہل ہے ۔ مگر سچا جواب دینا مشکل ہے ۔ بالو گوری شنکر لال اختر کا کمسن لڑکا لی ہانگ چانگ مجھ سے اکثر سوال کرتا رہتا ہے " بابوجی! مٹی بتاؤ کیسے بنی؟" "پانی سے" "پانی کیسے بنا؟" "آگ سے" "آگ کیسے بنی؟" "آکاس سے" "آکاس کیسے بنا؟" "مایا سے" "مایا کیسے بنی؟" "ستا سے" "یہ ستا کیا ہے"؟ اس کا جواب کیا دیا جائے یہاں تو ایک کمسن بچہ کے سوال کا جواب دینا مشکل ہے ۔ مگر ہم اس سوال کا کچھ کسی قدر جواب دینے کی کوشش کریں گے ۔ من سے ہم جگت کا تماشا دیکھتے ہیں ۔ یہ مشعل ہے جو سب کو پرکاش کرتا ہے ۔ اور آپ ہی ساکشاتکار کرنے کی نیت سے آنکھ ۔ ناک ۔ کان زبان ۔ لمس وغیرہ بنالیتا ہے ۔ یہ مشعل باہر کی طرف ہے ۔ اس کا رُخ اپنے اندر کی طرف سُرت شبد یوگ کا ابھیاس کر کے اُلٹ دو ۔ اندر تمام جسم نقعۂ نور ہو جائے گا ۔ کچھ دنوں اس کے اندر کی لیلا دیکھو ۔ جیسے اس نے باہر اپنے علم کے لئے اندریاں بنائی ہیں اندر کی طرف یہ خود اتیندرروپ میں پرگٹ ہوگا ۔ تب تم حقیقت کا مشاہدہ کرسکو گے اور جس طرح لمپ پر چمنی جما دینے سے دُھواں روشن ہو جاتا ہے ۔ اُسی طرح ستا سے ملکر یہ روشن ہو جائے گا ۔ اور اپنا کام کر کے علیحدہ ہو جائے گا ۔ تب تم آپ ہی آپ رہ جاؤ گے ۔ اور وہی تمہاری ذات ہے ۔ اور اسی کو سنت ، ادھا سوامی خواہ چوتھا پد کہتے ہیں ۔ پھر نہ من رہیگا نہ مایا رہیگی +

من مایا کو ماریا ۔ دھاما الگم شریر
وہ شریر بھی مٹ گیا ۔ رہ گئے سنت کبیر

یہ دوہا کبیر صاحب کا نہیں ہے ۔ ہمارا اپنا ہے ۔ جو ذہن میں آیا ۔ وہ کہہ سُنایا ۔ ہم کبیر کسی آدمی کو نہیں کہتے ۔ نہ کبیر صاحب آدمی تھے ۔ کبیر نام ہے ذاتِ حقیقت کا ۔ اس لئے ہم نے کبیر لفظ استعمال کیا ہے +

پوّتر درشنی رادھا سوامی دیال کی بانی ہے:-

آپ آپ کو آپ پہچانو
کہا اور کا ٹھیک نہ مانو

۹۶
۱۱- جولائی ۱۹۱۷ء

سادھوا اچرج اکتھہ کہانی

(۱) رُوپ نہ رنگ ریکھا واکے - نراکار نِربانی
کوئی کہے تو کہے کس مکھ سے - نہیں وہاں من بانی

(۲) پار اپار وار نہیں جاکا - اپرمپار نشانی
بن پد چلے - بنا انگ ڈولے - بن رسنا مرد بانی

(۳) بھید ابھید نہیں وہاں کچھ بھی - کیسے کوئی پہچانی
ہم تو سار شبد لکھ پایا - سُتگور کی سہدانی

(۴) نہیں آوے نہیں جاوے کبہیں وہ نِشچل اٹل امانی
جو چیتن پویک کو کیسا - کیسی پدھی تیہی الگانی

(۵) وہ انام وہ اگتی امایا - مایا نام رہانی
رادھا سوامی چرن شرن بلہاری - جاکے گورکھ گیانی

۹۷
۱۱- جولائی ۱۹۱۷ء

دیکھا دیکھا دیکھا

الکھ اگوچر رُوپ گُورو کا - گورو کی دیا سے دیکھا سادھوا

(۱) نہیں انیک اور ایک نہیں ہے - نہیں وہ گیان بویک نہیں ہے
پکش نہیں اور ٹیک نہیں ہے - سب کا ہو گیا لیکھا سادھوا

(۲) ست اسّت سے نیارا پایا - گیان دھیان سے رہا الگایا

وہ اکام وہ اگم امایا ۔ ادبھت روپ پریکھا ساوھوا
(۳) نہیں وہ گیان وِشے ٹریاتت۔ نہیں وہ گت اور نہیں وہ اوگت
بھرم بھول میں پڑے جگ کے مت ۔ بھولے گیانی بھیکھا ساوھوا
(۴) نہیں سُکھ رُوپ نہ جوت دکھاری ۔ نہیں ان ہت اور نہیں تتکاری
رادھا سوامی چرن شرن بھاری ۔ اگم اگادھ الیکھا ساوھوا

۱۱۔جولائی سنہ ۱۹۱۷ء ۔ ۹۸

ساوھوا! سمجھ پری گورو بانی
اب موہی سمجھ پری گورو بانی

(۱) سَتگور دیا سادھ کی سنگت ۔ لکھ لیا جوت نشانی
جوت اجوت دواؤ تج ڈارا۔ پایا پد نربانی ساوھوا
(۲) جب لگ گورو سے ناتا ناہیں ۔ رہا مُوڑھ اگیانی
سر پر ہاتھ گورو نے پھیرا ۔ چرن چت بسانی ساوھوا
(۳) تیرتھ برت نیم آچارا ۔ ڈارت بھو کی کھانی
روپ انوپ ہئے جب درسا ۔ جان بھئے انجانی ساوھوا
(۴) بچن سنایا پریم بڑھایا ۔ سین بین سے جانی
میں تو گورو کا سیوک سانچا ۔ رہوں چرن لپٹانی ساوھوا
(۵) گورو کا سب بدھی اگیا کاری ۔ نہیں بھاوے مت دس پنتانی
رادھا سوامی چرن شرن ملذری ۔ کال کرے نہیں ہانی ساوھوا

۱۲۔جولائی سنہ ۱۹۱۷ء ۔ ۹۹ جو جیسا ہے جس نے جیسا مان رکھا ہے جیسا سمجھ رکھا ہے ۔ ویسا ہی کتا کرتا ہے ۔ اور بتاتا ہے ۔ انجو سمپن انجو بتاتے ہیں ۔ کرنتھ سمپن گرنتھ کی چرچا کرتے

کرتے ہیں۔ سادھن تپن کے لئے سادھن ہی سب کچھ ہے۔ مگر انبھو۔ گرنتھ اور سادھن وغیرہ اشٹ نہیں ہیں۔ یہ صرف ذریعے ہیں۔ مقصود تو کچھ اور ہے۔ اور وہ ان سب کے پرے کی اوستھا ہے۔ جس کو اوستھا بھی نہیں کہا جا سکتا۔ انبھو۔ گرنتھ۔ سادھن یوگ وغیرہ سب من کے کھیل ہیں۔ ان سے کام لیکر اوپر کی طرف چلنا ہے۔ نیچے اوپر چلنا یہ بھی من ہی کا تماشہ ہے اور کچھ نہیں۔ لیکن اگر من سے کام نہ لیا جائے تو پھر کہنا کرنا۔ ماننا منانا نہیں بنتا۔ اس لئے اس بیوہارک جگت میں بیوہار ہی کے ذریعہ نظر کو اونچی کرانا مقصود ہے۔ اس اشٹ اور معراج جہاں تک ہو سکے سب سے اونچا ہو۔ تب کام بنے۔ جہاں تک من اور من کا انبھو اونچے چڑھ سکے وہاں ہی تک اچھا ہے۔ اس سے اس کے جذبات اونچے لطیف اور بالطف ہوتے جائیں گے *

ہمّت بلند دار کہ پیشِ خدا و خلق
باشد بہ قدرِ ہمّتِ تو اعتبارِ تو

من جب ستھول ستھان سے بیدار رہتا ہے تو استھول ہی بنا رہتا ہے۔ اس کو پہلے وراٹ یعنی سہس دل کنول کے دھنی۔ نرنجن سے متعلق کرو۔ تب اس کا بھید ملیگا پھر ترکٹی پر چڑھ کر اونکار برہم سے لگاؤ۔ جو اس برہمانڈ کے پسارے کا کرتا دھرتا ہے۔ تب اس کا بھید پاؤ گے۔ پھر ہنس گت ہو کر ستن اور مہا ستن اور بھنور گپھا میں جا کر پربرہم اور سوہنگ پُرش سے سمبندھ پیدا کرو۔ اور ان کا بھید لو۔ اس کے پرے ست پُرش کا استھان ہے۔ اس پر چڑھو۔ اور سب سے لطیف انبھو اور مُسرت کی دوربین پا کر سنتے دھام پرم پد کیولیہ۔ اور چوتھی اوستھا کے سادھن میں لگو۔ اور کچھ دنوں اسکے ابھیاسی ہو کر اس کے انبھو کا آنند بھوگ بھوگو اور اس سے بلکہ پھر من کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہہ دو۔ یہ اشٹ ہے *

۱۲ جولائی سنہ ۱۹۱۷ء۔ جگت میں ہم دیکھتے ہیں کہ اس کا اور اس کے پدارتھوں کا

گیان اُس وقت ہوتا ہے۔ جب من کی ورتی نکل کر اُس شے سے مِلکر اُس پر محیط ہوجاتی ہے۔ بغیر اس کے علم نہیں ہوتا۔ سامنے میز اور کرسی رکھی ہے۔ جب آنکھوں سے ورتی نکل کر میز اور کرسی میں پھیل کر اُن کے تداکار بنتی ہے۔ تب اُن کی صُورت کا علم ہوتا ہے۔ یہ استھول جگت کا بیوہار ہے۔ اِسی طرح سوکشم جگت اور سُوکشم جگت کے پدارتھوں کے ساتھ عمل کرنے سے اُن کا گیان ہوتا ہے۔ اور علیٰ ہذالقیاس اِسی طرح سُرت شبد یوگ کا ابھیاس اُونچے لطیف اور کارن استھانوں سے سنبندھ جوڑ جوڑ کر اُن کے گیان کو پراپت کرتا ہے۔ اور جب اُن کا رُوپ سمجھ میں آجاتا ہے تب اُن کا عِلم ہوکر ذات کا سچّا علم مِلتا ہے یا اُس سادھن کی غرض ہے۔ مقصد تو اپنے ہی رُوپ کا ساکشاتکار کرنا ہے۔ یہ سادھن ماتر ہیں۔ اور سادھن کے استھان ہیں بغیر سادھن کئے ہوئے کسی کو کیا مِلا ہے!

۱۲ جولائی سنہ ۱۹۱۷ء ساجھانی ہونا اور کچھ نہیں ہے۔ کسی شے سے تعلق پیدا کرنا اور اُس کے تداکار۔ تدروپ ہوکر اُسی کے رُوپ کا ہوجانا ابھمانی بننا ہے۔ اب تک تو ہم نے اس شریر سے سمبندھ رکھا۔ ورتیوں دوارا اُس سے مِلکر اُسی کے تداکار اور تدرُوپ بنے ہیں۔ اور شریر کے ابھمانی ہوکر اپنے آپ کو شریر رُوپ مان رہے ہیں۔ اب اِس سے ورتیوں کو ہٹا کر کسی اور جگہ اُن کو لگا کر اُن کا رُوپ بن بن کر آگے کی طرف چلنا اور اُن کا عِلم حاصل کرنا ہے۔ مگر یہ خیال رہے کہ وہ ہمارے اصلی رُوپ نہیں ہیں۔ اصلی رُوپ تو رادھا سوامی ہے۔ اور اسی وجہ سے ہر ایک مقام پر اسی نام کے سُمرن سے کام رہتا ہے۔ ورنہ ہر مقام اور استھان پر سمادھی لگتی ہے۔ اگر اشٹ کا بھاوسن میں نہ رہے۔ تو پھر اُسی مقام میں بس لے اور جذب ہونے کا خوف رہیگا۔ اور آگے کا راستہ بند ہوجائے گا۔ اور اُتھّان کے بعد پھر نیچے کی طرف گرنا پڑے گا۔ سنبھالنے والا صرف اِشٹ اور آدرش ہے۔ اُس کو نہ

ٹٹولو۔ سوتے جاگتے۔ اُٹھتے بیٹھتے اِس طرح کا عمل ہو جائے۔ کہ وہ ایڑی سے لیکر چوٹی تک دیا پت ہو جائے تاکہ اصلی اور مختصر تک پہنچکر پھر اُلٹان (اُکٹھان) اور کرنے کا خوف نہ رہے +

۱۲ جولائی سنہ ۱۹۱۶ء۔ ابتدا میں من کی تادیب اور گرہن کے لئے ابھیاس کا وقت مقرر کیا جاتا ہے تاکہ سادھن کی عادت پڑنے لگے۔ اور مشاقی ہوتی چلے۔ اگر ایسا نہ کیا جائے گا تو کام نہ بنے گا۔ کال کے جگت میں ہر کام کے لئے وقت مقرر ہے اُس وقت سے کام لو۔ وقت پر کام کرو۔ کیونکہ یہ ایک اور کثرت کا طریقہ ہے۔ مگر سادھن ایسا ہو۔ کہ جہاں اُس کا وقت آیا من خود بخود اس کی طرف شایق اور مایل ہو جائے۔ اور اُس سے پیار رکھے۔ کچھ دنوں ایسا عمل کرنا پڑتا ہے۔ پھر یہ عمل آپ ہی پختہ ہو کر وقت کی بندش اور قید سے آزاد کر دیتا ہے۔ اور پھر چھن چھن پل پل اُسی کے عمل و شغل کا سلسلہ باطنی طور پر جاری ہو جاتا ہے۔ اور یہ حال ہو جاتا ہے +

اُٹھتے بیٹھتے کھڑے اُتانے کہیں کبیر ہم اُسی ٹھکانے

۱۲ جولائی سنہ ۱۹۱۶ء۔ سودچتائی کے دُور کرنے کا یہ نہایت موثر اور زبردست طریقہ ہے۔ اور جب من مشاقی کرتے کرتے اُسی ایک دُھن میں لگ گیا تو پھر اُس میں سنکلپ وکلپ اول تو اُٹھیں گے نہیں۔ اور اگر اُٹھیں گے بھی تو اُوپر کی طرف لے جانے والے ہونگے۔ اور من اپنی گرانے والی اٹکھیلیوں کی زمینی عادت کو چھوڑ جائیگا۔ اور آسمانی عادت سے سمبندھ کر لیگا +

۱۲ جولائی سنہ ۱۹۱۶ء۔ سُرت شبد یوگ کے ابھیاس میں یہ کمال ہے کہ نہ زیادہ محنت کرنی پڑتی ہے۔ نہ بہت سنجم کی ضرورت ہے۔ یہ بالکل آسان اور سہل طریقہ ہے اور من کے یکسو کرنے کی اس سے بہتر تدبیر آج تک کسی کی سمجھ میں نہیں آئی۔ اس میں ایک

ابھیاس کے لئے وقت کی پابندی

سُرت شبد یوگ سہل اپائے

بہت بڑی خوبی یہ ہے۔ کہ تت کال ابھیاس کا رس آنے لگتا ہے۔ یہ من رسیا ہے باہر کے لذّات اور رس کا شیدائی ہے۔ اگر انتر اور باطن میں اس کو رس اور مزہ آنے لگے تو پھر یہ باہر کیوں بھٹکے۔ اور اکثر ابھیاسیوں کو دو ہی چار دن کے ابھیاس میں رس آ جاتا ہے۔ اور پھر اگر وہ چاہیں کہ ابھیاس چھوٹ جائے تو وہ چھوٹ نہیں سکتے۔ کیونکہ انتر کے رس لینے کی من کو عادت پڑ جاتی ہے۔ اور چاہے ہزار کام سر پر ہوں مگر مصروف سے مصروف آدمی بھی ابھیاس کا کوئی نہ کوئی وقت ضرور ہی نکال لیگا۔ دوسری خوبی یہ ہے۔ کہ یہ خود بخود گہرا اور گھنا ہوتا جاتا ہے۔ اور ایک استھان کے رس کو معمولی بنا کر اُس کے مساوات ہو جانے پر آپ ہی آپ اُونچے استھان کے اور گہرے رس کا شائق ہو کر اُوپر چڑھ جاتا ہے۔ اور ابھیاس بڑھتا ہی جاتا ہے۔ گننے میں نہیں آتا۔ جیسے شرابی پہلے ایک پیالہ شراب سے آسودہ ہو جاتا تھا۔ مگر جب اُسکو وہ اچھی طرح ہضم ہونے لگا اور مساوات ہو گیا۔ تو پھر وہ شراب کی مقدار بڑھانے لگتا ہے۔ اور بد مست شرابی ہو جاتا ہے یہاں تک کہ ہر وقت اُسی کا عمل کرنے لگتا ہے۔ یہی حال اس ابھیاس کا بھی ہے۔ اس کی ابتدا چھوٹی اور انتہا بڑی ہے۔ جس کو ابھیاس میں رس آیا۔ اُس کا تو اعتبار ہے اور جس کو رس نہ ملا اُس کا کوئی اعتبار نہیں۔ لیکن سو میں پچانوے حالتوں میں رس آ ہی جاتا ہے۔ صرف پانچ آدمی بہ مشکل نکلتے ہونگے۔ جو اُس سے محروم رہ جاتے ہیں۔ اور یہ اُنھیں کا قصور ہے۔ من کو اس قدر چنچل اور ڈُوچتا بنا لیا گیا ہے۔ کہ وہ مرکز پر ٹھہرنے اور مستقر ہونے سے منکر ہو جاتا ہے۔ پھر رس آئے بھی تو کیسے آئے!

۱۲۔ جولائی ۱۹۱۶ء۔ رس کی تین صورتیں ہیں۔ ایک نام کا وِرد جو اشٹ کی یاد دلاتی ہے۔ دوسرے رُوحانی و نورانی مناظر کا مشاہدہ۔ تیسرے سُریلے اور دلپسند شبدوں کا سامعہ۔ اور قدرت میں بھی یہی تین چیزیں زیادہ تر انسان کے دل کو اپنی طرف رجوع کرتی ہیں۔ سمرن سے دل یکسو ہوتا ہے۔ یہ پہلی بات ہے۔ پھر وہ باطنی نور کی زیارت

نوٹ: رس

کرتا ہے - یہ دوسری بات ہے - اس کے بعد وہ آواز کو سنتا ہے - جو مہا رسیلی - چلبلی اور خوشی کے جذبات کی ابھارنے والی ہے - یہ تیسری بات ہے - سمادھی تو تینوں ہی عملوں سے لگتی ہے - مگر آواز سنتے سنتے جو محویت آجاتی ہے وہ بہت گہری اور بیخود کرانے والی ہوتی ہے - یہاں تک کہ ابھیاس سے اٹھنے پر بھی آنکھوں میں مستی دل میں وجد اور سرور اور تمام جسم میں ایک طرح کی خوشی کی حالت حاوی اور محیط رہتی ہے - ذرا اپنے ہی سادھن پر غور کرو - تب یہ بات سمجھ میں آجائے گی +

۱۳ - جولائی ۱۹۱۷ء - دنیا میں راگ - راگنی - ستار - بین وغیرہ کی آواز کا علم سب کو ہے انسان تو انسان ہے - ان کا اثر حیوان اور نباتات اور معدنیات پر بھی پڑتا ہے - سپیرے کی بین پر سانپ ناچنے لگتا ہے - بہیلیے کی بین کی صدا ہرن کو بیخود کر دیتی ہے - یہ باہری راگوں کا حال ہے - جب ان کی یہ کیفیت ہے - تو خیال کرنا چاہیئے - کہ انتر کے لطیف شبد کیسے سریلے - دلفریب - اور سرور بخش ہونگے - ان کا ان کے ساتھ مقابلہ ہی کیا ہے! جو جانتے ہیں وہ جانتے ہیں - جو نہیں جانتے ان کو کیا کہا جائے +

۱۵ - جولائی ۱۹۱۷ء - باہر جو کچھ ہے وہ انتر کی نقل ہے - انتر میں شبد تھا - باہر اس کی شکل کا باجا بنا لیا - انسان کا جسم خود ستار کی شکل کا ہے - سر کدو کی صورت ہے - نسیں اور ناڑی تار ہیں - مقامات اور نس ناڑی کے چکر پردے ہیں - اور جس جس کے تان دینے سے تمام جسم ایک حالت پر آجاتا ہے - وہ کھونٹیاں ہیں - جہاں تار چھیڑا گیا - خوش شبد آواز برآمد ہونے لگی - اسی طرح جہاں سُرت کو تان کر اور من کو اینٹھ کر کسی جز کو - چکر یا پردے کو چھیڑ دیا - اس جسم کی اندرونی آواز گوش زد ہونے لگی - مستی آگئی - بیخودی چھا گئی - اور تاڑی لگ گئی - جن کو اندر کے آواز کا علم نہیں ہے وہ کم از کم ان تشابہی باتوں سے کچھ تو اندازہ لگا سکتے ہیں +

۱۶ - جولائی ۱۹۱۷ء - ستار کی کے امتحان پر جو صدا نکلتی ہے وہ اوم - اوم اونگ

اونگ "ہُو" "ہُو" ہے - یہ مردنگ کی آواز سے مشابہ ہے۔ پربرہم ریندر کے مقام پر
جب ابھیاسی پہنچتا ہے - اور سُرت تنی رہتی ہے - تو وہ اس ذاتی نام کی دُھن کو سُننے
لگتا ہے - جو میگھ ناد یعنی بادل کی گونج سے مشابہ ہے - وہاں چونکہ تینوں گُن اور پانچ تت
مقید ہیں - اور برہم کے آدھین ہیں بالکل مردنگ یا طبلے کی تھاپ کی طرح آواز نکلتی ہے۔
۱۲ - جولائی سنہ ۱۹۱۷ء - اسی طرح اور مقامات کے آوازوں کا حال ہے - کوئی
کھول کھول کر کیا کہے! ابھیاسی جن اِن کو سُنتے اور اِن کا رس لیتے ہوئے اننت آنند
بھوگتے ہیں - اسی کی نقل - صوفیوں کی مجلس کا سماع اور ہندوؤں کی پوجا کا ساز ہے
مگر دُنیا اصل پرست نہیں ہے - وہ نقل پرست ہے - اصلیت کو چھوڑ کر وہ نقل پر
جان دیتی ہے - اور زندہ کو بھُلا کر مُردوں کو پوجتی ہے - ہم کہنے کو تو تم کو ہر مقام کی
آواز کا پتہ دے سکتے ہیں - مگر یہ موج نہیں ہے - تم ابھیاس کرو - خود اُن کو سُنو -
اور رادھا سوامی مت کی کتابوں سے اور ست سنگ سے براہِ راست اُن کا علم
حاصل کرو۔

۱۳ - جولائی سنہ ۱۹۱۷ء - اِن آوازوں کی بابت ہم کیا کہیں - اپنی کہتے ہیں تو کوئی
مانتا نہیں - اس لئے ایک باخبر بزرگ صوفی کا کلام سُناتے ہیں - جس نے اپنے
اندر اُن کو سُنا - اور وجد اور بیخودی کی حالت میں اُن کے وصف کا نغمہ گا کر
یوں کہتا ہے:-

(۱) - چرخ را در زیر پا آر اے شجاع	بشنو از فوقِ فلک بانگِ سماع
(۲) - گوش را نزدیک کُن کاں دور نیست	[illegible] بتو دستور نیست
(۳) - گر بگویم شمۂ زاں نغمہ	مردہا سر بر زنند از دخمہ
(۴) - ہر دلے کہ تُما بالا کشید	آں ندا میداں کہ از بالا رسید

ترجمہ شعر (۱) - آسمان کو اے شجاع اپنے پاؤں کے نیچے لا کر اور آسمان پر چڑھ کر ...

بانوں کی آواز کو سُن - (۲) - کان کو نزدیک کر وہ دُور نہیں ہے - لیکن تجھ سے فاش فاش کہنے کا دستور نہیں ہے - (۳) - اگر ذرا بھی اِن تینوں کی آواز سُنائی دے جائے تو قبروں کو پھاڑ کر مُردے باہر نکل آئیں - (۴) - جو آواز کہ تجھ کو اُوپر کی طرف کھینچتی ہے یہ سمجھ لے کر وہ اُوپر سے آتی ہے" *

۱۲ جولائی سنہ ۱۹۱۷ء - ہم کیا کہیں - کوئی سُننے والا ہو تو زبان کو کھولیں - اَن ادھکاری ہم کو تو جھوٹا اور لفنگا کہیں گے - کیونکہ یہ بیچارے اِن باتوں سے ناآشنا ہیں - وشنو کے ہاتھ میں شنکھ ہے - جو مندروں میں بجایا جاتا ہے - اور مسلمانوں کی اذان کی بانگ سے مشابہ ہے - شیو کے ہاتھ میں ڈمرو ہے - جو ایک مخصوص مقام کی جگہ ہے - برہما اور سرسوتی کو ستار پسند ہے - یہ کیوں ایسا ہے ? کیونکہ اِن صورتوں میں اندرونی حالتوں کا نقلی نظارہ دکھایا گیا ہے - یہ یوں ہی تو نہیں ہے ? آخر اِن کا کچھ مطلب بھی تو ہوگا ! مگر ہماری سُنتا کون ہے - ہم کو تو دُنیا نے جھوٹا کھانے والا مشہور کر رکھا ہے - حالانکہ ہم صرف اپنی جدت اور انبھو کی باتیں سناتے رہتے ہیں - جوٹھا کھانے والے تو وہ لوگ ہیں جو اَوروں کے دماغ کے فضلہ کو چاٹتے اور کتابوں کی جھوٹی پتلوں پر مُنہ مارتے رہتے ہیں - ہم تو اَوروں کی بات کا مجبوراً اُس وقت اعادہ کرتے ہیں کہ ہماری اپنی نہ سُنی جائے گی - اَوروں کی سند اُن کو متوجہ کر لیگی - پرم سنت کبیر صاحب اپنے ایک رسیلے شبد میں رُوح کی چڑھائی کا خاکہ اس طرح کھینچتے ہیں *

(۱) - چووت امی رس بھرت تال - جہاں شبد اُٹھے اسمانی ہو

(۲) - بیرتا اُمنڈ بندھ کو سُوکھے - نہیں کچھو جات بکھانی ہو

(۳) - کوٹی جھلملی جہاں وہاں جھلکے - بن جل برست پانی ہو

(۴) - باجے بجیں ستار بانسری - ررنکار مردُ بانی ہو

(۵) - برہما وشنو - مہیش سارد ا - نچ نچ مت اُنمانی ہو

(۶)۔ دس اوتار ایک تت راجے استتی سہج سوہائی ہو
(۷)۔ کہیں کبیر بھید کی باتیں۔ برلا کوئی پہچانی ہو
(۸)۔ کر پہچان پھیر نہیں آوے۔ جم ظلمی کی کھانی ہو

۱۲ جولائی سنہ ۱۹۱۷ء۔ وشنو کا شنکھ ایک خاص مقام کی آواز ہے۔ اسی طرح سرسوتی کے ستار اور شیو کے ڈمرو کا حال ہے۔ اور علیٰ ہذا القیاس۔ ہم نے اپنی کتابوں میں مجموعی طور پر تمام مقامات کے شبدوں کا حال لکھ دیا ہے۔ جو چاہے اُن کو پڑھ کر واقفیت پیدا کرلے۔ مگر بغیر ابھیاس اور بغیر گورو کے کبھی اس کا شوق نہ کرے ورنہ دھوکا کھائیگا۔

شبد

گورو بن پنتھ میں پگ نہیں دھرنا۔ مارگ کٹھن مہانا ہو ٹیک
(۱)۔ رستے میں ہے کال کا ڈیرا۔ بھرم کے جال پھنسانا ہو
(۲)۔ جو کوئی گورو کا سنگ نہ کینھا کال کرم اُرجھانا ہو
(۳) گورو کے ست سنگ پوچھ نرنتر۔ گھٹ کا راہ دکھانا ہو
(۴)۔ بن گورو ہاتھ نہ لاگے کچھ بھی۔ پاوے نہ ٹھور ٹھکانا ہو
(۵)۔ گورو بن گیان کبھے نس باسر۔ سو تر موڑھ اگیانا ہو
(۶)۔ گورو کی دیا سادھ کی سنگت۔ اُپجے نرمل گیانا ہو
(۷)۔ سادھا سوامی چرن شرن بلہاری۔ میں گورو چرن دیوانا ہو

۱۳ جولائی سنہ ۱۹۱۷ء۔ کتابی علم سے کبھی کام نہیں نکلتا۔ اگر کتابوں ہی سے سب کچھ ہو رہتا۔ تو سکھانے اور بتانے والوں کی ضرورت کب ہوتی بلکہ کتاب صرف مددگار ہیں۔ ملکوں کے نقشوں اور جغرافیوں سے اُن کا اصلی رُوپ میں پتہ نہیں ملتا۔ اس لئے دکھانے والے کی اہمیت ہے۔ اس شریر میں ایڑی سے لیکر چوٹی تک شبد گونج رہے ہیں۔ کوئی جگہ ان سے خالی نہیں ہے۔ تم جانتے ہی ہو۔ کہ جہاں حرکت ہوگی وہاں

آواز کا رہنا ضروری ہے۔ تم سُنو خواہ نہ سُنو۔ یہ دوسری بات ہے۔ مگر اُس کی ہستی سے اِنکار کیسے کیا جا سکتا ہے۔ ہر رگ اور ہر ریشہ ریشہ میں آواز ہے۔ مگر راہ میں سچے منزلِ مقصود کی طرف لیجانے کی تصرف مخصوص آوازیں ہوتی ہیں۔ اِسی شریر میں کال اور مایا کے شبد بھی تو ہیں! وہ راہ سے گمراہ کرنے والی ہیں۔ جس نے اُن کو سُنا بیچ ہی میں مارا گیا۔ نہ اِدھر کا، ہُوا نہ اُدھر کا۔ اور آخر میں پچھتانا پڑا۔ تم ممکن ہے۔ کہو کہ یہ یُوں ہی کہہ رہے ہو! سُنو۔ ہم پھر اُسی صُوفئے صافی دل کی صدا سُناتے ہیں:۔

(۱) بانگِ غولاں ہست بانگِ آشنا آشنائے کو کشد سُوئے فنا

(۲) بانگ می آید کہ اں ملبے کارواں سُوئے من آئید یک نام ونشاں

(۳) چوں رسد آنجا ببیند گرگ وشیر عمرِ ضایع راہ دُور روز دیر

(۴) چوں شود آں بانگِ غول آخر بگو جاہ خواہم مال خواہم آبرو

(۵) از درونِ خویش ایں آوازہا منع کُن تا کشف گردد رازہا

ترجمہ۔ (۱) شیطانوں کی آواز۔ آوازِ آشنا بنجاتی ہے۔ اور وہ ایسی آشنا ہے جو فنا کی طرف لیجاتی ہے۔ (۲) شیطان آواز دیتا ہے۔ کہ اے سالک پنتھائی! تو میری طرف یک دل یک نام اور یک نشان ہو کر چلا آ (۳) اور جب کارواں (پنتھائی) اُدھر کو چلتا ہے تو شیر اور درندے اُس کو نظر پڑتے ہیں۔ (وہ پریشان ہو جاتا ہے۔ ہائے) عمر ضایع ہو گئی راہ سے دُور پڑ گئے۔ اور شام کا وقت آگیا۔ اب راہ میں مارے جانے کا ڈر ہے)۔ (۴)۔ آخر یہ شیطان کی آواز کیا ہے؟ مال۔ مرتبہ اور آبرو کی خواہش دلانے والی آواز شیطان کی صدا ہے۔ (۵)۔ اپنے دل سے اِن کو دُور کر دے تاکہ رازِ حقیقت کا کچھ پر انکشاف ہو۔

۱۴۔ جولائی ۱۹۱۷ء۔ اِدھر اِنگلا ہے اُدھر پنگلا ہے۔ بیچ میں سُوشمنا ناڑی ہے جس میں سے ہو کر گذرنا پڑتا ہے۔ داہنے طرف کال اور بائیں طرف مایا ہے۔ جس نے اِنکے آواز کو سُنا وہ مارا گیا۔ فقرا اور سنت مت کی راہ صرف بیچ سے گئی ہے۔ اِس کا علم کیسی

مُرشدِ کامل سے حاصل کرو۔ تب اہلِ طریقت کے زُمرہ میں شامل ہو کر کام بنے گا۔ اور اگر خودی اور غرور سے کتابوں کو پڑھ کر ابھیاس کرتے ہو تو یہ حال ہو گا "دونوں دین سے گئے پانڈے۔ حلوا ملا نہ ماتڈے" ۔

۱۴۔ جولائی ۱۹۱۷ء۔ لوگوں کی عمریں یوں ہی صرف ہو جاتی ہیں۔ اور کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ وقت ضایع کر دیا جاتا ہے۔ دس بیس برس ابھیاس کرتے ہو گئے۔ ملا کیا؟ ڈھاک کے تین پات۔ ہم کہتے ہیں۔ سُرت شبد یوگ کا سادھن سہل ہے۔ اور جب وہ سہل ہے تو کیوں نہیں اُس کا اثر ہو گا؟ مگر کسی باخبر سے نہ مدد لی گئی۔ اور نہ ست سنگ کیا گیا۔ آخر کام بنے بھی تو کیسے بنے؟ بازل کے اوٹ پہاڑ ہے۔ بات کا بتنگڑ بنانا اور بات ہے۔ اور حقیقت کو صرف چند لفظوں میں سمجھا دینا دوسری بات ہے۔ میں بطور خود لفظوں میں نہیں اٹکاتا نہ کسی کا وقت خراب کراتا ہوں۔ سچی سیدھی باتیں کہہ دیتا ہوں۔ جس کا جی چاہے مانے۔ جس کا جی نہ چاہے وہ نہ مانے۔ مانتے تو دیو نہیں تو پتھر۔

۱۴۔ جولائی ۱۹۱۷ء۔ سنتوں نے اس شبد کی مہما اتنی کیوں گائی ہے؟ کیوں اور مذاہب کی طرح تیرتھ ورت۔ نیم دھرم۔ حساب کتاب اور پوجا پاٹ میں نہیں اُلجھایا؟ آخر اس کا کوئی سبب بھی ہے۔ کہ یوں ہی اناپ شناپ بکواس کی گئی ہے۔ سُنو شبد ہی چیتن کا اصلی ظہور اور حقیقت کا سچا نظارہ ہے۔ اسی نے تمام دُنیا کو پیدا کیا۔ اور جو کچھ ہوتا ہے شبد ہی کے ذریعہ ہوتا ہے۔ تم شبد سروپ ہو سُنتے ہو۔ میں شبد سروپ ہوں سُنتا ہوں سُناتا بھی ہوں۔ اور سُناتا بھی کیوں ہوں؟ صرف شبد ہی کو تو سُناتا ہوں۔ یہاں تثلیث ہے۔ ہم تم اور شبد۔ اب اگر وحدت کی نظر سے دیکھو تو کیا ہے؟ تینوں ہی شبد ہیں یہ وحدت ہے۔ وحدت میں تثلیث اور تثلیث میں وحدت کا تماشہ ہے۔ تم شبد سروپ کیسے ہوئے؟ اپنے ماں باپ سے پوچھو۔ پیدا ہوتے ہی وقت تم شبد کرتے آئے۔ اور تمہارے تمام جسم میں شبد ہی کی گنجار ہو رہی ہے۔ اگر بچہ پیدا ہوتے وقت نہ روتا تو مُردہ

سمجھایا تھا۔ شبد زندگی ہے۔ اور زندگی کا نشان ہے۔ بغیر شبد کے موت ہے تمہاری ہڈی پسلی گوشت پوست سب ہی تو شبد کی سُوکشم اور ستھول رُوپ ہیں۔ پہلے شبد آیا۔ شبد پھیلاؤ کرتا ہوا بھاپ کی صورت میں چکر کھاتا رہا۔ پھر ذرا ٹھنڈک پاکر وہ پانی بنا۔ اور پھر زیادہ سردی پاکر برف اور یخ کی صورت میں جم گیا۔ پہلے وہ لطیف تھا اب کثیف بنا۔ اور اپنے آپ میں آپ ہی سمایا ہوا ہے۔ بھاپ پانی۔ اور برف تینوں ہی شبد ہیں۔ اسی طرح شبد نے پہلے کارن۔ پھر سُوکشم۔ اور پھر ستھول شریر دھارن کیا +

۱۷۔ جولائی سنہ ۱۹۱۱ء ۔ ابھی تک تم نے شبد کو نہیں سمجھا۔ مگر ہم نے سمجھانے کا ٹھیکہ لے رکھا ہے۔ اور سیکھنے والوں کو سمجھا کر تب ہی چھوڑیں گے۔ شاستر خود کیا کہتے ہیں! "شبد آکاش کا گُن۔ آکاش کا جوہر۔ آکاش کا تتو ہے"۔ کیا اس سے یہ تمہارے سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ جس تتو سے آکاس بنا ہے وہ شبد ہی ہے۔ اور پھر یہی آکاس خود وایو۔ اگن۔ جل۔ پرتھوی ہوا۔ یہ تو تم نے ذہن نشین کر ہی لیا ہوگا۔ کیونکہ بغیر شاستروں کے پرمان کے نادان آدمی ایک قدم بھی آگے نہیں دھرنا چاہتے۔ بہت اچھا میری اننجو کیتی ہے تم سمجھتے چلو۔ تم کہو گے "یہ صحیح شبد آکاش کا گُن ہے۔ مگر آتما بھی تو کوئی چیز ہے! اور شاستر پُرش پرکرتی کے میل سے جگت کی رچنا کا گیت گاتے ہیں"۔ بہت اچھا یہی بات صحیح! پُرش اور پرکرتی کا میل کیا بتاتا ہے۔ جب دو چیزوں کا میل ہوگا۔ ہونے کو ہوگا تب حرکت پیدا ہوگی۔ اور حرکت میں شبد ہے۔ یہاں تک تو تمہاری سمجھ میں آگیا۔ اب سُنو۔ پرکرتی خود کیا ہے! ایپ ست کی شکتی اور مایا ہے۔ جیسا ہم نے پہلے تم کو سمجھا دیا ہے اور چونکہ اس شکتی سے پہلا تتو آکاس پیدا ہوتا ہے۔ اور شبد آکاس کا گُن اور بیان ہے تو کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھ سکتے ہو کہ یہ پرکرتی خود شبد شریر ہے۔ جو تتوں کو پیدا کرتی اور اپنے اندر رکھتی ہے۔ وہ شبد ہی تو ہوئی۔ یہ بھی مرحلہ طے ہوا۔ اب رہ گیا پُرش تتو۔ اس کا بھی حال

سُنو۔ جس ست سے ستّا نکلتی ہے وہ اُسی کا رُوپ ہوتی ہے۔ آگ کی گرمی آگ سے مختلف نہیں ہوتی۔ اِس لئے یہ ست بھی مہا سوکشم یا کارن خواہ مہا کارن رُوپ ایں شبد ہی ٹھہرا۔ لو۔ اب اس مرحلہ کو بھی طے کر لیا۔ اس موقع پر ایک نرالا شبد بھی سُن لو:۔

شبد

دیکھ آپوں میں تو سائیں کی سیجریا

سائیں کی سیجریا۔ ستگور کی ڈگریا

(۱) شبد ہی تالا شبد ہی کُنجی۔ شبد کی لگی زنجریا

(۲) شبد اوڑھنا شبد بچھونا۔ شبد کی چٹک چُنریا

(۳) شبد رُوپ سوامی آپ براجے۔ سیس چرن پر دھریا

(۴) رُولم داس کے سائیں جگ جیون۔ اگتی سے ادھک اُجریا

۱۲۔ جولائی ۱۹۱۶ء شملہ۔ یہ شبد ہے۔ وہ شبد ہے۔ اور ہم تُم سب شبد ہی شبد ہیں۔ آتما شبد۔ پرماتما شبد۔ ایشور شبد۔ برہم شبد۔ اور یہ جگت اور جگت کا تمام پرپنچ شبد رُوپ ہے۔ یہ اصلی توحید۔ اصلی وحدانیت۔ اور اصلی ادویت واد ہے۔ شبد واد ہی کو سچّا ادویت واد کہا جاتا ہے۔ اور جگہ تُم کیا ڈھونڈتے ہو۔ آؤ۔ تُم جس طرح جس پہلو سے سمجھنا چاہو۔ مَیں تم کو خوب ذہن نشین کرا دوں گا۔ کہ پھر تم دوسروں کی کہنی سے شک و شُبہ میں نہ پڑ سکو گے۔ دلیل لاؤ۔ حجت کرو۔ کوئی مضائقہ نہیں۔ مگر درشٹی سار گرہن کرنے والی ہو تب مزہ آئے۔ مَیں واچک گیانیوں سے کبھی نہیں گھبراتا۔ حضور کے چرنوں میں تین دفعہ زانوئے ادب موڑنے سے مَیں اصلیت کو ذہن نشین کر چکا ہوں اور چاہے جس خیال جس طریق اور جس مذہب کا آدمی آئے۔ مَیں اُس کے سدّھانت کا کھنڈن کئے بغیر سار تتو سمجھا دوں گا۔ مگر شرط یہ ہے کہ وہ سار کو گرہن کرتا چلے لفظوں کے وِتنڈاباد میں ٹانگ نہ اُڑائے +

سب شبد روپ ہیں

گر ز بہر معنوی آگہ شوی
لفظ بگذاری سوئے معنی روی

۱۱۹ - ۱۲ جولائی سنہ ۱۹۱۷ء - شبد ہی سار ہے - یہی ست ہے اسی کی شتا سے پہلا تتو اہنکار پھر بُدھی اور پھر من پیدا ہوا - اور بتدریج پنچ تن ماترا - پنچ مہا بھوت - پنچ پران - اور دس اندریاں پرگٹ ہوئیں - اور رچنا کے کھیل کا تماشا ہونے لگا - جیو جنتو - اینٹ پتھر - کنکر - روڑے - انڈج - پنڈج - اُدبھج - استھاور سب ہی شبد سروپ ہیں - اور یہ سب شبد کی شتا سے پیدا ہو ہو کر شبد کے آدھار پر رہتے ہیں یقین ہے کہ اب تم نے سنتوں کے اس شبد سدّھانت کو ذہن نشین کر لیا ہوگا +

۱۲۰ - ۱۲ جولائی سنہ ۱۹۱۷ء - کتاب کیا ہے؟ شبد کا استھول روپ ہے - قانون کیا ہے؟ شبد کا استھول روپ ہے - مگر اس شبد کے بیچ رچنا میں اختلافات کے طبقات ہیں یعنی کُل تو شبد ہی ہے - مگر شبد شبد میں بھید ہے - بادشاہ کا شبد مہابلوان ہے وزیر کا اس سے کم - اور اہلکاروں کا اس سے بھی کم - یہاں تک کہ وہی شبد نیچے اُترتے اُترتے - صوبہ کے حاکم - ضلع کے حاکم - تحصیل و پرگنہ کے حاکم - اور گاؤں کے چوکیدار کی حالت میں بالترتیب کمزور ہوتا آیا ہے - سوچو تب یہ باریک و لطیف مضمون تمہاری سمجھ میں آئیگا +

۱۲۱ - ۱۲ جولائی سنہ ۱۹۱۷ء -

شبد اگم ہے شبد ہی گم - شبد بیش ہے شبد ہی کم
سب شبد کا سکل پسارا - شبد شبد کا ہے بھنڈارا
شبد ہی میٹھا شبد ہی کھارا - شبد محل اور شبد دوارا
شبد گیان اور دھیان سمجھاوے - شبد ہی سو چل لائے پہنچاوے
شبد وید اور شبد پُران - شبد انجیل اور شبد قرآن

شبد گورو ہے شبد ہی چیلا ۔ شبد ملاپ اور شبد امیلا
نارد سارد شبد سروپ ۔ برہما بھئے شبد کے بھوپ
شبد ہی راجا شبد وزیر ۔ شبد مرید مرشد ہے پیر
شبد ابھید بھید ہے شبد ۔ شبد اننت کھید ہے شبد
دویت شبد میں جگ اُرجھانا ۔ شبد ادویت تاہی سُرجھانا
رادھا سوامی چرن شرن بلہاری ۔ شبد یوگ سے لاگی تاری

۱۲-جولائی ۱۹۱۷ء - ہم استھول شبد کے لپیٹ میں آکر بھرم میں پھنس گئے۔ اور ہم شبد کی مدد سے اس سے چھوٹتے ہیں۔ مسافر جنگل میں بھٹکا بھٹکا مارا مارا پھر رہا ہے۔ اندھیرا ہر چہار طرف چھایا ہوا ہے۔ گھٹا ٹوپ اندھیرا ہے۔ نہ راہ نظر پڑتی ہے نہ کچھ دکھائی دیتا ہے۔ افسوس! کسی جھونپڑے کا ٹمٹماتا ہوا چراغ بھی تو نہیں دکھائی دیتا۔ جس کے سہارے وہ آگے کی طرف قدم بڑھائے۔ اور وہاں جا کر رات بسر کرے۔ کیسی دردناک اور حسرت انگیز حالت ہے۔ مگر سنو۔ ایک کتے کے بھونکنے کی آواز سنائی دی۔ اس کے دل میں ڈھارس آئی۔ خوش ہو گیا۔ آواز کی رخ پر چل نکلا۔ وہاں پہنچا اور شب باش ہو گیا۔ ترلوک چند! میں تم کو مثالوں کی مدد سے تصوف اور اہلِ سلوک کا راز بتا رہا ہوں۔ اندر میں ایسے مقامات آتے ہیں جہاں تاریکی گھٹا ٹوپ چھائی رہتی ہے وہاں روشنی بھی معدوم ہوتی ہے۔ اس جگہ کو ظلمات کہتے ہیں۔ یہاں صرف گورو کا شبد سالک کو مدد دیکر چلاتا ہے۔ جس طرح اس باہری دنیا میں شبد مددگار ہوتا ہے ویسے ہی اندرونی دنیا میں وہ اپنا سہارا دے کر راہ میں لگاتا ہے۔ اسی وجہ سے اس شغل آواز کو فقرا سلطان الاذکار یعنی تمام روحانی مشاغل کا بادشاہ بتاتے ہیں۔ افسوس! تم کو ست سنگ نہیں ملا۔ ورنہ یہ بھید اور بھی خوب ذہن نشین ہو جاتا +

شبد بادی کا کام دیتا ہے

۱۲ جولائی ۱۹۱۷ء۔ سادھو! شبد کا کہو سہارا

(۱) شبد کا بھید تم گورو سے لینا گورو کا شبد اپارا۔ سادھو!
(۲) شبد ہی میٹھا کڑوا کھارا۔ شبد کا کرو نروارا۔ سادھو!
(۳) ایک شبد ہر پیچ پھنساوے۔ ایک شبد چھٹکارا۔ سادھو!
(۴) شبد ہے اتم شبد ہے مدھیم۔ شبد ہے اپرمپارا۔ سادھو!
(۵) شبد سُنا بھو کوپ گرے ہم۔ شبد کیے بھوپارا۔ سادھو!
(۶) شبد تیاگ ویراگ شبد ہے۔ شبد ہے بھگتی پسارا۔ سادھو!
(۷) رادھا سوامی چرن شرن بلہاری۔ شبد بھید بلا سارا۔ سادھو!

۱۳ جولائی ۱۹۱۷ء۔ شبد کی چوٹ بڑی ہوتی ہے۔ بعض طعن اور لعنت ملامت کو سُن کر آدمی خودکشی کر بیٹھتا ہے۔ اور ہمدردی کے شبد سُن کر باہمت اور حوصلہ مند بن جاتا ہے۔ تم جس کو چاہو جلا دو جس کو چاہو رو بیٹھا امرت کی کھانی ہے۔ اسی کے اندر خوشی اور حیرانی ہے۔ یہ روتے ہوئے کو ہنسا دیتا ہے۔ اور ہنستے ہوئے کو رُلا دیتا ہے۔ شبد کو سُن کر آدمی تخت و تاج اور راج پاٹ سے کنارہ کش ہو جاتا ہے۔ اور شبد ہی سے وہ سنساری اور دُنیادار بن جاتا ہے۔ شبد ہی نے دتاترے کو سارا جگت گورو رُوپ دکھایا۔ اور شبد ہی جنک کو گرہستی میں ورکت بنایا۔ شبد سے وشوامتر نے وششٹ سے جھگڑا مول لیا۔ اور ان کی اولاد کو قتل کر کے ہمیشہ برسرِ عناد رہے۔ اور وہ وششٹ ہی کا شبد تھا جس کو سُن کر وہ اُن کے پاؤں پر گرے۔ اور برہم رشی کی پدوی پائی۔ شبد کو پرکھو۔ اور تم میں پارکھی پن آئیگا۔ اور پارکھی ہو جاؤ گے۔ زندگی کا رُخ پلٹ جائیگا۔ اور دیکھتے دیکھتے کچھ کے کچھ ہو جاؤ گے +

۱۴ جولائی ۱۹۱۷ء۔

شبد کی مہما کیا کوئی جانے۔ سمجھ پڑے جب گورو پہچانے

(حاشیہ:) ویراگ		بلیدان شبد		پچپن

شبد اتھاہ تھاہ ہے شبد ۔ شبد گرو راہ ہے شبد
باہر کے سب شبد بھلاؤ ۔ انتر دھن سن سن لو لاؤ
دیکھو گھٹ کا عمل تماسا ۔ پاؤ انتر اگم بلاسا
شبد کا سادھن شبد کا دھیان شبد کا سمرن شبد کا گیان
سرت شبد کی کرو کمائی ۔ تب چھوٹے جگ اگما پائی
اور کرم سب دور بہاؤ ۔ شبد یوگ سے لگن لگاؤ
پہلے سہس کنول میں باسا ۔ پھر ترکٹی کی دھارو آسا
وید شرتی کا یہہ استھان ۔ چڑھ پاوے کوئی یوگی گیان
ترکٹی تیاگ سن میں آؤ ۔ مہا سن گھاٹی چڑھ جاؤ
مان سرودر کرو اسنان ۔ تج وکار رہو ہنس سمان
تب ترلوک کا جھلکے چند ۔ دیکھ دیکھ من ہو ۔ آنند
بھنور گپھا کی کھڑکی نرکھو ۔ جھلمل جوت دیکھ من ہرکھو
پھر ست پد کا کرو پیانا ۔ اگم الکھ کے پار ٹھکانا
رادھا سوامی چرن شرن بلہاری ۔ ہوگئی منزل پوری ساری

۱۲ جولائی سنہ ۱۹۱۷ء ۔

(۱) تم ترلوک کے چند ہو ۔ گھٹ بھانو اجارا
کیوں بھرمے جگ جال میں ۔ یہہ بھرم پسارا
(۲) سنگھی ساتھی کوئی نہیں ۔ سب سوارتھ کے ہت
اپنے اپنے لابھ کو ۔ رہیں تمھرے ات ات
(۳) دھن سمپت اور کامنی کوئی کام نہ آویں
یہہ تو مایا جال ہیں ۔ جیو نرت پھنساویں

بسم

گورو بھگتی درڑھ کیجئے - چرنوں کی آسا
(۴) تین تاپ دُکھ میٹ کر - میٹھو جم نراسا
شبد جہاز سوگم اتی - چرھ بیٹھو بھائی
(۵) کرپا کی ہے حضور نے - یہہ ناو لگائی
کھیوٹیا گورو پُور ہے - وہ دین دیالا
(۶) سمرتھ آپ وچار کر - کاٹے جنجالا
گورو انتر باہر بسے - نہیں دیکھے کوئی
(۷) گورو سم ہتکاری کہاں جگ میں کوئی ہوئی
وہ اناتھ کے ناتھ ہیں سب کے رکھوارے
(۸) جیو نبل کو ہاتھ دے - لیا آپ اُبارے
رادھا سوامی نام کی - رٹنت رٹن لگاؤ
(۹) سکل باسنا تیاگ کر - ست سنگ میں آؤ

۱۲۴

۱۲ - جولائی ۱۹۱۶ء - جو تارو ہی کلا ست پُرش کے چرنوں کے نیچے تھی۔ اُس میں تین قسم کے اوصاف تھے - اوّل صفت تو یہ تھی کہ وہ اپنے آدھار کی طرف رجوع رہتی تھی - اور ساتھ ہی اُس کا رُخ نیچے کی طرف بھی تھا - وہ دو دھار تھی - اوپر کی دھار سے تو وہ اپنے آدھار کو چھوڑنا نہیں چاہتی - اور نیچے والی دھار سے وہ نیچے کو بھی رواں ہوتی تھی - یہہ اُس میں دو خاصے تھے - اور تیسرا وصف یہہ تھا - کہ وہ اُوپر کی طرف سے تو اپنے آدھار کو پکڑ رکھنا اور نیچے کی طرف سے اپنے دھار کو اکڑ رکھنا چاہتی تھی - اس لئے بیچ میں ایک کمزوری جیوت منڈل کا بن گئی - اور کھشوبھ رکھشا کا وہاں ہی مرکز اور استھان بن گیا - یہ تین صفت

[illegible]

قدرت کے کاروبار میں تم کو ہر جگہ نظر آئیں گے۔ اور اصل میں یہی تین گن کی ابتدا ہے۔ وہاں یعنی بھنور گپھا میں تو ان کا روپ بہت لطیف صورت میں تھا کسی بڑے کی سمجھ میں آ سکتا تھا۔ نیچے اترنے پر اس کے روپ کی وضاحت ہوئی۔ اَدھا کی طرف رُخ رکھنے والی ورتی ست ہے۔ نیچے کی طرف دھار روپ میں گرنیوالی خواہ گری ہوئی دھار تم ہے۔ اور اَدھار اور دھار دونوں کے ملاپ کا نام رج ہے اور یہی خواص نیچے کی رچنا میں راگ۔ دویش اور راگ دویش کی ملونی کی حالت کہلاتے ہیں اور جہاں جہاں تم دیکھو گے یہ صفات ثلاثہ تم کو ہر جگہ قوت جاذبہ اور خارجیہ و بیجاذبہ جاذبہ تینوں کے روپ میں نظر آئیں گی۔ مختلف علوم میں ان کی اصطلاحات مختلف ہیں۔ مگر اصل وجوہر یہی ہے ٭

۱۲۸ ۔ جولائی ۱۹۱۷ء ۔ اِن گنوں والی ستّا کے تین روپ ہیں اور تین رنگ ہیں۔ اور یہاں ہی رنگ روپ کی ابتدا ہوئی ہے۔ اوپر اِن کا نام و نشان نہیں ہے جو ستّا کی دھار ست کی طرح کھنچی ہوئی رہتی ہے۔ وہ سفید رنگ والی ہے جس کا رُخ نیچے کی جانب ہے۔ وہ سیاہ رنگ کی ہے۔ اور جو بیچ میں ہے وہ سیاہی اور سفیدی کی ملونی کی وجہ سے سُرخی مائل ہے۔ اور انھیں رنگوں کی وجہ سے وہ تین کلا والی کہلاتی ہے ٭

رنگ روپ

مثال کے طور پر دیکھو۔ شمع جل رہی ہے۔ جہاں سے نور برآمد ہوتا ہے وہ سفید ہے۔ اور جو دھار باہر نکلتی ہے۔ وہ دھوئیں کی صورت میں سیاہ ہے۔ اور بیچ کے سفیدی اور سیاہی کے امتزاج سے جو منڈل بنا ہے وہ کچھ سُرخی مائل زرد ہے۔ کیونکہ آمیزش کے جد و جہد میں سُرخی کا ہونا لازمی اور قدرتی اصول ہے۔ تم اپنے جسم ہی کو نہ دیکھو۔ جو میل برآمد ہوتا رہتا ہے۔ خواہ وہ سفید رُو قوم ہی کا کیوں نہ ہو۔ ہمیشہ سیاہ رہتا ہے۔ و علیٰ ہذا القیاس ٭

۱۲۱

۱۲ - جولائی سنہ ۱۹۱۷ء - ستا میں خود رچنا کی طاقت نہیں ہے - مصالحہ تو اس میں
ضرور ہے مگر کچھ کر نہیں سکتی - اسی ستا میں کال رہتا ہے - جو لمحہ لمحہ تبدیلی کا شایق ہے -
اور وہ ستا سے مختلف نہیں دکھائی دیتا - رچنا کال اور ستا کے منڈل میں ہوتا ہے -
اور یہ اپنے کو اسمرتھ اور ناقابل پاکر اپنے آدھار اور ادھشٹان ست پد سے مدد لیتے رہتے
ہیں - اور اس کی مدد سے ترتیب پیدا ہوتی ہیں تب رچنا کا سلسلہ جاری ہوتا ہے۔

۱۲۲

۱۳ - جولائی سنہ ۱۹۱۷ء - اس کال اور ستا کے منڈل میں جو منڈلا کار بلونی کی حالت
پیدا ہوئی - اس سے جو شبد برآمد ہوا وہ سوہنگ تھا - یعنی میں وہ - وہ سوہنگ
کہلایا - یہ اہنکار کا تتو ہے - اور سرشٹی میں اس کو پہلا تتو کہتے ہیں - مگر یہ اس قدر
لطیف ہے کہ ابتدا میں بغیر ست سنگ کئے ہوئے اس کی جیوں کی تیوں سمجھ نہیں
آتی - اسی اہنکار کے پیٹ میں بدھی - چت - اور من رہتے ہیں - یہ بانسری کی آواز
میں "سوہنگ سوہنگ" بولا - اور تپنے لگا - اور تپا بھی اپنے ہی اندر اندر - اس لئے
ویدک رشیوں نے اس کو تپ لوک کا نام دیا - اور جب تپتے ہوئے اس میں یکسوئی
اور یکدلی اور یک رخی آئی - وہ حالت اگنی کہلائی - تپنا اور کچھ نہیں ہے - اپنے کو
یک رخ کرنا ہے - اور جب ورتیاں ایکاگر ہو جاتی ہیں - تو پھر ایک قسم کی محویت کی حالت
طاری ہوتی ہے - اور اسی کے اندر چار صورتیں - اہنکار - بدھی - من - اور چت
کی خود بخود نشو و نما پا جاتی ہیں - اسی کا نام مہاسن ہے - اور وہ گھور سوشپتی ہے - اہنکار
بدھی اور من - اور چت کے جو آواز ہیں - وہی چار گپت بانی کہلاتی ہیں - پھر اسی سے
جو اور حالت نکلی وہ سن یعنی معمولی سوشپتی ہوئی - اور اس سے جو صدا برآمد ہوئی وہ
"رارنگ رارنگ" کی صورت کی تھی - اس کو خواہ مہاسن کے دھنی کو تم پربرہم - اور
ہرنیہ گربھ کہہ سکتے ہو - گیانی اس کو شدھ برہم کہتے ہیں - پھر یہاں سے جو دھار نکل کر
منڈلا کا پہنچی - وہ برہم اور آدیا کرت کہلائی - اور وہی ترکٹی کی دھنی ٹھہری - یہ گیانیوں کا

ستھول برہمہ ہے ۔ کیونکہ لطیف صورت میں اس میں مایا کا روپ پرتیت ہوتا ہے اور
اس سے جو آواز سانس کی صورت میں نکلی ۔ وہ اوم تھی ۔ جو برہمانڈ کی رچنے والی ہوئی
ویدوں کی اُتپتی یہاں ہی سے ہوئی ہے ۔ اور وہ اسی کے سانس میں ہے ۔ اور اوم سانس
کی سانس ہے ۔ اور نیچے کی تمام رچنا کا آدھار ہے ۔ اسی وجہ سے اُس کو سنتوں نے
بیج منتر ۔ اور شبد کلام کا خطاب دیا ہے ۔ یہہ وہ قدرتی آواز ہے جو سب میں محیط ہے
اور چاہے اُس کا روپ کچھ ہی کیوں نہ ٹھہرا جائے ۔ مگر اب بھی سو کر اُٹھنے سے جو آواز
صاحب خواب کے مُنہ سے برآمد ہوتی ہے یہی ہے ۔ اس کو چاہے کوئی "ہُو" کہہ لے
یا "او" "آنگ" کہہ لے ۔ یہی برہمہ جوگیوں کا اِشٹ ہُوا ۔ اور یہی اوم اُن کے سمرن کا نام
ٹھہرا ۔ برہمانڈ کی لطیف رچنا ہو جانے پر جو دھار پھر ستھول روپ میں نیچے اُتر کر سہسر دل
وہ سہس دل کنول میں منڈلاکارینی ۔ اور وِراٹ کہلائی ۔ یہہ تمام مت متانتروں کا پرمیشور
اور خدائے عظیم ٹھہرا ۔ اس سے آگے کسی کی نگاہ نہیں جاتی ۔ اور سب نے اُسی کو سب
کچھ سمجھ کر اُسی کو اپنا اِشٹ بنا لیا ۔ حالانکہ وہ برہمہ کے جاگرت دشا کی ستھول اوستھا ہے
اور اس کے منڈل سے جو صدا برآمد ہوئی ۔ وہ شنکھ اور گھنٹے کی دُھنی سے مشابہت رکھتی ہے ۔
ہم نے تم کو کال بھگوان کے تین روپ بتائے ہیں ۔ ایک تو سُشُپتی کا ابھمانی ہرنیہ گربھ ۔ دوسرا سوپن کا
ابھمانی تیجس اور جاگرت کا ابھمانی وِراٹ ۔ وِراٹ برہمہ ہے کیا ؟ کال پُرش کے ظہور کا نظارہ ہے ۔
جو ست لوک کے نیچے رہتا ہے ۔ اب تم سوچو ۔ جتنے یوگی گیانی ہوئے ہیں ۔ وہ اِسی ہی کے
تو لپیٹ میں رہ گئے ۔ آگے ست پد کا گیان تو اُن کو ہُوا نہیں ۔ اس لئے سنتوں نے مت متانتروں
میں بچن مُنا کر دھکاری جیئوں کو نج روپ کا اِشٹ بنایا ۔ اور اُسی دھام کی آسا دلا کر اُسی
طرف اِن کی توجہ کے رُخ کو پھیرا ۔

۱۴ جولائی سنہ ۱۹۱۷ء ۔ یہہ پیارا جو جگت میں ہے کال پُرش کا ہے ۔ وہ آپ سب میں
رما ہُوا اس جگت کا پالن پوشن کرتا اور اُس کو اپنے میں لئے کرتا رہتا ہے ۔ اور اُس کے

تین رُوپ اُوپر دکھا دیے گئے ہیں جیسے دان مُشتیہ کو چاہئے۔ کہ اصلیت کو سمجھے اور محض اس وجہ سے کہ مروّجہ مذاہب نے اُس کو اپنا انت اور معراج بنا رکھا ہے۔ اور قدیم زمانہ سے ایسا ہی چلا آتا ہے۔ اُس پر عقیدہ جمانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہاں کسی کی شان میں بان سے گستاخی اور بے اَدبی کا کلمہ نہ نکلنے پاوے۔ اور نہ کسی کی تردید کرنے کی ضرورت ہے۔ اپنے کام سے کام ہے۔ ہم کو تو صرف اِتنا ہی کرنا ہے۔ کہ مت متانتروں کی تعلیموں کا مقابلہ کر کے اپنے دل کو وسیع بنالیں۔ اور نگاہ کو اُونچی کر کے اصلیت کی طرف رجوع ہوں۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ سنت گت طور پر کسی کو اپنے مت کی نہ دعوت دیتے ہیں نہ بحث مباحثہ میں پڑتے ہیں۔ ہاں ادھکاری کے لئے کبھی اُن کا دروازہ بند نہیں ہے۔ جو کوئی پریم اور بھگتی کے ساتھ آتا ہے چاہے وہ کوئی ہو اور کسی قسم کا ہو اُس کو اپنے چرنوں میں لگا لیتے ہیں کیونکہ دل آزاری کرنا مہا پاپ ہے۔ اور وہ سنت مت کے اصُول کے بالکل برعکس ہے ۞

شبد

سادھو! چال سنت کی نیاری!

(۱) جو کوئی آوے پریم بھاو سے۔ تا کو انگ لگاویں
ادھکاری کو بھید بتاویں۔ مُول گیان سمجھاویں سادھو!

(۲) جا میں پریم پریت نہیں دیکھیں۔ تا کا چت نہ دکھاویں
دیا رُوپ دھارا سنتن نے۔ بگڑی بات بناویں سادھو!

(۳) نندیا استُتی کی نہیں چنتا۔ جیو اُدھار کراویں
پریمی جن کو انگ لگاویں۔ ست رُوپ دِکھلاویں سادھو!

(۴) کرونا ساگر سب گُن آگر۔ شبد جہاز لگاویں
ڈوبتا ہوئے تاریں سب کو۔ بھَو کے پار کراویں سادھو!

(۵) [illegible] جاویں۔ سادھ کو بچن سناویں

راؔدھاسوامی چرن شرن بلہاری ۔ شبد سُنائے پچھاویں ساودھوا

۱۳۲
۱۳ جولائی ۱۹۱۷ء ۔ سّتا بوند ماتر ہے اور وہ سمندر ہو کر پرتیت ہوتی ہے ۔ جیسے سمندر میں لہر ترنگ ۔ اور بُد بُدے اُٹھتے رہتے ہیں ۔ ویسے ہی اس میں تمام جیو جنتو اور رچنا کے چراچر رُوپ بنجاتے ہیں ۔ اور یہ کیا ہیں ہم دو چیزوں کے ملاپ کی گرہیں ہیں ۔ ایک چیز توست ہے کے آدھار کا خیال ہے ۔ اور دوسری سّتا ہے ۔ تم ایک کو چیتن اور دوسری کو جڑ کہہ لو ۔ اِن کی ملونی سے جو گانٹھ منڈلاکار بن گئی ہے وہ رُوپ والی ہے ۔ ایک گرہ سُورج ہے ۔ دوسرا چاند ہے ۔ تیسرا انسان ۔ چوتھا حیوان ۔ اور علیٰ ہٰذالقیاس ۔ اسی گرہ کے اندر کارن سوکشم اور ستھول بھاو مقید ہے ۔ اور جو کچھ نظر آتا ہے ۔ خواہ بُجھ سے چلا جاتا ہے ۔ وہ سب اسی کے لپیٹ میں ہے ۔ ہر نیہ گربھ ۔ ادیا اور ویراٹ یہ بھی تو گرہیں ہیں ۔ اور جڑ چیتن کی ملونی کے نظارے ہیں ۔ جیسے جیو ویسے ہی یہ ۔ صرف بڑائی چھوٹائی کا خیال ہے ۔ اِن کے اِشٹ باندھنے سے گرد یا جڑ چیتن کی گانٹھ کیسے کھلیگی ۔ پُوجاری اپنے پُوجیہ دیو سے سرشیٹ اور افضل کیسے ہوگا! بندھے ہوئے کی پُوجا سے بندھن ہی تو رہیگا ۔ مُکتی کہاں اور کیسے ملے گی! کسی نربندھ کا اشٹ دھارا جائے تب یہ بندھن کٹے ۔ ویسے تو اس کا امکان محال ہے ۔ نقطی نور کو دھیان دل سے کب کام ہوا ہے ۔ اس لئے اپنے اندر اِن سب مقامات کو طے کرتے ہوئے چلو ۔ اور بھنور گپھا کے ناکے سے نکلکر ست دھام کا اِشٹ باندھو ۔ تب مُکتی ملے گی ۔

۱۳۲
۱۴ جولائی ۱۹۱۷ء ۔ سارے تتّو اہنکار سے نکلے ہیں ۔ جس کو ہم نے سو ہنگ پُرش کہا ہے ۔ اُس نے " میں " کہا ۔ اور اہنکار ہو گیا ۔ اس اہنکار نے اہنکے رکو پیچھے کیا ۔ بُدھی تتّو پرگٹ ہو گیا ۔ من کیا من ہو گیا ۔ چنتن کیا چت بن گیا ۔ اور پھر اسی اہنکار سے پنچ تن ماترائیں ۔ شبد ۔ سپرش ۔ رُوپ ۔ رس ۔ گندھ ۔ بتدریج نکلے ۔ اور بیچ

جیسے یہ سکڑتے رہے ویسے ویسے دوسرے تتّو پرگٹ ہوتے گئے - ست پد کے نیچے
چونکہ کال اور مایا باہری خلافت کی صورت میں پھینکے ہوئے ہیں - اس لئے ان کا
منڈل دویت اور دوندھ ناکا پسارا ہے - ایک دھار کال اور دوسری مایا ہے - انکے
ملاپ سے جو شید اہنکار کے سلسلہ میں ملا - اس کے متھنے سے آکاش پیدا ہو گیا -
جس میں یہ وسعت اور پھیلاؤ ہے - اس کو محض وسعت اور پھیلاؤ نہ سمجھنا - یہ پنچ
تتّو اور ہیں ماتتو ہے - اسے نا چھو سکتا نا ہے - چونکہ یہ خود کال اور مایا کے سنجوگ
سے پیدا ہوا ہے - اس میں دو دھارتیاں ہیں - ایک نفی اور ایک اثبات - جب ان کا
منتھن ہوا - آکاش تتّو نکلا - اور اس نے اپنا منڈل باندھا - اور اس کی ایک دھار
تو سہ رنگ کی طرف رجوع رہی - دوسری نیچے کی طرف گری - اور یہ جو نیچے کی طرف
گری اس میں بھی نفی اور اثبات کی دو دھارتیاں تھیں - جب یہ اکٹھی ہوئیں تو وایو منڈل پیدا ہوا
وایو منڈل آکاش منڈل کے انترگت ہے - اس کی ایک دھار آکاش سے لگی ہوئی
ہے - اور جو دھار نیچے کی طرف چلی تو وہ بھی نفی اور اثبات سے خالی نہیں تھی - انکے
منتھن سے اگنی تتّو نکلا - اور اگنی کا منڈل بنا جو وایو منڈل کے انترگت ہے - اور پھر
اگنی نے ایک طرف تو وایو منڈل سے تعلق رکھا - اور اس کی دوسری دھار جو نیچے
کی طرف رجوع ہوئی - اس میں بھی وہی نفی اور اثبات کے خواص تھے - ان کے
منتھن سے جل تتّو پرگٹ ہوا - اور جل کا منڈل بنا جو اگنی منڈل کے انترگت ہے
اور اس سے باہر نہیں ہے - ایک انگ سے اس جل منڈل نے اگنی منڈل کو پکڑ
رکھا - اور اس کی جو دوسری دھار نیچے کو چلی اس میں بھی نفی اور اثبات کا جوہر تھا -
ان کے منتھن سے پرتھوی تتّو نکلا اور پرتھوی منڈل بنا جو جل منڈل کے انترگت ہے -
اور اس سے باہر نہیں ہے - الغرض جو کچھ یہ تتّوں کا کھیل ہوا ہے - وہ سب آکاش
منڈل کے اندر ہے - اور یہ سب تتّو آکاش ہی کے ستھول اور تبدیل شدہ روپ ہیں

ہیں۔ اسی وجہ سے میں نے پہلے کہا تھا۔ کہ آکاش کو تتو سمجھنا۔ کہیں ستھول رشٹی
سے پھیلاؤ اور وسعت ہی میں نہ اٹک رہنا۔ یہ آکاش ست ید منڈل میں ہے۔ اور یہ
خاص شیدمنڈل ستّا کے منڈل میں ہے۔ جو آدی مایا کہلاتی ہے۔ جو کچھ پیدا ہوتا ہے
یا ہوگا۔ وہ مایا سے باہر نہیں ہے۔ اور یہ مایا کال پُرش سے ملی ہوئی اسی طرح منڈل
بنا بنا کر رچنا کرتی رہتی ہے۔ یہ منڈل جڑ چیتن کی گرہیں ہیں۔ اور کچھ نہیں ؀

۱۷ جولائی ۱۹۱۷ء۔ یہ دھاریں نیچے کیوں اُترتی ہیں؟ کیونکہ ستّا میں یہ پیدا
ہے۔ وہ کارن۔ لطیف۔ اور کثیف ملتی رہتی ہے۔ اور جب وہ لطیف ہونے کو
ہوتی ہے۔ تو جو مصالحہ کہ کثیف ہے اُس کو نیچے کی طرف پھینک دیتی ہے۔ جیسے
جب کوئی شخص صاف برف بنانے لگتا ہے۔ تو صاف پانی تو رکھ لیتا ہے۔ اور گندہ
کو باہر پھینک دیتا ہے۔ تاکہ وہ اپنا دوسرا منڈل بنا سکے۔ ستّا میں ہر جگہ ایسا ہی ہوتا
ہے۔ جیسے چراغ سے دھواں برآمد ہوا کرتا ہے۔ ویسے ہی ان کا بھی عمل ہوا کرتا
ہے۔ اور یہ تمام جگت اوپر سے نیچے لیکر کارن سوکشم اور ستھول روپ ہی میں ہے ؀

۱۸ جولائی ۱۹۱۷ء۔ پنڈ سے برہمانڈ۔ یہ مشہور مسئلہ ہے۔ جو برہمانڈ
میں ہے وہی ہمارے پنڈ میں بھی ہے۔ یہ پنڈ برہمانڈ کی نقل یا عکس ہی تو ہے۔ اور
عکس میں اصل کا تمام جوہر رہتا ہے۔ جو سورج آسمان پر چمکتا ہے۔ اُس کی تمام
خوبیاں اُس کے پانی کے عکس میں موجود رہتی ہیں۔ صرف چھوٹائی بڑائی کا فرق
ہوا کرتا ہے۔ اس لئے یہ جو تمہارا جسم عالم صغیر کہلاتا ہے وہ برہمانڈ یا عالم کبیر ہے سو
آؤ۔ اور ہم تم کو اس جسم میں برہمانڈ کا تماشا دکھائیں۔ تمہارے پاخانہ کے مقام
کی جو گرہ ہے وہ ستھول پرتھوی تتو کا استھان ہے۔ اندری یعنی پیشاب کے مقام کی
گرہ جل تتو کا استھان ہے۔ نابھی یعنی حرارت غریزی کی جگہ اگنی تتو کا استھان ہے۔
ہردے یعنی دل جو سینہ میں ہے وہ وایو (ہوا) تتو کا استھان ہے۔ کنٹھ یعنی گلا

دھاروں کے نیچے اُترنے کا سبب

پنڈ سے برہمانڈ

آکاس تتّو کا استھان ہے۔ تل معہ سہس دل کنول کے وراٹ پُرش تتّو کا استھان ہے۔ ترکٹی جو پیشانی کے درمیان ہے۔ اویاکرت کا استھان ہے۔ اور شُنّ معہ مہا شُن کے پیر برہم یا ہرنیہ گربھ کا استھان ہے۔ یہاں آکر برہمنڈ کی حد کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اور خود سوچ سمجھ کر غور کرو کہ یہ کچھ سچ معلوم ہوتا ہے یا نہیں +

۱۳ جولائی ۱۹۱۶ء۔ اس شریر میں علاوہ برہمانڈ کے کچھ اور بھی ہے۔ اِسی میں سب کا سار موجود ہے۔ پیشانی کے سرے پر ستّا اور کال کا رنج استھان ہے۔ جو بھنور گپھا کا دھنی ہے۔ یہی اُس کی حد ہے۔ اس کے پرے اُس کی گم نہیں ہے۔ اور اس کے آگے ست لوک آتا ہے جو ست پُرش کا استھان ہے۔ اور جہاں سے سُرت آدمیں اُتری تھی۔ یہ دماغ میں وہ جگہ ہے۔ جہاں یوں ہی سو بھاوک ست ست اور حق حق کی صدا برآمد ہوتی رہتی ہے۔ اور ابھیاسی اُس کو سُنتے ہیں۔ اس کے آگے الکھ پُرش اور اگم پُرش کے استھان ہیں۔ اور سب کی چوٹی پر رادھا سوامی دھام ہے۔ دیال دیس تک کے مقامات تو یہاں موجود ہیں اور کیا چاہتے ہو؟

۱۴ جولائی ۱۹۱۶ء۔ سنتوں کا مت یوں ہی باتوں کا جھگڑا نہیں ہے۔ یہ تمام علوم کا جوہر ہے۔ مگر کوئی سُنے اور سمجھنے والا بھی تو ہو۔ دُنیا رادھا سوامی مت کی شان میں گستاخی اور بے ادبی کا کلمہ استعمال کرتی رہتی ہے۔ ہم اُس کو صبر اور محبت کے ساتھ برداشت کرتے ہیں۔ اُن سے آخر الجھیں بھی تو کیوں؟ وہ سمجھ نہیں رکھتے۔ اَن سمجھوں سے لڑائی جھگڑا کیسا! ہاں جب کوئی یوگی گورمت کا سمجھنے والا ملے تب اُس سے بات کی جائے۔ تم جیتے جی ابھیاس کر کے اپنے اندر ان مقامات کو طے کرو۔ حضور آپ انتر میں تم کو سہارا بخشیں گے۔ اور اگر تم تیسرے تل اور ترکٹی کے مقامات کو طے کر لو۔ تو پھر جیتے جی موت کا کھٹکا تو یوں ہی دور ہو جائیگا۔ تتّو کو جان لوگے۔ اور زمینی موت کا خوف نہ کرکے آخری سمے میں اُس سے بہ خوشی ہم آغوش

ہونے کو تیار رہو گے۔ کیونکہ اُس کا ستحان ابھیاس سے یوں ہی طے ہو جائے گا۔ اور تم خوشی سے وہاں آپ پہنچ رہو گے۔ جہاں پران وغیرہ لے ہو جاتے ہیں شبد اور اگر تمام مقامات بھی طے کر لئے گئے۔ تو پھر کیا کہنا ہے! بازی جیت لی۔ اور جہاں کی آسا باندھی ہے۔ مرنے کے پیچھے وہاں چلے جاؤ گے۔ اور پھر نہ آواگون ہوگی اور نہ کال کرم اور مایا کے جھگڑے رہیں گے ؞

شبد

سادھو! جیوت ہی مر رہنا

(۱)۔ سُرت شبد کا سادھن کرنا۔ دُکھ سُکھ سر پر سہنا
کرتے کرم اکرمک ہونا۔ نہیں کچھ سُنتا کہنا — سادھو!

(۲) جل میں کمل۔ مُرغابی رہتے۔ جل کو انگ نہ گہنا
یہ گتی تو گورو مکھ کو ہی پاوے تین تاپ نہیں دہنا — سادھو!

(۳) سُکھمن کے مدھ تل کا مارگ جاؤ نہ بائیں دہنا
مرتبہ سُرت چلے گورو کی دایا۔ پریم بھگتی دھن لہنا — سادھو!

(۴) کام۔ کرودھ۔ ہنکار تیاگ کر۔ گورو بل جگ سے نہتا
چیت چیت کر اندر وستا۔ بھو کے دھار نہ بہنا — سادھو!

(۵)۔ نہیں وہ گیان نہ تریا تت ہے۔ اِن کو نہیں کوئی چہنا
رادھا سوامی چرن شرن بلہاری۔ پریم بستر اب پہنا — سادھو!

۱۳- جولائی ۱۹۱۶ء - مرنے کا کس کو ڈر ہے۔ ابھیاسی کی تو روز موت ہوتی ہے موت تو صرف حالت کی تبدیلی کا نام ہے۔ بچوں کی طرح تبدیل ہونیکا راز سمجھ لو۔ ابھیاس کرتے چلو۔ موت بھی تمہارے لئے آنند دینے والی اوستھا ثابت ہوگی۔ ہم معدوم یا فنا ہونے والے کب ہیں! ہمارا روپ امر ہے۔ ہماری ذات امرت اور آب حیات ہے

اگر ہمارے نہ تہ میں حیات جاودانی نہ آئے گی ۔ تو پھر اُس کا اور کون حقدار اور وارث ہوگا ۔ ہم حضور کے پسر اور شاہزادے ہیں ۔ ہمارا مارنیوالا کون ہے ؟ ہم زندگی موت کے تنکے اور بلا ہیں کے بھوگنے والے ہیں ۔ دنیا موت سے ڈرے ۔ ہم کیوں ڈریں ۔ ہم کو تو حضور نے رازِ حقیقت کا علم بخش دیا ۔ سنو ایک صوفی کیا کہتا ہے :-

دویدن ۔ رفتن ۔ استادن نشستن خفتن و مردن

بہ ہر منزل بود راحت بیا بنگر مراتب را

ترجمہ :- دوڑنے سے چلنے میں ۔ چلنے سے کھڑے ہونے میں ۔ کھڑے ہونے سے اُٹھنے بیٹھنے ۔ بیٹھنے سے سونے میں ۔ اور سونے سے مرنے میں زیادہ مزہ ہے ۔ ذرا ان باتوں کو دھیان دیکر سوچو ۔ تب تم کو پتہ لگے ۔"

آہا ۔ تم لوگ چند ابھی جو تم نے ابھیاس کرکے ایک مقام تک بھی رسائی کر لئے ہوتے ۔ تو خوب ان نکتوں کو سمجھتے ۔ اب ابھیاس کو چت دو ۔ جو بات نہ سمجھو مجھ سے پوچھو ۔ جو حضور مہاراج مقدس نے مجھ کو کر بتائے ہیں ۔ وہ میں تم کو بھی بڑی محبت اور پریم سے بتاؤنگا ۔ جب میں اِس قدر لمبے چوڑے خط تم کو لکھا کرتا ہوں ۔ تو پھر رازِ حقیقت سے تم کو نا آشنا کیسے رکھونگا ! تم سوچ سکتے ہو ۔ تم حضور کے پسر ہو ۔ اگر تم کو معرفت ۔ تصوف ۔ اور گیان کی باتیں نہ بتائی جائیں گی تو اور کس کے لئے اُن کا اہتمام کیا جائیگا ۔

رازِ دل با سگ درش گویم

پیش مردم چرا کنم اظہار

۱۲۳ ۔ جولائی سنہ ۱۹۱۶ع ۔ پریم کا دریا اُمنڈ اُمنڈ کر بہہ رہا ہے آؤ ۔ اور اُس میں غوطہ لگاؤ ۔ بہتی ہوئی گنگا میں جس نے ہاتھ نہیں دھویا ۔ وہ آخر میں پچھتائیگا ۔ وقت پر اپنا کام بنالو ۔ دھن دولت ۔ عزت حرمت یہ بادل کا سایہ ہیں ۔ دنیا کا کام کرو ۔ کوئی منع نہیں کرتا ۔ عورت ۔ گھر ۔ اور متعلقین سے تعلق رکھو ۔ اس سے نقصان ہی

کیا ہوتا ہے۔ اگر ماں گورو کے گھر کو سمجھ لو۔ گورو سے پرمارتھ کی کنجی لے لو۔ اور ہشیار کے تعلقات کے قفل اُس کی مدد سے کھٹ کھٹ کھولتے چلو۔ آؤ گنگا میں جو نہایت پوتر دِھیا اور من کی ہیتل کرنیوالی ہے۔ ایک دو مرتبہ اشنان کر لو۔ پھر یہ دُکھ سکھ کی گرمی نہ ستائیگی۔ اور تم سنسار کے دُکھ کا دھام زیر تیت کروگے۔

ما ند دریا ایم و دریا ہم زماست
این سخن داند کسے کو آشناست

ترجمہ:۔ میں دریا ہوں اور دریا مجھ سے ہے۔ مگر اس بات کو صرف وہی شخص جان سکتا ہے۔ جو اس دریا کا دانا تیراک اور غوطہ لگانے والا ہے۔

شبد ۱۲۳ - ۱۳ جولائی سنہ ۱۹۱۷ء

ٹیک: گورو دریا بہا اتی نرمل
گورو سنگھ آن نہانا ہو!

(۱) جل پرداو بچن کی دھارا ۔ ست سنگ گھاٹ بنانا ہو!
(۲) پریمی جن نت غوطے ماریں ۔ من کا میل چھڑانا ہو!
(۳) تین تاپ کی تپن بجھانی ۔ شانت چت بن جانا ہو!
(۴) چنچل سے جب ہو گئے نشچل ۔ سوجھا اگم ٹھکانا ہو!
(۵) رادھا سوامی چرن شرن بلہاری ۔ گورو پربل بل جانا ہو!

شبد ۱۲۴ - ۱۴ جولائی سنہ ۱۹۱۷ء

ٹیک: گورو دریاو کی مہما بھاری ۔ کرشنان تر جانا ہو!

(۱) پریمی جن سب جُٹ مل آئے ۔ آنسو ۔ پریم ۔ نہانا ہو!
(۲) منگل راگ گورو کی استتی ۔ اُمنگ اُمنگ نت گانا ہو!
(۳) چندن پھول ۔ ارگجا ۔ چووا ۔ گورو کے چرن چڑھانا ہو!

(۴) - پُوجا گورُو کی سیوا گورُو کی - رہیا گورُو جوت جگاتا ہوا
(۵) - پریم تھال میں آرت لیکے - گورُو چھبی نرکھ بُھلاتا ہوا
(۶) - انتر گورُو ہیں باہر گورُو ہیں - اور نہ کوئی درساتا ہوا
(۷) - رادھا سوامی چرن شرن بلہاری - کر سنان مگنا تا ہوا

۱۴ - جولائی سنہ ۱۹۱۷ء - شبد

میں پایا پایا پایا
گورُو نام امی رس پایا

ٹیک

(۱) جب سے کرپا بھئی ٹھاکُر کی - چھُوٹے کال کرم مایا
چنتا ڈاین اب نہ ستاوے - نِس دن رہوں ہر کھایا
(۲) واچک گیان میں گیانی بھُولے - جوگی جوگ بھرمایا
میں تو گورُو کا سیوک باورا - رہوں چرن کی چھایا
(۳) تیرتھ ورت نیم نہیں دھاروں - شودھوں نہ تن اور کایا
پریم بھاؤ کی تاڑی لاگی - سہجے من ٹھہرایا
(۴) - جانیں گے کوئی سادھ یوگی - جن پر گورُو کی دایا
رادھا سوامی چرن شرن بلہاری - سار کا سار بتایا

۱۴ - جولائی سنہ ۱۹۱۷ء - جھگڑوں میں اور لفظی بحث مباحثوں میں جانے سے ہاتھ کچھ نہیں آتا - ہاں تعصب ہٹ دھرمی اور اختلافات بڑھتے ہیں - اختلافات کا نام ہی سنسار ہے - اور سنسار اِس کے سوا اور کچھ نہیں ہے - اِن اختلافات کو میٹنا چاہیے - یا اِن کو اور بڑھانا چاہیے؟ گورومت میں شامل ہو کر بھی پکشا پکش کرتے رہنا سخت غلطی میں داخل ہے - اگر ٹیک باندھنا ہو تو گورُو کی ٹیک باندھو - اور پکش کرنا ہے تو سچائی کا پکش کرو - مگر یہ پکش اور ٹیک اپنے من میں رہیں - اور اِن کا خیال دلوں میں

بڑھتا چلے۔ تاکہ باہر بھیتر وہ نظر آنے لگے۔ نہ دویت۔ دویتادویت۔ ادّویت کے دھوکے
میں آؤ۔ اور نہ شدّھ ادّویت کے لفظوں کی یکتی کو دھیان دو۔ جس طبقہ میں اس وقت
تم بیوہار کر رہے ہو اسی کے موافق اس کو دیکھتے ہوئے چلو۔ پہلے ہی سے اس کے
کھنڈن میں نہ لگو۔ وہ شخص کیسا نادان ہے۔ جو بھوک کے وقت دکھی ہوتا ہوا بھی
غذا کی ہستی کا انکار کرتا۔ اور خواہ مخواہ دکھ کا درد اور مول لیتا ہے۔ کھاؤ پیو۔ تاکہ سیری
اور شانتی آوے۔ اور تب وچار بھی بنے۔ جب تک سیری نہ آوے گی من آپ چنچل
رہیگا۔ شانت نہ ہوگا۔ اور بغیر شانتی کے سار کی طرف نظر نہ جائے گی ؛

[۱۴۷] ۱۴ جولائی ۱۹۱۷ء۔ میں تم کو اختصار کے ساتھ تتّوں کی پیدائش۔ ستّا کی کیفیت
اور ست کے آدھار ہونے کا حال سنا چکا ہوں۔ اب جس طرح سنتوں نے ست سنگ میں
سمجھایا ہے۔ وہ بتاتا ہوں۔ سنت فرماتے ہیں۔ بغیر دو کی ہستی کے انہا نہ کی صورتوں
کا پتہ نہیں لگتا۔ ان سے کام لو۔ اور ان کو وچارو ؛

رچنا میں دو منڈل ہیں۔ ایک منڈل تو روحانیت کا ہے۔ اور دوسرا منڈل جسمانیت
کا۔ جس میں مادہ زیادہ ہے۔ اور روحانیت کم ہے۔ ان کو نفی اور اثبات کے منڈل خیال
کر لو۔ خواہ ان کے لئے اگر انگریزی زبان سے واقفیت ہے۔ تو پازیٹیو
اور نیگیٹیو کے نام استعمال کرو۔ یہ اور بھی تم کو سمجھنے میں مدد دینگے
پازیٹیو پول یعنی اثبات کے منڈل میں اثبات کا تتّو بھرا ہے۔ اس کو
پولارئزیشن آف انرجی سمجھ لو۔ اس میں نت ہے۔ اور
دوسرے منڈل میں نت کی بہت کمی ہے۔ اس کی اس کمی کی پوری کرنے کے لئے
اثبات کے منڈل سے تتّو کی دھار دوسرے منڈل کی جانب رجوع ہو کر اس کو اپنے
جیسا کرنا چاہتی ہے۔ تاکہ غیریت دور ہو جائے۔ کیونکہ غیریت میں دکھ ہے۔ اور اصلی
سکھ صرف وحدت۔ اتصال اور یگانگت میں ہے۔ اور جس جس طرح وہ دھار نیچے کو

دوہرے اور دوہرے

اُترتی ہے پہلے اپنے منڈل میں اُس کا نقش پڑتا ہے - پھر وہی اثر دوسرے میں آجاتا
ہے - اور وہ اُسی کا عکس اور نقل بننے لگتا ہے - بات ذرا لطیف سی ہے - صرف غور
کرنے سے سمجھ میں آسکے گی - یوں سمجھو کہ جس وقت تمہارے اندر دل میں کسی قسم کا
جذبہ پیدا ہو خواہ وہ کام کا ہو یا کرودھ کا - تو اُس کا اثر خواہ مخواہ جسم پر پڑے گا - اور پیدا اثر
دل کا عکس ہی ہوگا - جو جسم میں رونما اور نمودار ہوتا ہے - سب سے زیادہ دل کے
جذبات اور غلبات کا عکس چہرہ پر پڑتا ہے - کیونکہ وہ نسبتاً اور جسمی اعضا سے لطیف
ہوتا ہے - کامی اور کرودھی کی آنکھ ناک کان اور گالوں کو دیکھو - آنکھ سرخ ہیں -
ناک پھپھریائی[1] ہوئی ہے - خواہ سکڑی ہوئی ہے - کان خاص وضع پر قائم ہوگئے ہیں -
آنکھیں سرخ اور ہیں - گال تمتمائے ہوئے ہیں - اور دیکھنے والے کو پتہ لگ جاتا ہے
کہ اُس آدمی میں اُس وقت کس خیال کا غلبہ حاوی ہے - یہ تو تم سمجھ سکتے ہو - اور پھر
وہی دھارا اِن کبان اندریوں کے طبقہ سے اُتر کر جسم کے سفلی اور نچلے مقامات میں
آتی اور اُن کو بھڑکی دیتی ہے - اور اِن سب کی حالت بدل جایا کرتی ہے - رگ و ریشہ
میں خاص طرح کی حرکت اور اشتعال کی صورت پیدا ہوجاتی ہے - اور دل تمام جسم کو
متاثر کرتا ہوا اپنے جیسا اُس وقت بنالیا کرتا ہے - بالکل اسی اصول کے موافق جب
رُوح میں کوئی جذبہ آتا ہے تو پہلے وہ درمیانی منڈل بناتا ہے - جس کو برہمانڈ کہتے ہیں -
اور تب اُسی کی دھار نیچے اُتر کر اُس نفی کے منڈل میں پنڈوں یعنی اجسام و اجرام بنا
لیتی ہے - اس طرح تین منڈل بن جاتے ہیں - ایک تو خالص اثبات کا جو رُوحانی اور
دیال دیس کہلاتا ہے - دوسرا رُوح اور لطیف مادّہ کی ملونی کا - جس کو ہم برہمانڈ کہتے
ہیں - اور سنت مت میں وہ کال دیس کے نام سے موسوم ہے - اور تیسرا ملونی اور آمیزش
کا حصول طبقہ جو محض جسمانی ہے - اور جس میں رُوح اور مادہ دونوں ملے رہتے ہیں - مگر اس قدر

[1] اظہار خیال کے لئے ہم اپنے ہی گھڑے ہوئے لفظ اکثر استعمال کر لیتے ہیں ۔

فرق ہے کہ برہمانڈ میں تو رُوح غالب ہے۔ اور پنڈ میں مادّہ غالب رہتا ہے۔ اور
اس تیسرے یعنی پنڈ دیس کے طبقہ کو سنت مت میں مایا دیس کہا جاتا ہے۔ یہ تین
رچنا کے حصّے ہیں۔ ایک دیال دیس یعنی طبقہ رُوحانی دوسرا کال دیس یعنی خالص رُوح
اور لطیف صفات کی آمیزش کا مقام۔ تیسرا پنڈ دیس یعنی خالص رُوح اور کثیف صفات
کی آمیزش کا مقام ÷

شاستروں کی سند

۱۴ جولائی ۱۹۴۷ء۔ دُنیا چونکہ سلف اور قدامت کے حوالہ کے بغیر ہماری باتوں
کے سُننے کے لئے تیار نہیں رہتی۔ اس لئے مجبوراً ہم شاستروں کی سند بطرز مختلف پیش
کر دیتے ہیں۔ کوئی شخص ممکن ہے یہ دلیل کرے کہ رُوح میں جذبات اور غلبات کا
کیا کام؟ اوّل تو اب تک بہت آدمیوں نے رُوح یا آتما کے اصلی مراد تک کو نہیں سمجھا
ہے۔ یہاں اُس کے متعلق ہم کو کچھ کہنا نہیں ہے۔ ہم صرف اُس سوال کا جواب دیتے
ہیں۔ شُدھ نہ جایو۔ گایتری کے پرانایام منتر پر وچار کرو۔ وہ کیا کہتا ہے:—

اوم بھُوہ۔ اوم بھُووہ۔ اوم سووہ۔ اوم مہہ۔ اوم جنہ۔ اوم تپہ۔ اوم ستیم

ستیہ لوک کے نیچے یہ منتر تپ لوک کو قائم کرتا ہے۔ منتر کو اُلٹ دو۔ اُس کی صُورت یوں ہو جائیگی

اوم ستیم۔ اوم تپہ۔ اوم جنہ۔ اوم مہہ۔ اوم سوہ۔ اوم بھُووہ۔ اوم بھُوہ۔

یہ تپ آخر ہے کیا؟ تپنے کا نام ہی تو تپ ہے۔ اور تپنا اگر کسی قسم کے خیال کو لیکر اندر
ہی اندر دل کو متحد کر کے اُس خیال کو باطنی طور پر نشوونما دینا نہیں ہے تو پھر اور کیا
ہوگا۔ جاؤ۔ کوش اور لغت کو دیکھو۔ تب اس کو سمجھ سکو گے ÷

الغرض رُوح میں جب اُس تپی کے منڈل کی طرف رجوع ہونے کا جو میلان تھا
وہ تپ کہلایا۔ اور تپ کا منڈل بنا جس کو سنت بھنور گپھا کہتے ہیں۔ اور جس طرح
اس منڈل میں تپ کا اہتمام ہوا۔ اُسی طرح برہمانڈ میں تین صُورتیں کارن۔ سوکشم اور
ستھول وغیرہ بنیں۔ اور وہ مہر لوک۔ جن لوک۔ سوہ لوک۔ بھُووہ لوک اور بھُو لوک

کی شکلوں میں ظہور پذیر ہوئیں۔ اور ہرنیہ گربھہ۔ اویاکرت۔ وراٹ۔ جیو۔ جنتو۔ اور پرتھوی کی پیدایش کا سلسلہ شروع ہوا۔ یہ منتر ادھورا ہے۔ پورا نہیں ہے۔ پورا وہ سنت مت کے ست سنگ میں کیا جاتا ہے۔ یہاں تو صرف ستیم کہہ کر چھوڑ دیا گیا۔ اور دوسرے مقامات کا ذکر نہیں آیا۔ کیونکہ اس تپ لوک میں جو تین حالتیں اوپر کی منعکس ہوئی تھیں۔ وہ صرف ایک لفظ ست میں کھپائی گئی ہیں۔ دُنیا اسی کو نہیں سمجھتی۔ آگے کی باتیں وہ کیا سمجھنے کی۔ اس لئے سنتوں نے ست سنگ کو خاص اہمیت دے رکھی ہے۔ جہاں رُوحانیت کی گتھیاں سُلجھا دی جاتی ہیں ٭

۱۴۔ جولائی سنہ ۱۹۱۷ء۔ یہ تپ لوک اور اُس کا خواص تمام نیچے کے منڈلوں میں اور ان منڈلوں کے جانداروں میں محیط کُل ہے۔ اور یہی سبب ہے۔ کہ جب کسی کو کام کرنا پڑتا ہے۔ تو اُس کی پہلی منزل تپ ہی ہوتی ہے۔ برہم تپ کر برہمانڈ کو رچتا ہے وراٹ تپ کر جیو جنتوں کو اپنے اندر سے پیدا کرتا ہے۔ جیو تپ کر تب تولید اور تناسل کا سلسلہ جاری کرتے ہیں۔ یہ تپ بھُوتوں یعنی عنصروں کے منڈل سے بھی مخصوص ہے۔ اور ہم نے اپنے پہلے بچنوں میں اس کا دوسرا نام متھن تم کو بتا دیا ہے۔ آکاش اپنے اندر متحد کر وایو کو پرگٹ کر دیتا ہے۔ اور وایو متحد کر اگنی تتو کو نکالتا ہے وعلیٰ ہذالقیاس! جیوں کا میتھن (جماع اور جفتی کھانا) بھی ایک طرح کا تپ ہی ہے۔ اور میتھن ہی ہے سمجھو تپ۔ آنکھیں کھُلیں۔ جو یہاں وہی وہاں ہے۔ اور جو وہاں ہے وہی یہاں ہے برہما۔ وشنو۔ شیو۔ سب اسی تپ کے دایرہ کے اندر محدود اور مقید ہیں۔ اور تم کو بھی ہمیشہ ہر کام میں اسی سے تعلق رکھنا پڑے گا۔ چاہے تم اس کو سمجھو یا نہ سمجھو۔ گوسوامی تلسی داس جی اپنی راماین میں پاروتی اور نارد کے سمواد میں کہتے ہیں:۔

تپ بل رچے پرپنچ بدھاتا (برہما) ۔ تپ بل وشنو سکل جگ ترانا (پالنے والا)
تپ بل شمبھو کرے سنگھارا ۔ تپ بل شیش دھرے مہی بھارا (زمین کا بوجھ)

اِس تپ لوک نے اوپر یعنی ست کے تین منڈلوں ست - الکھ - اور اگم سے عکس لیا - اور تپا - اور تب اُنھیں کے عکس سے ہرنیہ گربھ - اَوْیاکرت - اور وراٹ کو بنایا - اور یہ برہمانڈ رچا گیا - پھر دھار نیچے کی طرف اُتری - اور وراٹ نے یہ تھول رچنا کی جس میں اجرام سماوی اور اجسام عنصری ہیں - اور چونکہ تین اُوپر کے مقامات سے عکس لیا گیا تھا - اس لئے تپ لوک میں اور اُس کے نیچے کے کُروں میں ست رج - اور تم کا پرچھاو پھیلا - جو گُن ہیں وہ بھی اُوپر کی رچنا کی عکسی صُورتیں ہیں سو ستا میں ست لوک کے نیچے منعکس ہو کر کام کرتے رہتے ہیں - اور اِسی وجہ سے یہ جگت تِرگُناتمک ہے - ہر جگہ تین ہی تین کا پسارا ہے +

۱۴ - جولائی سنہ ۱۹۱۶ء - ستا میں جو اصلی سندھ کے ست - اگم - اور الکھ کا عکس پڑا وہی پُونہ تین گُن ہوئے - وہ عکس اور چھایا ماتر ہیں - اِس لئے وہ متھیا کہے گئے - اور متھیا کے کوئی معنی پُوچھ نہیں ہے - اور اسی سے بتدریج تتو - پرکرتیاں - اندریاں اور جیو جنتو بنتے گئے - یہ سب اُسی رچنا کی دھار میں پرگٹ ہوئے ہیں +

۱۴ - جولائی سنہ ۱۹۱۶ء = رچنا ہمیشہ منڈل بناتی ہوئی نیچے کو اُترتی ہے - یہ کچھ قدرت کا اصول ہے - حرکت ہمیشہ دائرہ کی صورت میں ظہور کرتی ہے - اس کا بیج تپ لوک میں تھا - اور وہ محیط کل ہو گیا - اور یہی وجہ ہے - کہ تمام وستو (کُرے) و پوتا اور جیو اصل میں منڈلاکار ہیں - تم عورت مرد کے اس لنبی چوڑی صُورت پر نہ جاؤ - جوہر اور اصلیت کو دیکھو - تب پتہ لگے - یُوں تو یہ دھار سے سنجگت ہونے کی وجہ سے لنبے چوڑے پرتیت ہوتے ہی رہیں گے +

حرکت دائرہ کی صورت میں ہوتی ہے

۱۴ - جولائی سنہ ۱۹۱۶ء - اب پھر اثبات اور نفی کے منڈلوں کی طرف رجوع کرو - دھار نیچے اُتری - اور اُس نے نفی کے منڈل کو روشن - پرکاشوان اور زندہ کیا - اور اُس میں رُوحانیت آ گئی - گو وہ رُوحانیت ویسی نہیں تھی جیسی کہ اثبات کے منڈل میں تھی

اور اس نقی کے منڈل میں جو سُرتیں کہ کال اور مایا کے جھگڑوں سے دُکھی ہو ہو کر چیت والی اور لطیف ہونے لگی تھیں۔ اُن کو چیتن کی خالص دھار نے جو سنت رُوپ ہو کر آئی تھی اپنے ساتھ لیکر اُونچے دھام میں لے گئی۔ کیونکہ لطیف ہونے کی وجہ سے وہ اس کرّہ کے قابل نہیں رہی تھیں۔ یہاں تو ملونی والی کثیف سُرتیں رہتی ہیں۔ یہ اصول ہمیشہ کام کرتا رہتا ہے۔ اور اس کا سلسلہ لامنقطع ہے۔ اب اگر اسی ایک بات کو سمجھو۔ تو اس رچنا کی بڑائی تمھاری سمجھ میں آجائے۔ اور سنتوں کی مہما ذہن نشین ہو جائے۔ میں کیا کروں۔ لفظوں میں جیوں کا تیوں خاکہ نہیں کھینچا جا سکتا۔ ستسنگ میں آتے۔ تو دل سے۔ آنکھوں سے۔ اور اشاروں سے اس راز کے سمجھانے کا اہتمام ہوتا۔ مگر خیر! اگر وہ موقع نہیں حاصل ہے۔ تو خط کتابت ہی سہی۔ سنسکار تو دل میں بیٹھ جائیگا ؛

۱۴ جولائی ۱۹۱۷ء۔ یدشا کا منڈل کھنور گپھا ہی ہے۔ اور چونکہ ستادی دول پرمانوں۔ اور غباروں کی صورت میں رہتی ہوئی چکر کھاتی ہے۔ اس لئے یہ برہمانڈ اور پنڈ دیس اُسی کے انترگت بنتے۔ بگڑتے رہتے ہیں۔ اور کال مایا کی حد یہاں ہی تک ہے۔ آگے وہ نہیں جا سکتے۔ ستا تپ کر جب کچھ ٹھنڈی ہوتی ہے تب اُس میں آہستہ آہستہ رچنا کے تمام رنگ رُوپ۔ اور بے شمار چاند۔ سورج۔ ترلوکیاں۔ چکر۔ کنول وغیرہ پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور سب میں خلقت آباد ہو جاتی ہے۔ اور یہ سب اپنے اصلی جوہر کے اصول کے موافق چکر ہی میں رہتے ہیں۔ اسی کا نام کال چکر ہے۔ یہ رچنا ستا کے ایک انگ میں ہوتی ہے۔ اور اس میں بے شمار ترلوکیاں اور ان گنت سورج منڈل ہیں۔ جو ہمیشہ گردش میں رہتے ہیں ؛

۱۴ جولائی ۱۹۱۷ء۔ یہ سورج اپنے تارا منڈل کو ساتھ لئے ہوئے کُنبہ کی شکل میں کسی اور سورج کے گرد گردش کرتی ہوئی اس کے گرد گھومتی ہے۔ اور پھر وہ بڑا سورج

دھار کا اوتار

یدشا کا منڈل

سورج کا منڈل

جو اس سورج کا آفتاب ہے اپنے کنبے کے تارے ۔ چاند اور سیاروں کو لئے ہوئے کسی
اور زیادہ نورانی سورج کا مطیع ہے ۔ اور علیٰ ہذالقیاس ان تمام نظام شمسیوں کی کیفیتیں
مختلف ہوتی ہیں ۔ اور یہ زمین جب اپنے سورج کے ساتھ گھومتی ہوئی ان میں سے
کسی کے مقابل آجاتی ہے ۔ تو ہمدردی کے قانون کے زیر اثر کبھی یہ ان کے اثر
کو قبول کرتی اور کبھی وہ اس کے اثر کو لے لیتے ہیں ۔ اور بسا اوقات ایسا بھی ہوا
کرتا ہے ۔ کہ اس اثر کے بموجب ان کروں کی مخصوص شکل والے انسان وحیوان زمین
پر آکر پیدا ہو جاتے ہیں اور ہم قدرت کے قانون کو نہ پاتے ہوئے ان کو عجیب الخلقت
اور عجیب الیت کہنے لگتے ہیں ۔ اور قدرت کی غلطی خواہ مخواہ چوک تسلیم کرلیتے ہیں ۔
اکثر زمین کھودنے پر ایسے جاندار حیوانوں اور انسانوں کی ٹھٹھریاں برآمد ہوتی ہیں
جو موجودہ انسانی اور حیوانی نسلوں کے جانداروں کے جسم سے مختلف ہیں ۔
علما اور حکما ان کو دیکھ کر یہ نتیجہ اخذ کرلیتے ہیں ۔ کہ پہلے زمین پر ایسی نسل آباد تھی
اب اس کا سلسلہ قطع اور مسدود ہو گیا ہے ۔ اکثر یہ نتیجہ غلط ہوتا ہے ۔ اس کا
سبب یہ ہے کہ جو ہم نے اوپر بیان کر دیا ہے چنانچہ ہندو عورتیں جو ممالک متحدہ کے
اضلاع میں بستی ہیں ۔ گرہن لگنے کے وقت کبھی کوئی ایسا کام نہ کریں گی جس کی
وجہ سے ان میں گرہن کا اثر آئے ۔ اور ان کے پیٹ کی اولاد عجیب شکل والی بن
جائے ۔ سناتن سے ان کا اس پر عمل ہے ۔ گو وہ اصول سے بے خبر ہیں ۔ اکثر چندر
گرہن کے وقت جو مائیں نادانستہ چاند کے اثر کو دل میں لے لیتی ہیں ۔ ان کے
لڑکوں کے ہونٹ کٹے ہوئے پیدا ہوتے ہیں ۔ ہم زیادہ تفصیل وصراحت میں
کیوں جائیں ۔ قانون تم کو بتا دیا گیا ۔ اور وہ کافی ہے ۔ اب بھی جو عجیب الخلقت
مخلوق کبھی کبھی دنیا میں پیدا ہو جاتی ہے ۔ تو اس کا یہی سبب ہے ۔

(۴) اچوانی کرنیں (۹) ہیں ۔ ایک سورج تو یہ ہے ۔ جس سے تم نور کا اکتساب کرتے

جو کسی کسی نظام شمسی میں کئی کئی سورج بھی ہیں۔ سار بچن نظم رادھا سوامی میں کسی کسی منڈل میں کئی کئی سورج سفید۔ سرخ۔ اور نیلے پیلے رنگ کے بھی بتائے گئے ہیں۔ یہ کتاب عرصہ کی لکھی ہوئی ہے۔ اب زمانہ حال کے نجومی بھی نئی تحقیقات کرکے ایسا کہتے ہیں۔ مگر یہ علم نجوم کا معاملہ ہے۔ ہم اس میں کیوں خواہ مخواہ ٹانگ اڑائیں وقت آئے گا۔ جب زمانہ اس کتاب کی باتوں کا پتہ لگائے گا۔ ہمارا تو کہنے کا صرف اتنا ہی مطلب ہے۔ کہ ایسے سورج بہت ہیں۔ منجملہ اُن کے وراٹ پرش یعنی جوت نرنجن بھی ایک سورج ہے۔ ترکٹی کا اونکار برہم اور دھاسُن کا پر برہم اور بھنور گپھا کا سوہنگ پُرش بھی مختلف سورج ہیں۔ اور ایسا ہی سب سے بڑا سورج ست پرش ہے۔ اور یہ سب اُس کے ماتحت ہیں۔ اور اپنی اصلی اور ماتحتی نظام شمسیوں کو ساتھ لئے ہوئے اُسی کے گرد چکر لگاتے ہیں۔ اور اس گردش کے سلسلہ میں جب زمین اُنکے مقابل ہو جاتی ہے تو ان کے جیو قانون ہمدردی کے زیر اثر آکر زمین میں پیدا ہوتے ہیں۔ اور وہ اوتار کہلاتے ہیں۔ اس طرح اوتاروں کی پیدائش ہوتی ہے۔ اور چونکہ یہ زمینی مخلوق سے مختلف ہوتے ہیں۔ اس لئے ہم سب کی حیرت اور استعجاب کے باعث ہوتے ہیں۔ یہی نہیں۔ بلکہ کبھی کبھی منگل اور برہسپتی اور دوسرے سیاروں کے آدمی یہاں زمین پر پیدا ہو جاتے ہیں۔ منگل سے آیا ہوا آدمی پہلوان ہوتا ہے۔ اور برہسپتی کا مہا بُدھی مان بنتا ہے۔ یہ زمین پر ظاہر ہوکر ایسی ایجادات اور کرتب کے تماشے دکھا دیتے ہیں۔ کہ جو یہاں اوروں میں نظر نہیں آتے۔ نہ پڑھا نہ لکھا۔ نہ کسی سے خیال مستعار لئے۔ اور اپنا عجیب و غریب کام لیا۔ اور چلتے بنے۔ یہ ہم دیکھتے ہیں۔ اور ان کی پیروی کے ذریعہ بل بُدھی کا اکتساب کرتے ہیں۔ بالکل اسی قانون کے موافق جب یہ پرتھوی چکر کھاتی ہوئی تمام منڈلوں کے ساتھ ست لوک کے مقابل آجاتی ہے۔ تو جو وجود ہمدردی کے اثر سے متاثر ہوکر زمین میں آکر پرگٹ ہوا

اُنہی کو ہم سنت کہتے ہیں۔ کبیر صاحب کا ظہور اسی طرح ہوا تھا۔ اور اس زمانہ میں لو رن دھنی حضور مہاراج صاحب ایسے ہی پرگٹ ہوئے تھے۔ اور ان صاحبان نے یہاں آکر جیوں کو خاص طرح پرچایا۔ اور اپنے چرنوں میں لگایا۔ یہ ظاہری علم کے محتاج نہیں تھے۔ اور یہی سبب ہے۔ کہ نہ کتابوں سے علم مستعار لیا۔ اور نہ اُس کی چنداں قدر کی۔ بہت پرش رادھا سوامی فرماتے ہیں:۔

(۱)۔ سبے ودیا۔ تو بڑی اودیا سنتن کی تیں قدر نہ جانی
(۲)۔ سنت پریم کے سندھ بھرے ہیں تیں اپنی بدھی کیچڑ سانی
(۳)۔ سنتن پریم لگا پیارے سے۔ اُن کی سُرت شبد سمانی
(۴)۔ تو دھن مان پرتشٹھا چاہے۔ اور ترشنا میں لپٹانی
(۵)۔ کل میں جیو بہت تیں گھیرے۔ پرلے گورو مکھ نہیں نمانی
(۶)۔ اُن کی پریم انجبوی بانی۔ تو بدھی سنگ رہت۔ کھپانی
(۷)۔ ودیا پڑھ پڑھ بہت پیچے ہیں۔ پریم بنا کچھ ہاتھ نہ آنی
(۸)۔ ارتھ سمپردا۔ کر کر بھولے۔ انجبو کی اُن سار نہ جانی
(۹)۔ بانی بن میں بہت بھولانے۔ پڑھ پڑھ پوتھی جنم بتانی
(۱۰)۔ گھٹ کے بھیتر ٹیک نہ ٹھہریں۔ من چنچل کی گتی نہ پہچانی
(۱۱)۔ باہر مکھی گرنتھ نت پڑھتے۔ گھٹ کی پوتھی پڑھی نہ پڑھانی
(۱۲)۔ گھٹ کا بھید کہو جو اُن سے۔ تو اُن کا من دیت نہ مانی
(۱۳)۔ سنت گگن میں سُرت چڑھاویں۔ وہ سنتے نت واہاں کی بانی

وغیرہ وغیرہ۔ (صفحہ ۵۱۷ و ۸(۵)) +

۱۵۲

۱۵۔ جولائی سنہ ۱۹۱۶ء ۔ منشاوں کے معمولی انسانوں اور اوتاروں اور سنتوں

ہیں یہ فرق ہے۔ اور اسی وجہ سے وہ اور آدمیوں سے ممتاز سمجھے جاتے ہیں۔ وہ
اپنے لوگوں کی دھام ہیں۔ اور گو کال بھگوان کے قاعدہ اور اصول کے بموجب
یہاں آکر جنمتے اور گپت ہو جاتے ہیں۔ اور معمولی آدمیوں کی طرح بیوہار بھی کرتے
ہیں۔ لیکن اصلیت میں وہ کچھ اور ہی ہوتے ہیں۔ ان کا ظہور عامۂ خلایق کی بہبودی
اور فلاح کی وجہ سے ہوتا ہے۔ وہ ان کی ہمدردی میں یہاں کھنچے ہوئے چلے آتے
ہیں۔ اپنی کوئی غرض نہیں۔ صرف چتانے۔ اصلیت سمجھانے۔ اور جیوؤں کے باخبر
بنانے کی فکر ہے۔ اسی وجہ سے پرم سنت کبیر صاحب نے بارہا اپنی بانی میں سنتوں کی
مہما کا گیت گایا ہے:-

برچھا پھلیں نہ آپ کو ندی نہ پیوے نیر   پرمارتھ کے کارنے سنتن دھرا شریر
ترو سرور سنت جن چوتھے برسیں میہ   پرمارتھ کے کارنے چاروں دھاریں دیہ

۵ا جولائی ۱۹۱۵ء۔ سنت آکر جیوؤں کو چتاتے ہیں۔ وہ نہایت سیدھی سادی
زبان اور مروجہ عام زبان میں گفتگو کرتے ہیں۔ علمی زبان اور عالموں کی زبان سے
اس قدر تعلق نہیں رکھتے۔ کیونکہ علم و عقل کے محاورات پیچیدہ ہوتے ہیں۔ اور پھر
بسا اوقات شبد کے جال میں پھنسا کر جیوؤں کے اہنکار کو بڑھا دیتے ہیں۔ اور
اہنکاری جیو میں ایک نہیں ہزاروں اسی قسم کے غرور ہوتے ہیں۔ زبان کی شستگی کا
غرور۔ ودیا کا غرور۔ منطقی دلائل کا غرور۔ کل۔ جاتی۔ خاندان۔ اور نسل کا غرور۔ طرز
معاشرت کا غرور۔ آداب اور تہذیب کا غرور۔ الغرض کوئی کہاں تک اس پیچیدا چکر میں
والی رہتی کے اینٹھنوں کی تفصیل سنائے۔ اس کے بیچ میں پڑے ہوؤں کا کبھی
چھٹکارا نہیں ہوتا۔ اور یہ سچے اُپدیش کے ادھکاری ہوتے ہیں۔ ادھکاری وہ
ہیں جو سنسار کی مختلف الحالی کے دکھوں سے پریشان ہو کر تراہ ماں تراہ ماں کرتے
ہیں۔ سنت اپنی تعلیم سے اشارہ اشارہ میں ایسے جیوؤں کو بلند نظر اور وسیع خیال بنا کر

اور اپنے چرنوں میں لگا کر اپنے لوک کو لیجاتے ہیں - اور مکتی دلاتے رہتے ہیں ✤

۱۵ - جولائی ۱۹۱۷ء [۱۵۵] - سنت سمجھاتے رہتے ہیں کہ " اصول ایک ہے - اصول میں بھید نہیں ہے - اختلافات جو نظر آتے ہیں وہ صرف ستا کے منڈل کا نتیجہ ہے جزویات اور فروعات ستا میں ہے - ست کُل ہے - کُل میں جز کا سوال نہیں ہوتا - اور کُل ہی ذات کا نام ہے " پہلے وہ جز کی مختلف صورتوں کا بتہ بخشتے اور کُل کی طرف جس کو ست کہتے ہیں - نگاہ کو ٹھہراتے ہیں - اور جب جز کی طرف سے نظر بالکل ہی ہٹ جاتی اور کُل پر ٹھہرنے لگتی ہے - تب ذات کا اور نج روپ کا پتہ دیتے ہیں - جہاں کُل اور جز کا سوال پھر نہیں اُٹھتا - ستا کیا ہے ؟ یہ سایہ محض ہے - جس کی تشریح کس نے پہلے کر دی ہے - سایہ ہی میں بھرم ہے - جو سایہ کو دیکھتا ہے اُسی کا ابھمانی ہو کر اُسی کا روپ اپنے آپ کو سمجھنے لگتا ہے - اور دکھی ہوتا ہے - دکھ سکھ - نیکی بدی - آنا جانا - جز میں ہے - کُل نہ کہیں آیا نہ گیا - وہ مدمقتضا ہے - بڑھن اور گھٹنی بھی جز میں ہے - اس میں تعینات اور ہستی کی حالتیں نظر آیا کرتی ہیں - کُل میں ان کا وہم بیجا ہے - کیونکہ اُس میں یہ معدوم ہیں ✤

جو دیسے سو سکل تو ہے - پیر پا پاسرار
کہو نانک گورو بھرم کاٹا - سکل برہمہ بچار

اور پھر ایسا ہو جاتا ہے - کہ اندر باہر صرف کُل ہی کُل بھاسنے لگتا ہے - اور سارا پسارا کُل پرتیت ہونے لگتا ہے - اور جب گورو کی دیا سے بھرم کٹ جاتا ہے - تو پھر برہمہ وچار کے سوا اور کچھ نہیں رہتا ✤

۱۵ - جولائی ۱۹۱۷ء [۱۵۶] - اگر ایسی نگاہ بنجائے تو پھر کیا کہنا ہے ! ذات میں نہ حد ہے نہ بے حدی ہے - محدودیت ہی میں حرکت ہے - اور یہ حرکت بھی صرف احساس کا دھوکا ہے - اس احساس کے دھوکے ہی میں ابتدا انتہا - اوّل آخر - اور آواگون ہے - اسی

یہ گیان دھیان - پوجا پاٹ - بھوگ سوگ - جوگ بیوگ روگ سب کچھ ہے - اس سے
نقش ہٹا لو - اور پھر کہیں کچھ بھی نہیں ۔

۱۵۸
۵ اجولائی ۱۹۱۲ء - مگر اس سے نظر ہٹانا آسان تو نہیں ہے من کی عادت
پڑ گئی ہے - وہ رات دن اسی کا عمل و شغل کرتا رہتا ہے - اس سے ہٹے بھی تو کیسے
ہٹے! اس لئے سنتوں نے سمجھایا کہ بیراگ اور ابھیاس کرو - زن - زر اور زمین کی
کامنا چھوڑو - تو کیسے کے لئے تقدیر کے حوالہ کرو - جو ویراگ ہے - اور اپنے اندر سُرت شبد یوگ
کا ابھیاس کرو - باہر کچھ کرنا دھرنا نہیں ہے - ویراگ اور ابھیاس من ہی کے منڈلوں
میں ہوا اور جب من اُن تمام منڈلوں کو عبور کر کے اوپر چڑھ جائے گا - جن سے وہ
اُترتا چلا آرہا ہے - اور ستنا میں جا کر اپنا روپ دیکھ لیگا - تو یہ دھوکا مٹ جائیگا - اور
وہ پھر کچھ دنوں کے واسطے ست کا ابھیاسی بنے گا - اور اُسی کا روپ بننے لگیگا پھر
جب یہ حالت نصیب ہو جائے گی تو یہ ابھیاس بھی جاتا رہیگا - اور من مایا کا غلاف
ہمیشہ کے لئے دگدھ ہو جائیگا - اور سنتیم کیولم رہ جائے گا - جو آدرش ہے اور اسی
کی چوٹی کی اوستھا کو رادھا سوامی کہا جاتا ہے ۔

۱۵۹
۶ اجولائی ۱۹۱۲ء - پہلے نظر کو جسم کے طبقات سے ہٹا کر تیسرے تل میں جاؤ
اور وہاں جیوتی اور جیوتی نرنجن کا درشن کرو - پھر اویاکرت کو درشٹی میں دیکھو - اور پھر
کا علم مہاسن کے منڈل میں پراپت کرو - پھر بھنور گپھا میں اصلی ستنام اور مہا کال کا درشن
پاکر ست لوک کو اپنے ہی اندر سالشاتکار کرتے ہوئے رادھا سوامی دھام کے باسی
بن جاؤ - یہی کل ہے - یہی ذات ہے - یہی نج روپ ہے - یہی پرم پد ہے - اور
سنسار کا دوند یہاں چلے آنے سے ہمیشہ کے لئے مٹ جاتا ہے - کیونکہ جب من ہی
نہ رہا تو پھر دوند اور ستنادی دی لتوں کو پیدا کون کرے گا!

۱۶۰
۷ اجولائی ۱۹۱۲ء - جو کچھ ہے وہ من کا کھیل ہے - من ہی کثیف اور لطیف

ہتے۔ اور من ہی بندھ اور موکش ہے۔ اس من کا مسالہ ستّا میں رہتا ہے۔ وہ چکّر کھا کر گرہیں بناتی ہیں۔ سب سے بڑی گرہ بھنور گپھا میں بنتی ہے۔ پھر اسی من سے کارن۔ سوکشم۔ اور ستھول روپ میں ہرنیہ گربھ اوّیا کرت اور وراٹ بنتے ہیں۔ اور جگت کا پسارا چلتا ہے۔ ان میں سے کسی کو بھی اپنا اِشٹ نہ مانو۔ ورنہ ان کی باہر جانا مشکل ہوگا۔ یہ تینوں ہی اُتپتی۔ استھتی اور پرلے کے پیٹ میں ہیں اور تمھارے جاگرت۔ سوپن اور سوشپتی کی حالتوں سے بہت مشابہت رکھتے ہیں۔ انھیں کے سلسلہ کو ترکال چکّر کہا جاتا ہے۔ اگر ان میں سے کسی کو دِل دیا تو مارے گئے۔ میعادی مکتی تو مہاپرلے میں ضرور ملے گی۔ مگر اُتھان کے وقت پھر نیچے آنا۔ اور جنم مرن کا دکھ اُٹھانا پڑے گا۔ جیسے تم بیداری سے سوپن میں۔ سوپن سے سُوشپتی میں جاکر گہری نیند لیتے ہو۔ اور پھر وہاں سے واپس آکر سُوشپتی سے سوپن اور سوپن سے جاگرت کے دایرہ میں گر پڑتے ہو ویسے ہی مہاپرلے ہونے پر پہلے تمام رچنا وراٹ میں لئے ہو کر اوّیا کرت میں سماتی۔ اور ہرنیہ گربھ میں چلی جاتی ہے۔ اور پھر جب رچنا کی باری آتی ہے۔ تو ہرنیہ گربھ سے اویا کرت اور اویا کرت سے وراٹ میں واپس چلی آتی ہے۔ اور جگت کا دوند بھاسنے لگتا ہے۔ اس وجہ سے صرف رادھا سوامی دھام کا اِشٹ باندھو۔ جو اکال ہے اپار ہے۔ اَنامی ہے اور ارُوپ ہے اور سُرت شبد یوگ کے ابھیاس سے ان کے مقامات کو طے کرتے ہوئے اُس پرم دھام کی طرف چلے جاؤ۔ یہہ کہنے کا مطلب ہے۔ پھر تم کو اس رچنا میں آنے کا کھٹکا نہ رہے گا +

۱۵ جولائی ۱۹۱۷ء - بعض لوگ سوال کرتے ہیں۔ کہ یہ جو تند کیر اور تنانیث کی جنسیت ہے وہ اسی طبقہ سے مخصوص ہے یا آگے کے منڈلوں میں بھی ہے؟ ان کے سمجھانے کے لئے میں یہہ کہتا ہوں کہ جہاں جہاں ستّا کا پرکھاد ہوگا وہاں وہاں

یہ صدور میں گئے - چاہے ان کی شکل وصورت کا پتہ لگے - خواہ نہ لگے - اصل میں
جس کو تذکیر اور تانیث کہا جاتا ہے وہ نفی اور اثبات کی متضاد صورتیں ہیں - وہ ترک و سوگ
دونوں ہی میں ہوتی ہیں - کیونکہ ترک اور سوگ دونوں ہی رچنا کے منڈل ہیں
ہیں سادھو انھیں دونوں دھاروں نے یہ تولید تناسل اور بڑھانے بڑھنے کا سلسلہ
چلایا ہے - اس دنیا میں تو تم کو یہ ہر جگہ پر ظاہر ہوتے ہیں - یہاں تک کہ درخت،
پھول، پتوں اور ذروں ذروں میں ان کی موجودگی کا پتہ چلتا ہے - دیو لوک میں
جو ورات کا منڈل ہے - دیوی اور دیوتاؤں کا پتہ پوران دیتے ہیں - وشنو کے ساتھ
لکشمی - برہما کے ساتھ برہمانی - اور درگا پتری اور شیو کے ساتھ پاروتی ہے - برہم لوک
میں تم جانتے ہی ہو - کہ برہم اور مایا ساتھ ساتھ ہیں - پُرش اور پرکرتی کا کھیل کہاں
نہیں ہے - پشن کے منڈل میں یہ دونوں مل کر ایک ہوئی ہوتی ہیں - اور وہاں کے
رہنے والے ہنس کہلاتے ہیں - جن میں جذبات نفسانی دبی ہوئی صورتوں میں پائے جاتے
ہیں - یہاں ہی اس نے کہا تھا میں ہوں - اور اہنکار روپ میں پرگٹ ہو کر بیج کے دو
ملے ہوئے ٹکڑوں کی طرح اپنے آپ کو دو حصوں میں تقسیم کر کے رچنا کرنا شروع کیا - اور
پُرش پرکرتی بن گیا - یہ شاستروں کی بات ہے - اس سے آگے بھنور گپھا - یعنی
تپ لوک میں اس کی حیثیت کا پتہ ست اور رستا کی صورت میں لگتا ہے - یہاں تک
تو اس کا انومان ہوتا ہے - اس کے آگے چونکہ کلیت اور وحدت ہے - وہاں اس
کی نہ ضرورت ہے - اور نہ اس کے احساس کی احتیاج ہے - کیونکہ میں نے پہلے
ہی کہہ دیا ہے کہ رستا کا منڈل ست لوک کے نیچے ہے - یہاں تک تو تذکیر و
تانیث کا سوال پیدا ہو سکتا ہے - اور کبھی سے اس کا جواب بھی دیا جا سکتا ہے -
آگے یہ نہیں ہے - اور نہ وہاں یہ سوال اٹھ سکتا ہے - اور نہ اٹھانا چاہیے -
دوئی کا مٹنا ہی مقصود ہے - جب باسنا اور خواہش سے علیحدگی ہی ہو گئی - تو

پھر یہ کیوں پوچھا جائے!

نوٹ - سردار ٹیک سنگھ پٹیالہ سے ملنے اور ستسنگ کی جگتی دریافت کرنے آئے ہیں - اس لئے آج اتنا ہی لکھا جاتا ہے - کل اور لکھا جائیگا +

---

۱۴ - جولائی ۱۹۱۷ء - چونکہ خود ستا میں سنت سے الگ ہو کر تمیز کرانے والے اثرات قدرتاً موجود ہیں - اس لئے یہ خاصہ اس کے تمام کاروبار اور کاروبار کی صورتوں میں رہتا ہے - یہاں تک کہ یہ ستّا خود بھی تمیزی سُمات اپنے اندر رکھتی ہے اور جب تک اس پر نظر جمی رہے گی - ایک نہیں - ہزار اور لاکھ کوشش کی جائے - دل سے مغایرت اور تفرقہ کے خیالات کبھی دُور نہ ہونگے - اور یہ طرح طرح کی صورتیں برابر گھڑتی ہی رہیں گی +

تمہارے جسم کے رگ و ریشوں میں اختلافات - خون کی ایک ایک بوندوں - ہڈیوں کے ذرّوں - جوڑ اور مساموں - گوشت پوست کے حصّوں اور تمام جسمانی اعضا بال رونگٹوں - وغیرہ سب ہی جدا جدا صورتیں رکھتے ہیں - سر کے بالوں میں ممکن نہیں کہ تم دو بال ایک جیسے شاید دیکھ سکو - آنکھ - ناک - کان - وغیرہ کے گوشے باہم کبھی ایک جیسے نہیں ہوئے اور نہ ہونگے - یہ ایک تمہارے اپنے جسم کا حال ہے - پھر اپنے بھائیوں کو دیکھو - گو تم سب ایک ہی باپ کے اولاد ہو - کیا ایک طرح کی صورتیں اور ایک ہی طرح کے اوصاف - اخلاق - جذبات - اور احساس رکھتے ہو؟ کبھی نہیں - کیونکہ ستّا پر کرتی - مایا - اور صفات کے طبقہ میں مشابہت اور مماثلت کا کہیں پتہ تک نہیں ہے - قومیں قوموں سے مختلف - آدمی آدمیوں سے مختلف - ملک ملکوں سے مختلف پہاڑ پہاڑوں سے - درخت درختوں - ذرّہ ذرّوں سے - قطرہ قطروں سے جُدا جُدا اور باہم غیر مشابہ ملیں گے - کسی درخت کے پتّے - کسی کتاب کے دو ورق - کسی آدمی کے

تمیزی ذرّات

دو خیال ایک جیسے ہو نہیں سکتے۔ کیونکہ اس کا امکان اس اختلاف کے طبقہ میں محال ہے ؛

۱۴۲ ۱۹ جولائی ۱۹۱۱ء۔ مدرسہ کا اُستاد تمام لڑکوں کو پڑھاتا ہے۔ مگر چونکہ سب کے دل و دماغ باہم کر مختلف ہیں۔ اُس کی تعلیم کا اثر ایک جیسا نہیں ہوتا۔ طبایع جُداگانہ ہیں۔ کسی کو کوئی علم پسند ہے۔ اور کسی کو کوئی۔ کوئی ایک قسم کے پیشہ کو پسند کرتا ہے۔ کوئی دوسرے کو۔ ایک اور طرح کی ترقی کرتا ہے دوسرا اور طرح کی۔ ایک کی حیثیت اور ہے دوسرے کی اور ہے۔ جے سنگھ سوائی نے جے پور کے آباد کرتے وقت ارادہ کیا کہ گو اُس کی اس خوبصورت ایشیائی شہر کے آمنے سامنے کے مکانات رنگ روپ اور جسامت اور نقش و نگار کے لحاظ سے باہم مشابہ ہوں۔ مگر وہاں جا کر غور سے دیکھو۔ سب میں اختلافات نظر آئیں گے۔ اہل مذاہب نے سب کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکنے کی کوشش کی۔ نتائج ہمیشہ برعکس ہوئے۔ مکانات کے نقشے ایک دوسرے کو دیکھ کر بنائے گئے۔ مگر اُن کے درمیان امتیازی فرق کو کوئی بھی نہ مٹا سکا۔ ایمن بنے۔ سوسائٹیاں قایم ہوئیں۔ ویدِک آشرم کی بنیاد رکھی گئی۔ مگر مماثلت اور مشابہت کے بیچ اُن کے افراد میں ہمیشہ مختلف ہی رہے۔ اور ایسا کیوں نہ ہو۔ کیونکہ یہ حقیقت ترکنا ترکیب ہے۔ دیش۔ کال اور وستو جیسے زبردست پر اثر انداز ہو رہے ہیں۔ اِن پر غالب آنا انسانی حد امکان سے باہر ہے۔ کیونکہ سناسب میں تمیزی تدات لمحہ لمحہ قایم کرتی رہتی ہے یہی سبب ہے۔ کہ سنتوں نے کبھی جان بوجھی چھیڑ چھاڑ نہیں کی۔ اور نہ سب کو عام طور پر حقانیت کی دعوت یکساں طریق پر دی۔ وحدت میں بھی اس طبقہ میں آ کر کثرت رہتی کیونکہ سب کے جذبات متشابہ اور متماثل نہیں ہیں ؛

۱۴۳ ۱۵ جولائی ۱۹۱۱ء۔ سیاسی اصول پر تمام ستارے اور سیارے مختلف الصورت ہیں۔ اُن کے اثرات بھی جو جیوں پر پڑتے رہتے ایک جیسے نہیں ہوتے۔ اور پھر اسی نظام

(سنتوں کی پالیسی)

شمسی کے ستارے اور سیارے مختلف الخواص اور مختلف الشکل ہیں۔ کسی میں کوئی خصوصیت ہے اور کسی میں کوئی خصوصیت ہے۔ منگل میں طاقت ہے۔ کیونکہ وہ طاقت کا بھنڈار ہے۔ برہسپتی میں ذہانت ہے۔ کیونکہ وہ ذہانت اور عقل و ذکا کا بھنڈار ہے۔ شکر میں بیج ہے کیونکہ وہ بیج کا بھنڈار ہے۔ سورج میں پران کی شکتی ہے۔ کیونکہ وہ پران کا بھنڈار ہے۔ چاند میں رطوبت اور مادی نمی ہے کیونکہ وہ ان کا بھنڈار ہے۔ اور علیٰ ہذالقیاس۔ اور چونکہ ہم میں ان سب کے عکسی مقامات اور اثرات موجود ہیں۔ ہمارے اندر بھی یہ سب خواص۔ تاثیرات۔ اور ان کے عکسی بھنڈار ہیں۔ اور ہم اور ہمارے دل بھی اسی طرح کے کاروبار کرنے پر مجبور ہیں۔ ہم خود سورج ہیں اور اپنے اندر سورج اور اس کے نظام شمسی کو مقید رکھتے ہیں۔ کیسے ممکن ہے کہ ان کی موجودگی میں ہمارا طرز عمل اور بیوہار ایک جیسا ہو +

۱۹۴

۱۴۔ جولائی سنہ ۱۹۱۷ء۔ مایا کے پنڈ دیس میں توان اختلافات کا ستھول روپ میں رہنا ضروری ہی ہے۔ لیکن یہ برہمانڈ۔ برہم۔ اور پربرہم میں بھی ہیں۔ جیسا کہ ہم نے پہلے تم کو بتا رکھا ہے۔ صرف اتنا فرق ہے کہ وہ لطیف ہے۔ اور یہ کثیف ہے۔ وہ بسیط اور محیط ہے۔ یہ محدود ہے۔ اس میں اور ان میں یہ تمام حالتیں تھیں۔ تب تو اس پنڈ میں اور ہم میں آئیں۔ وہاں نہ ہوتیں تو یہاں بھی نہ ہوتیں۔ اس لئے اگر کسی نے پنڈ دیس کا خیال چھوڑ کر کال دیس کے برہم اور پربرہم کا اِشٹ باندھا تو بات تو وہی رہی۔ صرف لطافت اور کثافت کا فرق رہ گیا۔ جیسا یہ ویسا ہی وہ۔ اور اس کے اِشٹ سے مکتی یا نربان کی امید رکھنا غلطی اور بھول میں داخل ہے +

۱۹۵

۱۵۔ جولائی سنہ ۱۹۱۷ء۔ جو جس کا اِشٹ باندھتا ہے وہ کثرت کے ساتھ اس کے اثرات اپنے اندر قبول کرسکتا ہے۔ منگل کے پوجاری کو بلوان۔ برہسپتی کے معتقد کو بدھی وان۔ اور سورج کے پوجنے والے کو پرکاشوان اور تیجسوی ہونا چاہئے۔

اسی طرح جو جیو پرارتھنا کی اِشٹ باندھتا ہے۔ وہ نادانستہ اپنے جذبات اور محسوسات
کو شکل دیکر جیو بنا مار رہتا ہے۔ اور علیٰ ہذا القیاس۔ پھر کیا وجہ ہے کہ انسان کم از کم
سب سے اونچا اِشٹ نہ دھارن کیے۔ اس قدر تو اُس کو خود سوچنا سمجھنا چاہیے۔

ہمت بلند دار کہ پیشِ خدا و خلق
باشد بہ قدرِ ہمت تو اعتبار تو

۱۴۱

۱۰ جولائی سنہ ۱۹۱۶ء۔ یہ شکایت کی جاتی ہے کہ من چنچل رہتا ہے۔ اور پھر یہ من
چنچل کیوں نہ رہے۔ چنچلتا تو اس کا گُن ہے۔ یہ ستّا کے سمندر میں پیدا ہوا ہے۔
جیسے وہ سمندر لہراتا رہتا ہے ویسے ہی یہ بھی لہراتا رہیگا۔ ہاں جیسے اُس میں وقتاً
فوقتاً گرہیں بنتی بگڑتی رہتی ہیں۔ ویسے ہی اس میں بھی گرہیں پڑ پڑ کر بنتی بگڑتی
رہیں گی۔ کبھی یہ ورتیوں کو سمیٹ کر منڈلاکار بنے گا۔ کبھی ورتیوں کو باہر کی طرف
ودھارکی صورتوں میں پھینکتا ہوا سنسار کا کاروبار کرے گا۔ یہ ہر دو حالتیں اس
کے سنساری ہونہار پڑھنے لکھنے اور بھوگ ولاس کے کھیل کھیلنے میں نظر آتی ہیں
اور یہ جس جس چیز سے تعلق پیدا کرتا رہتا ہے۔ اسی کا روپ بنتا رہتا ہے۔ جیسے
ستّا میں اتحاد اور تفرقہ۔ اور اس کے ذرات میں انفصال اور اتصال کا مادہ موجود
ہے۔ ویسے ہی اس کے اندر بھی ہے۔ جب تک من کا تعلق اس سنسار سے ہے
وہ کبھی اس سے علیحدہ نہ ہو سکیگا۔ یہ باہر مکھی ہے۔ اور باہر مکھی ہونے کے سبب
سے باہر کے پدارتھوں کو دیکھتا۔ اُن سے ملتا۔ اور اُن کو چھوڑتا رہتا ہے۔ اور لمحہ
لمحہ اس میں تبدیلی آتی رہتی ہے۔ اسی تبدیلی کو وسیع معنی میں تم آواگون کا نام
دے سکتے ہو۔ یہ تبدیلی اُس میں بُدھی کی وجہ سے ہے۔ بُدھی نشچے آتمک یعنی
یقین دلانے والی تتّو ہے۔ من بُدھی کے ادھار سے تجربہ کو وسیع کرتا ہوا کسی سنساری
چیز کو چھوڑتا ہے۔ اور پھر کسی کو گرہن کر لیتا ہے۔ اور کبھی کچھ کبھی کچھ بنتا رہتا ہے

بودھوں کے ایک فرقہ نے اسی بدھی کو اصلی تتو سمجھ کر اسی سے لو لگایا۔ اور وہ وجنگ وگیان وادی کہلائے۔ کیونکہ بدھی ہی کا دوسرا نام وگیان ہے۔ من اونچے چڑھکر بدھی سے رشتہ تعلق جوڑ لینے پر بھی سنسار کے بندھن سے کبھی نہیں چھوٹ سکتا۔ کیونکہ بدھی پرپنچ کا روپ ہے۔ اور وہی برہمانڈ اور پنڈ میں محیط ہو کر پیچ در پیچ ہوتی ہوئی اس پسارے کو رچتی رہتی ہے۔

بودھ وگیان وادی

۱۴۷
۱۶۔ جولائی ۱۹۱۶ء۔ اسی طرح بودھوں کا ایک فرقہ شونیہ وادی کہلاتا ہے اس نے سُن استھان کو جسے ہرنیہ گربھ کہا جاتا ہے۔ اپنا منزل مقصود ٹھہرایا۔ اور اُسی میں جذب ہوتا رہا ۔ یہ اور کچھ نہیں ہے۔ بلکہ ہماری سوشپتی کا روپ ہے یہاں چڑھنے سے سمادھی تو گہری لگے گی۔ مگر پر برہمہ اور برہمہ کے جاگتے پر پھر وہی پرپنچ کھڑا ہو جائیگا۔ اور آواگون نہیں مٹ گیا +

شونیہ وادی

۱۴۸
۱۶۔ جولائی ۱۹۱۶ء۔ بودھوں کا ایک فرقہ مادھیمک ہے۔ جو درمیانی راہ پر چلنے ہی کو سب کچھ قرار دیتا ہے۔ مدھیہ مارگی ہونا تو ٹھیک ہے۔ سنت مت میں بھی درمیانی راہ اختیار کرنی پڑتی ہے۔ مگر یہ مقصد نہیں ہے۔ ذریعہ محض ہے۔ اس راہ کی پیروی کرنے سے ست است کے نرنے کرنے میں سہولیت ضرور ہوتی ہے مگر اصلی فائدہ تو تب ہوگا جب مقامات کا حال اور پتہ لے کر دونوں سے اوپر چڑھکر اصلیت سے ہمکنار ہو۔ اگر صرف وچار ہی میں رہ گئے۔ تو ہاتھ کیا آیا! دوندے سے اوپر تو نہ جا سکے

مادھیمک

۱۴۹
۱۶۔ جولائی ۱۹۱۶ء۔ بودھوں کا چوتھا فرقہ یوگاچاریہ کا پیرو ہے۔ جو یوگ کو اہمیت دیتا ہے۔ اور ان کے یہاں شبد یوگ کے سادھن کا بھی پتہ لگتا ہے۔ اور بہت سی کتابیں اُس کے متعلق مبہم اور غیر واضح شدہ خیالات ملتے ہیں۔ یوگ اور سب سے زیادہ شبد یوگ پرمارتھ کی راہ میں مددگار ہوتا ہے۔ مگر یہ بھی مقامات کی صراحت اور

بودھ یوگاچاریہ

اسی طرح جو جیسا ارتھ کا اثر باندھتا ہے۔ وہ نادانستہ اپنے جذبات اور محسوسات کو یہ شکل دیگر چیز بنا رہتا ہے۔ اور علیٰ ہذالقیاس۔ پھر کیا وجہ ہے کہ انسان کم از کم سب سے اونچی اشٹ نہ دھارن کرے۔ اس قدر تو اس کو خود سوچنا سمجھنا چاہیئے +

ہمت بلند دار کہ پیش خدا و خلق
باشد بہ قدر ہمت تو اعتبار تو

۱۹۹
۱۰۱- چولا لی سنہ ۱۹ءکا سمجھ- یہ شکایت کی جاتی ہے کہ من چنچل رہتا ہے۔ اور پھر یہ من چنچل کیوں نہ رہے؟ چنچلتا تو اس کا گُن ہے۔ یہ ستا کے سمندر میں پیدا ہوتا ہے۔ جیسے وہ سمندر لہراتا رہتا ہے ویسے ہی یہ بھی لہراتا رہیگا۔ ہاں جیسے اس میں وقتاً فوقتاً لہریں بنتی بگڑتی رہتی ہیں۔ ویسے ہی اس میں بھی لہریں پڑ پڑ کر بنتی بگڑتی رہیں گی۔ کبھی یہ ورتیوں کو سمیٹ کر منڈلا کا رہنے گا۔ کبھی ورتیوں کو باہر کی طرف وہاں کی صورتوں میں پھینکتا ہوا سنسار کا کاروبار کرے گا۔ یہ ہر دو حالتیں من کے سنساری بیوہار- پڑھنے لکھنے اور بھوگ ولاس کے کھیل کرنے میں نظر آتی ہیں اور یہ جس جس چیز سے تعلق پیدا کرتا رہتا ہے۔ اسی کا روپ بنتا رہتا ہے۔ جیسے ستا میں اتحاد اور تفرقہ- اور اس کے ذرات میں انفصال اور اتصال کا مادہ موجود ہے۔ ویسے ہی اس کے اندر بھی ہے۔ جب تک من کا تعلق اس سنسار سے ہے وہ کبھی اس سے علیحدہ نہ ہو سکیگا۔ یہ باہر مکھی ہے۔ اور باہر مکھی ہونے کے سبب سے باہر کے پدارتھوں کو دیکھتا۔ ان سے ملتا۔ اور ان کو چھوڑتا رہتا ہے۔ اور لمحہ لمحہ اس میں تبدیلی آتی رہتی ہے۔ اسی تبدیلی کو وسیع معنی میں تم آواگون کا نام دے سکتے ہو۔ یہ تبدیلی اس میں بدھی کی وجہ سے ہے۔ بدھی سچے نشچے اتمک یعنی یقین دلانے والی قوت ہے۔ من بدھی کے ادھار سے تجربہ کو وسیع کرتا ہوا کسی سنساری چیز کو چھوڑتا ہے۔ اور پھر کسی کو گرہن کر لیتا ہے۔ اور کبھی کچھ سے کچھ بنتا رہتا ہے

بودھوں کے ایک فرقہ نے اسی بدھی کو اصلی تتو سمجھ کر اسی سے لو لگایا۔ اور وہ چھنک وگیان وادی کہلائے۔ کیونکہ بدھی ہی کا دوسرا نام وگیان ہے۔ من اونچے چڑھکر بدھی سے رشتہ تعلق جوڑ لینے پر بھی سنسار کے بندھن سے کبھی نہیں چھوٹ سکتا۔ کیونکہ بدھی پرپنچ کا روپ ہے۔ اور وہی برہمانڈ اور پنڈ میں محیط ہو کر پیچ در پیچ ہوتی ہوئی اس پسارے کو رچتی رہتی ہے +

چھنک وگیان وادی

۱۶ جولائی ۱۹۱۷ء۔ اسی طرح بودھوں کا ایک فرقہ شونیہ وادی کہلاتا ہے اس نے سن استھان کو جسے ہرنیہ گربھ کہا جاتا ہے۔ اپنا منزل مقصود ٹھہرایا۔ اور اسی میں جذب ہوتا رہا ۔ یہ اور کچھ نہیں ہے۔ بلکہ ہماری سوشپتی کا روپ ہے یہاں چڑھنے سے سمادھی تو گہری لگے گی۔ مگر پربرہمہ اور برہمہ کے جاگتے پر پھر وہی پرپنچ کھڑا ہو جائیگا۔ اور آواگون نہیں مٹ گیا +

شونیہ وادی

۱۶ جولائی ۱۹۱۷ء۔ بودھوں کا ایک فرقہ مادھیمک ہے۔ جو درمیانی راہ پر چلنے ہی کو سب کچھ قرار دیتا ہے۔ مدھیہ مارگی ہونا تو ٹھیک ہے۔ سنت مت میں بھی درمیانی راہ اختیار کرنی پڑتی ہے۔ مگر یہ مقصد نہیں ہے۔ ذریعہ محض ہے۔ اس راہ کی پیروی کرنے سے ست است کے پرکھنے کرنے میں سہولیت ضرور ہوتی ہے مگر اصلی فائدہ تو تب ہوگا جب مقامات کا حال اور پتہ لے کر دونوں سے اوپر چڑھ کر اصلیت سے ہمکنار ہو۔ اگر صرف وچار ہی میں رہ گئے۔ تو ہاتھ کیا آیا! دونوں سے اوپر تو نہ جا سکے!

مادھیمک

۱۶ جولائی ۱۹۱۷ء۔ بودھوں کا چوتھا فرقہ یوگاچاریہ کا پیرو ہے۔ جو یوگ کو اہمیت دیتا ہے۔ ان کے یہاں شبد یوگ کے سادھن کا بھی بتہ لگتا ہے۔ اور بہت سی کتابیں اس کے متعلق مبہم اور غیر واضح شدہ خیالات ملتے ہیں۔ یوگ اور سب سے زیادہ شبد یوگ پرمارتھ کی راہ میں مددگار ہوتا ہے۔ مگر یہ بھی مقامات کی صراحتا اور

یوگاچاریہ

اور فصاحت کا محتاج ہے۔ اور بغیر گورو کی مدد کے راہ رکاوٹ کا پتہ نہیں ملتا۔ یوگا چاریہ کی شاخ میں ایک ساتھ بہت سے شبدوں کا حال ملتا ہے۔ مگر بغیر ٹھکانے سے یہ نہیں معلوم ہوتا۔ کہ کس ستھان پر کون شبد گونجتا ہے۔ اور کس کے دھیان پریئے سے اوپر کی طرف چڑھائی ہو سکتی ہے۔ اس لئے اب آج کل وہ بھی بیصرف ہو گیا ہے۔ اور جیوں کا کلیان اس سے نہیں ہوتا۔ اور جس طرح ہمارے یہاں سنت مت کی مختلف شاخوں کے پیرو ابھیاس کی جگتی بھول گئے۔ ویسے ہی یہ بھی بھولے ہوئے ہیں۔ اور ایک بھی آدمی تو کہیں نہیں نظر آتا۔ جو ابھیاس کرتا ہو۔ خواہ اس کی اہمیت کو جانتا ہو۔

۱۴۱۔ جولائی ۱۹۱۷ء۔ ان میں سے خواہ اور کسی مت فنا نتر کے عیب دکھانا ہمارا منشا نہیں ہے۔ ہم خود کہتے ہیں۔ کہ بُدھی اور وگیان کے بل سے ست است کا ترسنے کرو۔ ہم آپ بتاتے ہیں۔ کہ شُن سمادھی کا سادھن کرو۔ ہم خود تعلیم دیتے ہیں کہ درمیانی راستہ اختیار کرو۔ اور ہماری ہدایت بھی یہی ہے۔ کہ یوگ کا سادھن ضرور کرو۔ بودھوں کی کسی شاخ کو ہم غیر اہم نہیں قرار دیتے۔ بلکہ ان کی مجموعی حیثیت کی تعظیم کرتے ہوئے انکے ذریعوں اور وسیلوں اور سادھنوں سے کام لیکر اصلی مقصد یعنی ساکشاتکار کرنے اور اس کے ابھاس ہونے کی تدبیر سمجھاتے ہیں۔

۱۴۲۔ جولائی ۱۹۱۷ء۔ لوگ کہتے ہیں کیسا چڑھنا اُترنا؟ اور کیسا آنا جانا؟ چیتن میں چڑھنا اُترنا اور آنا جانا کہیں نہیں ہے۔ یہ سچ ہے۔ مگر کہاں؟ جب چیتن کے طبقہ پر نشست ہو تب یہ بات سچی ٹھہرے۔ ابھی تک تو ہم مایا کے حدبست کے اندر اپنے آپ کو دیکھ رہے ہیں۔ سانسی کے میونار میں لپٹ ہیں۔ آتے جاتے اور چڑھتے اُترتے ہیں۔ اور اس مایا کا چکر ہر چہار طرف گھومتا ہوا ہم کو پر تیت ہو رہا ہے۔ اور جب یہ پرتیت ہو رہا ہے۔ تو پھر وحدت اور وحدانیت کے کلام زبان سے دہراتے

رہنا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ بیوہار میں ہم چڑھنا اُترنا۔ آنا جانا دیکھتے ہیں۔ جیو کا استھان جاگرت سوپن اور سُوشپتی میں بدلتا رہتا ہے۔ زخم شدید کھانے اور دُکھی ہونے پر ہم کو صاف نظر آرہا ہے۔ کہ جیو دماغ کی طرف کھنچ جاتا ہے۔ اور اُس میں جاکر وہ بےحس وحرکت بن جاتا ہے۔ یہ ہماری زندگی کا روزانہ معمول ہے۔ آدمی کوٹھے پر سے گرا۔ زخم آگیا سدرہ بڑھا۔ اور جیو شریر کی اِندریوں کے طبقہ کو چھوڑ کر دماغ کی طرف چلا گیا۔ حکیم کہتے ہیں اس کو سو جانے دو۔ تب مرض میں کمی آئے گی اور کون شخص انکار کر سکتا ہے کہ ان حالتوں میں جیو اُوپر کی طرف نہیں چڑھتا۔ اوپر اُسکو کا طبقہ ہے۔ کیونکہ وہ لطیف ہے۔ اور اس لئے سادھن کرکے کثیف طبقہ سے دزنیوں سے اُوپر لے جانے اور اُن کے کسی خاص مرکز پر مُتمد کرنے کا عمل بتایا جاتا ہے۔ سوپن اور سُوشپتی میں ہم بے اختیاری کے ساتھ جاتے ہیں۔ سنتوں کا حکم ہے کہ سادھن کرکے با اختیار خود جاؤ۔ تاکہ اُن کا علم حاصل کر سکو۔ یہ علم دو حالتوں کی ملاپ کے مقام پر ہوتا ہے۔ مثلاً جاگرت اور سوپن کے مِلونی کے استھان پر ٹھہرو۔ اور دونوں کا علم حاصل کرلو۔ پھر سوپن اور سُوشپتی کے ملاپ کی جگہ پر ٹھہرنے کا سادھن سیکھو۔ تاکہ بلا بےخبری کے اُن کے رُوپ پر عبور پا سکو۔ اِسی مِلونی کے استھان کو سندھیا اور سندھیا انش کہتے ہیں۔ اور وِچار۔ غور و فکر۔ اور پُوجا۔ یہاں اِسی وقت میں ہونی چاہیئے۔ جو شخص ان استھاؤں کو سمجھ لے وہ وراٹ۔ اویاکرت اور ہرنیہ گربھ کی حالتوں کا بھی انومان کر لیگا۔ اور یہ انومان بغیر اُونچے اپنے دماغ میں چڑھے ہوئے ٹھیک ٹھیک نہ بن سکیگا۔ اور یہ شریر شبد یوگ کی مدد سے ممکن ہے۔

۱۶ جولائی ۱۹۱۷ء۔ جب ستّا کا منڈل ابھیاس کرکے طے کر لیا جائیگا۔ تب اصلی وحدت کا راز خود کھل جائیگا۔ اور اس شریر کے رہتے ہوئے ہی جیون مُکت کی دشا پراپت ہو جائے گی۔ جب تک ہم ست پد کے اجمانی بن کر اور ستّا کی طرف

وحدت کا راز

سے نگاہ کو موڑ کر ادبیت کا ساکشاتکار نہ کرلیں تب تک یہ روپ سمجھ میں کیسے آویگا! ہم اس کا سادھن بتاتے ہیں۔ مگر سادھن ہی سب کچھ نہیں ہے۔ سادھن سادھن ہے۔ مقصد سادھن سے مختلف ہے۔ اور مقصد کچھ اور ہے۔ وہ لوگ جو ہم کو کسی کا برودھی بتاتے ہیں۔ نادان ہیں۔ ہم کسی کے بھی برودھی نہیں ہیں۔ بلکہ شہد کی مکھی کی طرح سب کے پھولوں کو رس لے لیتے ہیں۔ اور اساروستو کی طرف نگاہ تک نہیں کرتے۔ کیونکہ وہ ہمارے کام کی چیز نہیں ہے۔

وحدت کے کلام کے ہم بھی شیدائی ہیں۔ اور سنتوں نے ان نقتوں کو ٹیچی نش المانی سے گایا ہے۔ مگر ہم بغیر کسی حالت کا ساکشاتکار کئے ہوئے محض زبانی جمع خرچ کو پسند نہیں کرتے۔ اور نہ واچک گیان کو دل دیتے ہیں۔ ہم روحانیت کا عمل شغل کرکے وہ حالت اپنے میں پیدا کرلیتے ہیں۔ اور جو سنتوں کی تعلیم کی طرف میلان رکھتے ہیں ان کو اشارہ کنایہ اور رمز میں سب کچھ بتاتے رہتے ہیں۔

دور کیوں جائے۔ خود کبیر صاحب کی بانی کو دیکھو۔ وہ صاف لفظوں میں فرماتے ہیں۔

باپ مرے اچھا مرے انہد بھی مرجائے
سُرت سمانی شبد میں تاہی کال نہیں کھائے

سادھن بابا اور ستاہی کے مدیست کے اندر ہیں۔ ذات حقیقت میں کیا سادھن اور کیسا عمل و شغل۔ سنو۔ ایک شبد سناتے ہیں:-

شبد

سنتو! سہج سمادھ بھلی!
گورو پرتاپ بھید جا دن سے سُرت نہ انت چلی (ٹیک)
(۱)۔ آنکھ نہ مُوندوں کان نہ رُوندھوں۔ کایا کشٹ نہ دھاروں
کھلے نین میں ہنس ہنس دیکھوں۔ سُندر رُوپ نہاروں

(۲)- کہوں سو نام سُنوں سوئی سُمرن - کھاؤں پیوں سوئی پوجا
گرہ اُدیان ایک سم لیکھوں - بھاؤ مٹاؤں دوجا
(۳)- جہاں جہاں جاؤں سوئی پرکرما - جو کچھ کروں سو سیوا
جب سوؤں تب کروں ڈنڈوت - پوجوں اور نہ دیوا
(۴)- شبد نرنتر منوا راتا - مَلِن باسنا تیاگی
اٹھت بیٹھت کبھوں نہ بسرے - ایسی تاڑی لاگی
(۵)- کہیں کبیر یہ اُنمنی رہنی - سو پرگھٹ کر گائی
دُکھ سُکھ کے ایک پرے پرم پد - تیہی سُکھ رہا سمائی

اب سوچو - اس سے زیادہ زوردار کلام اور کہاں ملیگا!
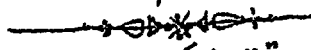
۱۷۲
۱۷ - جولائی ۱۹۱۷ء - حقیقت تو ایک ہی ہے - اس میں ذرا بھی شک نہیں ہے کثرت کا طبقہ صرف سنتا کے منڈل تک مخصوص ہے - مگر اس وحدت کا ذہن نشین کر دینا اور کرا دینا مشکل ہے - اور ویدانت کی تمام شاخیں مختلف الشکل ہوتی ہوئی اسی ایک مقصد کی تکمیل کو مدنظر رکھتی ہیں - اور جس جس شکل کی جیسی جیسی نظر بن گئی خواہ بنالی گئی اس کو ویسے ویسے اور اسی اسی طرح سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے - کسی شاخ نے اس کو مایا سے شروع کیا - وہ مایا واد کہلایا - کسی نے پرپنچ کو بھرم قرار دیا اور وہ بھرم واد مشہور ہوا - کسی نے آبھاس کے ذریعہ اس کے سمجھانے کی کوشش کی اور اس کا نام آبھاس واد کہلایا - مقصد ایک ہے - کوششوں کے طریقے مختلف ہیں - اگر اسی ایک بات کو لوگ سمجھ لیتے تو یہ کبھی نہ کہتے - کہ ویدانت میں یا ویدانت کے سدھانت میں پرودھ ہے - ایک میں پرودھ کیا ہوگا! یہ غور کرنے کی بات ہے - مگر منتو بیاد وغیرہ کو نظر انداز کر کے اعتراض کرنے والے دریعوں کے ایک انگ کو لیکر اسی کا کھنڈن

وحدت اور کثرت

منسوب کرنے لگ جاتے ہیں۔ اور نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ نظر آدرش سے ہٹ جاتی ہے۔ اور لفظوں کے دلدل میں پھنس کر ایک طرف تو سار کے گرہن کرنے کے ناقابل ہو جاتی ہے۔ دوسری طرف سشبد کے جال سے اُس کا چھٹکارا محال ہو جاتا ہے۔ اور موافق اور مخالف دونوں ہی ناحق ہاتھاپائی کرنے پر تل جاتے ہیں۔ اگر ارشٹ ہمیشہ نظر کے سامنے رہے۔ تو یہ گورکھ دھندا وبال جان نہ ہو۔

۱۴ جولائی ۱۹۱۶ء۔ پرپنچ بھرم ماتر ہے۔ یہ ویدانت کا کتھن ہے۔ اور اس کی سچائی میں شک ہی کیا ہے؟ کون شخص ہے۔ جو اس سنسار کو بھرم نہیں مانتا۔ جتنے دنیاوی تعلقات ہیں اگر وہ بھرم نہیں تو کیا ہیں! سنسار بھرم ہے۔ اور سنسار کوئی اور چیز نہیں ہے۔ صرف اِن غلط اور نہ سمجھے ہوئے تعلقات کے بندھن ہی کا نام سنسار ہے۔ کسی نے لڑکے کی محبت کو دل دیا۔ کسی نے دولت کو سب کچھ سمجھ لیا۔ کسی نے عزت اور حکومت کو غلطی سے اپنے دل کا خیالی مرکز بنا لیا۔ اور یہ سب کے سب ناشوان ہیں۔ اِتنا تو ہر شخص سمجھتا ہے۔ پھر اگر اس کو بھرم کہا جاتا ہے تو پھر جھوٹ کیا ہے؟ یہ ویدانت کے بھرم واد کا کتھن ہے۔ ہاں غلطی یہ ہوتی ہے۔ کہ ارشٹ اور سار کی جیوں کی تیوں سمجھ نہ رکھ کر بھرم ہی کے لپیٹ میں سب پڑے رہتے ہیں۔ اور بغیر سمجھے بوجھے سوال اُٹھاتے ہیں۔ کہ برہم کو بھرم کیسے ہوا؟ برہم کو بھرم نہیں ہوتا برہم کو بھرم کیسے ہونے لگا! وہ تو بذات خاص بھرم سے پرے کی حالت ہے۔ بھرم من کو ہوتا ہے۔ جو بھرم کے استھان میں ہے۔ من کے بھرم کو برہم کے ذات سے منسوب کرنا غلطی میں داخل ہے۔

۱۵ جولائی ۱۹۱۶ء۔ اسی طرح ایک اور انیک کے جھگڑے کی گفتگو ہوتی رہتی ہے ایک اور انیک دونوں ہی مایا کے احاطہ میں ہیں۔ اس کا مطلب صرف اِس قدر ہے۔ کہ انیک کی طرف سے چت کو ہٹا کر اسے ایک میں لاؤ اور جب ایک کا واہمہ پختہ ہو جائیگا۔

[illegible]

یہ ایک بھی اوجھل ہو رہیگا - اور وہی ذاتِ حقیقت ہے +

۱۷ - جولائی سنہ ۱۹۱۷ء - ادویت واد کے معنی ہیں دو کا نہ ہونا - اسی کو توحید کہتے ہیں یہ اصل میں گفتگو کا مضمون نہیں ہے - یہ صرف من کرنے کی چیز ہے - مگر ادویت وادی اسی کے سِدّھ کرنے کا جتن کرتے رہتے ہیں - اور اپنے بیوہار سے اپنے سِدّھانت کا خود ہی کھنڈن کر دیتے ہیں - بات چیت تو جب ہوگی دویت ہی میں ہوگی - ادویت یا ایک میں بات کی گنجایش کہاں ہے - دلیلِ توحید اس طرح ردّ توحید ثابت ہوتی ہے سنت مت جہاں ویدانت کے مقصد کی تعظیم کرتا ہے - وہ ساتھ ہی ان جھگڑوں سے بچاتا بھی رہتا ہے - اور اس کی تدبیر صرف سُرت شبد یوگ کا ابھیاس ہے - مطلب بحث اور دلیل بازی سے نہیں ہے - غرض تو اصلیت کے ساکشاتکار کرنے سے ہے - گو ممکن ہے کسی حد تک اس تدبیر سے ادویت پنا ذہن نشین ہو جائے مگر ساکشاتکار آسانی سے نہ ہو سکیگا - اِس لئے من کو سودھو - اُس کو صاف کرو - چت کے ایکاگر کرنے کا عمل کرو - تب وہ انبھو یُکت ہوگا - اور انبھو سے خود بخود ہر ایک بات کا پتہ لگنا شروع ہوگا - بغیر سادھن کے محض باتونی بن جانے سے کام نہیں نکلیگا - ویدانت کی کوئی کتاب دیکھو - اُس میں چو سادھن کا پہلے ہی ذکر آتا ہے - اور حکم یہ ہے - کہ بغیر چو سادھن کے کوئی شخص ویدانت کا ادھکاری نہیں بنتا - مگر عام آدمیوں میں سے ایک بھی تو ایسا نظر نہیں آتا جس نے سادھن کر لیا ہو اور یہی وجہ ہے - کہ اِن کی نظر اونچی کم ہوتی ہے - لفظوں ہی تک اٹکی رہتی ہے - اس طرح کا واچک گیان سنت پسند نہیں کرتے +

---

۱۸ - جولائی سنہ ۱۹۱۷ء - بعض صاحب فرماتے ہیں - کہ ابھیاس اور ویراگ کی ضرورت نہیں ہے - اور نہ سُرت کا چڑھنا اور اترنا ہو سکتا ہے - یہ باتیں نیند ہیں - سب

ہم دنیا کے بیوپار میں ابھیاس اور ویراگ کے بغیر قابل نہیں بنتے۔ تو پھر پرمارتھ میں کیسے بنیں گے۔ ابھیاس نام ہے عادت ڈالنے کا۔ اور ویراگ نام ہے بے تعلق رہنے کا۔ اور روزکی مشاقی سے عادت پڑتی ہے۔ اور کسی ایک خاص کام یا شخص یا چیز کی طرف گہرا تعلق پیدا کر لینے سے روں کی طرف سے بے تعلقی ہو جاتی ہے۔ ابھیاس سنسکرت مادہ "ابھی" آگے۔ اور "اس" جانے سے نکلا ہے۔ آگے جانے کو ابھیاس کہتے ہیں یعنی جہاں ہم آج ہیں کل اس کے آگے نکل جائیں۔ اور پرسوں اس سے بھی آگے۔ یہہ ابھیاس ہے۔ اسی طرح ویراگ سنسکرت مادہ "وی" نفی اور "راگ" خواہش سے نکلا ہے یعنی خواہش کی نفی ویراگ ہے۔ اب یہاں ذرا سمجھنے کی ضرورت ہے۔ جب تک کسی طرف سے منہ موڑ کر دوسری طرف چلا جائیگا۔ خواہ چلنے کا عمل نہ کیا جائے گا۔ تو ابھیاس نہ بنے گا۔ اور اگر کسی کے طرف سے منہ موڑ کر کسی خاص شے سے رشتہ الفت نہ جوڑا جائے گا۔ تو پہلی شے سے بے تعلقی اور بے خواہشی۔ اور اس خاص شے سے گہرا تعلق اور سمبندھ اور اس کے ساتھ زبردست خواہش نہ ہوگی۔ کہنا اور بات ہے اور کرنا دوسری بات ہے۔ بغیر اس رمز اور راز کے سمجھے ہوئے نہ کسی سے ابھیاس ہی بن سکیگا۔ اور نہ ویراگ ہی ہوگا۔ لڑکے کے ہاتھ سے اگر کوئی چیز چھینو تو ساتھ ہی اس کو اس سے بڑھ کر کوئی اور چیز دیدو۔ تب وہ اس سے بے تعلق ہو جائیگا۔ ورنہ عملی طور پر اس کا اہتمام ذرا مشکل اور دکھدائی ہوگا +

۱۸- جولائی ۱۹۱۷ء بہنچ - اگر سنسار چھوڑاتے ہو تو پھر سار دیدو۔ خواہ سار کی حقیقت سمجھا دو۔ اس سے بے تعلق بنا کر اس سے گہرا تعلق کرا دو۔ من بھی ایک طرح کا کھیل کھیلنے والا لڑکا ہی ہے۔ اس کی عادت سنسار میں کھیلنے کی پڑ گئی ہے۔ وہ اس کھیل کا عادی ہو گیا ہے۔ یوں تو وہ کبھی کسی حالت میں بھی اپنا کھیل نہ چھوڑ سکیگا۔ ہاں کوئی بڑھکر کھیل اس کو مل جائے۔ اور ساتھ ہی اس کا بڑھیاپن بھی اس کی سمجھ میں آ جائے

آجائے۔ تب اس کا امکان ہے۔ دوسری طرح پر مشکل ہے۔ اسی وجہ سے تو بار بار
ست سنگ کرنے کی ہدایت کی جاتی ہے۔ ست سنگ میں سنسار کی حقیقت سنائی جاتی ہے
آہستہ آہستہ سنتے ہوئے اُس سے دِل جب ہٹنے لگیگا تب وہ سار کی طرف خود بخود
رجُوع ہوگا +

۱۸-جولائی سنہ ۱۹۱۷ء - ہم اس طرح دُنیا میں زیادہ تر تین اندریوں کی وجہ سے پھنسے
ہیں یہ خاص ہیں - باقی عام ہیں - یہ کان آنکھ زبان ہیں - اِن کی چوٹی پر مَن ہے -
یہ خاص جب قابو میں آجائیں گی - تو پھر عام تو یوں ہی ماتحت ہوجائیں گی - دِل اور
دِل کی طاقت زیادہ تر اِن تینوں ہی کی حرکت سے مشتعل اور متحرّک ہوتی رہتی ہے -
ان کو بندش میں لاؤ - آہستہ آہستہ اِن کے مطیع ہونے سے دل بھی مطیع ہوجائیگا -
اور اگر یہ بے لگام رہیں گی - تو دِل پر قابو پانا مشکل ہوگا +

۱۸-جولائی سنہ ۱۹۱۷ء - کان جو سُنتا ہے اُس کا اثر دل پر ڈال دیتا ہے - آنکھ
جو دیکھتی ہے - اُس کا عکس دِل پر پڑتا ہے - اور وہ مشتعل اور متحرّک ہو کر سوچنے سمجھنے
اور اشتعال طبع کے سامان پیدا اور فراہم کرنے میں لگ جاتا ہے - زبان بولتی ہے اور
دوسروں کو نیز ان کو اپنے دل کے جانب رجُوع کرا لیتی ہے - اور پرپنچ کا تمہ بتہ
ہونے لگتا ہے - کوئی اگر زبان سے نہ بولے تو کبھی جھگڑے نہ ہوں - کان سے نہ
سُنے تو کس کا اثر قبول کرے - آنکھ سے نہ دیکھے تو کس شے کا عکس دِل پر پڑے
اِن کے بالکل باہر رکھی رہنے سے ہم بندھن میں پڑتے رہتے ہیں - اور محسوسات
اور خیالات - جذبات - اور رغبات کے آسان شکار ہو جاتے ہیں - یوں نوان کو
کوئی بے کام کر نہیں سکتا - کیونکہ جگت کا بیوہار بند ہو جائیگا - اور جگت کے بیوہار
نہ کرنے سے تجربات کی وسعت نہ ہوگی - اس لئے یہ مصلحت نہیں ہے - کہ اِن کو
بے مصرف بنا دیا جائے - ہاں یہ ہو سکتا ہے - کہ کسی ترکیب سے ان کو بندش

میں کر لیا جائے۔ تب ابھیاس اور ویراگ میں سہولیت ہو گی۔ اور یہ تینوں باتیں
کی کمائی میں مددگار رہیں گے۔

۱۵ جولائی ۱۹۱۶ء۔ اِن کے بس میں لانے کی تدبیر سنتوں نے یہ بتائی
ہے:-

تین بند لگائے کرشن انہد تُنکور
نانک سُن سمادھ میں نہیں سانجھ نہیں بھور

صوفی بھی ایسا ہی کہتے ہیں:-

چشم بند و گوش بند و لب بہ بند
گر نہ بینی سرِّ حق بر ما بخند

یہ تین بند لگانے کا راز ہے۔ اِن کو انترمکھی بنا دو۔ اور یہ بندش میں آ جائینگی
مگر ترکیب کیا ہے؟ ترکیب یہ ہے۔ کہ گورو دوارا ست سنگ کرنے کے بعد سُرت شبد
یوگ کا سادھن کرو۔ آنکھ کی پتلیوں کو اُلٹ کر مقام مخصوص کو اُن کی توجہ کا مرکز بنا لو
وہ اُس دھام کی رُوحانی لیلا اور رُوحانی مشاہدات دیکھیں۔ اِدھر سے ہٹیں اور
اُدھر لگیں۔ اِدھر سے رشتہ تعلق توڑیں۔ اُدھر سے جوڑیں۔ ایک بات یہ ہوئی
دوسری بات یہ ہے۔ کہ اسی طرح زبان پر قابو پا کر انتر میں اجپا جاپ سے تعلق رکھو
اور وہ بھی انترمکھی ہو جائے گی۔ تیسری بات یہ ہے۔ کہ کانوں پر قبضہ پا کر انتر
میں مقام مخصوص کے رُوحانی آواز سُنو۔ یہ تین بند لگانے کی ترکیب ہے۔ پورے
بھید کا بھید اور ابھیاس کی ترکیب گورو سے پوچھو۔ بغیر گورو کے کبھی کتابوں کو پڑھ کر
یا سُنی سُنائی باتوں کو جان کر عمل نہ کرو۔ ورنہ سخت دھوکے میں پڑ جاؤ گے۔ کیونکہ
تم کو نہیں معلوم ہوگا۔ کہ کہاں کہاں کیسے سادھن کرنے ہونگے۔ کیا کیا دیکھنا اور
سُننا ہوگا۔ انتر میں بے شمار آوازیں ہیں۔ اور ان گنت رُوحانی مشاہدات ہیں۔

اکثر کیا یہ ہمیشہ ابھیاسیوں کو راہ سے گمراہ کر دیتی ہیں۔ اور بنا بنایا کام بگڑ جاتا ہے۔ تجربہ کار گورو تمہارے مضبوط اور کمزور پہلو کو جان کر مصلحتِ وقت کے موافق مفید تدبیریں سمجھاتا رہیگا۔ کیا وجہ ہے۔ کہ باخبر کے تجربہ سے فائدہ نہ اٹھایا جائے ورنہ یاد رہے۔ آپ منتہی ہو کر خواہ مخواہ اپنی انانیت اور اہنکار کو مضبوط بنا لوگے اور پھر اس کی گرہ اِس قدر زبردست ہو جائے گی۔ کہ اُس کا سلجھانا اور کھولنا تمہاری طاقت سے باہر ہو جائے گا۔

بن گورو دیا ہے نا کام　　گورو ملیں تب دیں نج نام
گھٹ کا بھید گورو سے لینا　　پوتھی، گرنتھ کو چت نہیں دینا
گرنتھ گرنتھی کو ادھک دڑھاوے　　جڑ چیتن بھید نہ پاوے
من مت تیاگ گہو گورو مت کو　　شوبھتی لو چھوڑ دُرمت کو
رادھا سوامی گورو بن آئے　　دیا سے گھٹ کا بھید جتلائے
گورو کی اوٹ پکڑ کر چلو　　گورو بل مایا ممتا دلو

۱۸۱

۸ جولائی سنہ ۱۹۱۶ء۔ یہ کبھی نہ کہو۔ کہ انتر میں مقامات نہیں ہیں۔ یہ میں نے تم کو پہلے ہی بتا دیئے ہیں۔ کھٹ چکر سفلی مقامات ہیں۔ برہمانڈی چکر برہمانڈی مقامات ہیں۔ روحانی چکر روحانی مقامات ہیں۔ اور یہ سب کے سب تمہارے اِسی شریر کے اندر ہیں۔ کہیں اِن کی تلاش میں باہر نہیں جانا ہے۔ ممکن ہے کہ تم آج ہماری باتوں کو نہ سمجھو۔ لیکن اگر تصوف اور اہلِ سلوک کے علم کا تم میں ادھکار ہے تو اپنی عمر میں کبھی نہ کبھی اِدھر تم کو خواہ مخواہ رجوع کرنا پڑے گا۔ اُس وقت افسوس کروگے۔ وقت بڑا ہے۔ اِس وقت سے فائدہ اٹھاؤ۔ گیا وقت پھر ہاتھ نہیں آتا۔ اور یوں تو میں تم سے ہمیشہ ہی کہتا رہتا ہوں۔ کہ سنت مت دنیا کے تمام علوم اور سائنس کا عطر ہے۔ اِس کی باتیں تم اوروں سے بھی اپنے سمجھانے

مقامات روحانی کی وضاحت

سمجھانے کے لئے پوچھ بھی سکتے ہو۔ کسی باخبر ڈاکٹر سے دریافت کرو۔ اور وہ تم کو بتادیگا۔ کہ دماغ کے اندر بارہ نقطے ہیں۔ چھ زرد اور چھ سفید۔ یہاں تک تو اُس کو علم ہے۔ آگے باقی ہم سے سُنو۔ یہ چھ زرد گرہیں اندر میں برہمانڈ کے کھٹ چکروں کی عکسی صورتیں ہیں۔ اور چھ سفید رنگ کی گرہیں رُوحانی کھٹ چکروں کے عکسی نمونے ہیں۔ یہ گو چھوٹے ہیں مگر اِن کی چھوٹائی پر نہ بھُولو۔ چھوٹائی بڑائی صرف نسبتی الفاظ ہیں۔ اِن کے اندر تمام کائنات محصُور ہے۔ تمھارے جسم میں یہ حالت مجہولیت میں پڑی ہیں۔ جب باقاعدہ تم ابھیاس کرنے لگو گے۔ دِل کی حرارت پاکر یہ خود بخود زندہ اور روشن ہونے لگیں گے۔ اور اِن میں سے تم جس مقام خاص سے جس وقت لگن لگاؤ گے۔ بہ آسانی تم اُس کی لطافت کے وارث ہوتے جاؤ گے اور اُسی مقام کا اثر اور خواص تم میں پیدا ہوتا جائے گا۔ اور اُوپر کی طرف چڑھائی کے قابل بنتے جاؤ گے۔ جب پانی کے پاس بیٹھنے سے سردی اور آگ پاس بیٹھنے سے گرمی تم کو ملتی ہے۔ تو پھر کیسے ممکن ہے۔ کہ اُونچے استھانوں پر چڑھنے سے تم میں اُن کا اثر نہ آئے! اگر بدھی پُورک کوئی شخص سُرت شبد یوگ کا ابھیاس کرے تو وہ برہمانڈی اور رُوحانی طاقتوں کو پاکر مہابلوان ہو جائے گا۔ اور بہ آسانی بھوساگر کو پار کر لیگا +

۱۸ جولائی ۱۹۱۲ء - تیسرے تِل میں سُرت کی بیٹھک ہے۔ یہ تم ذرا غور کرنے سے خود سمجھ سکتے ہو۔ جب آدمی کوئی مشکل کام زور یا عقل کا کرنے لگ جاتا ہے تو آنکھوں کو میچ لیتا ہے۔ اور وہاں سے نادانستہ مدد لیتا ہے۔ یہ بچہ بچہ کرتا ہے پھر تم یہ بھی جان سکتے ہو۔ کہ سکتے کے وقت یا مرنے کے وقت سُرت کی دھار کھچ کر پہلے آنکھوں کے استھان والے تیسرے تِل میں اکٹھا ہوتی ہے۔ اکثر آدمی کو مُردہ دیکھکر ڈاکٹر اپنے اوزار سے تیسرے تِل کو دیکھتے ہیں۔ اگر وہاں حرکت

نظر آئی تو اُس کو زندہ نہ مُردہ سمجھ لیتے ہیں۔ شدید زخم کھانے یا شدید ضرب لگنے پر
بھی یہی حالت ہوتی ہے۔ یہ روز روز کا تجربہ ہے۔ اور اسی مقام سے سنت مت
میں ابھیاس شروع کرایا جاتا ہے۔ اور بتدریج اُس کو اونچے استھانوں پر چڑھایا
اور پہنچایا جاتا ہے +

۱۸۔ جولائی ۱۹۱۷ء۔ یہ تیسرا تل سُرت کی بیٹھک کا استھان ہے۔ اور اسی
سے مِلا ہوا سہس دل کنول ہے۔ جو وراٹ پُرش سے مخصوص ہے۔ پرانایامی یوگی اس کو
سہسرار کہتے ہیں۔ مگر اصلیت اور حقیقت سے ناواقف ہیں۔ کیونکہ علم سینہ کا راز پشتہا پشت
سے گروؤں اور شِشیہ کی پرنالی میں سنتوں ہی کے درمیان آیا ہے۔ دُنیا اس کو نہیں جانتی
اور جانے بھی کیسے! رُوحانی تعلیم کے آچاریہ سنت ہی ہیں۔ وید اور پُورانوں کے رُوحانی
مضامین کے سمجھنے کی بھی کنجی صرف سنتوں ہی کے پاس ہے۔ کہنے کو جو شخص جو چاہے
کہتا پھرے۔ لیکن جب ان مقدس کتابوں کی اصلی سمجھ حاصل کرنے کا کسی کو شوق ہوگا
تو اُس کے اطمینان اور تشفی کا سامان صرف سنتوں ہی کے ست سنگ میں ملیگا۔
دُنیاوی عالم لفظوں اور لغت کے لفظی اور مُرادی معنیوں میں اٹکے ہوئے اپنی
فرضی لکیریں پیٹتے رہیں گے۔ وہ گھٹ کا حال کیا جانیں۔ تیلی کو تمولی کے کاروبار
سے کب واقفیت ہوئی ہے! یہ بنی بنائی بات ہے +

۱۸۔ جولائی ۱۹۱۷ء۔ کہنے کو تو سب ہی کہتے ہیں۔ کہ انسانی جسم عالم صغیر ہے اور
عالم کبیر یعنی برہمانڈ کا عکسی نمونہ "پنڈ سے سو برہمانڈ ہے"! یہ مسئلہ زبان زد ہر خاص وعام
ہے۔ لیکن اگر پوچھو۔ کہ "کیسے"؟ تو کیا جواب دینگے۔ کیونکہ وضاحت اور صراحت اُنکے
بیان نہیں ہے۔ اس کا پتہ جب ملیگا سنتوں ہی میں ملیگا +

گھٹ کا بھید نیارا سادھو! گھٹ کا بھید بھارا ٹیک

(۱)۔ اس گھٹ بھیتر بجلی چمکے۔ برسے اکھنڈت دھارا

گھٹ کے بھیتر سورج چاند ہیں۔ گھٹ میں لاکھوں تارا سادھوا

(۲)۔ گھٹ میں وشنو کریں جگ پالن۔ گھٹ میں شنبھو سنگھارا
گھٹ میں برہما وید بچھاویں۔ گھٹ میں گیان وچارا سادھوا

(۳)۔ گھٹ میں ہر تیہ گربھ اویاکرت۔ گھٹ ویراٹ پسارا
گھٹ میں تپ۔ جن۔ مہرلوک ہیں۔ گھٹ سب کا بھنڈارا سادھوا

(۴)۔ گھٹ کے اندر اگمنی لاگی۔ گھٹ بھیتر سنسارا
گھٹ اپجے اور گھٹ ہی پنپے۔ گھٹ ہی سار اسارا سادھوا

(۵)۔ گھٹ کا بھید سمجھ میں آوے۔ جب گورو دیں سہارا
رادھا سوامی چرن شرن بلہاری۔ گورو چھبی تن من وارا سادھوا

۱۸۵

۱۸۔ جولائی سنہ ۱۹۱۶ء۔ یوگ یوگ چلاّ سننے والے تو ہر جگہ بہت ملتے ہیں مگر یوگ کے جاننے والے۔ کرنے والے۔ اور سکھانے والوں کا کہیں پتہ نہیں ملتا ہے۔ کہا جاتا ہے۔ پرانایام کروٹ مگر پرانایام کرے کون! اور کیسے کرے! اور اسی زعم فاسد میں اکثر سُرت شبد یوگ کا مضحکہ اُڑایا جاتا ہے۔ بہت اچھا! "فکر ہر کس بقدر ہمت اوست" مضحکہ اُڑانے والوں کی اپنی ذاتی حالت دیکھو۔ آپ پتہ لگ جائے گا۔ کہ یہ کتنے پانی میں ہیں۔ پھر ایسے نادانوں کے منہ کون لگے! یہ چھوٹے ٹیلک میں پڑے ہوئے ہیں اور خود گمراہ ہو کر دوسروں کو گمراہی میں ڈال رہے ہیں۔ میں نے حتی الامکان اپنی تحریر کے ذریعہ بتا دیا۔ کہ سُرت شبد یوگ تمام قسم کے عمل و شغل سے افضل ہے۔ یہاں تک کہ ہندو بودھ۔ اور مسلمان صوفیوں تک میں سب اس کی بزرگی کے قائل ہیں۔ ہندوں کی قدیم کتابوں اور بودھوں کے نوشتہ جات میں اس کا پتہ لگتا ہے۔ یہ تو اس کو افضل کہتے ہیں۔ صوفی اس کو سلطان الاذکار یعنی تمام ذکروں کا بادشاہ کہتے ہیں۔ مگر یہاں تو پرانایام کی دُھن ہے۔ پران کہتے ہیں وایو یا ہوا کو۔ گو کہیں کہیں اُپنشدوں میں

پران کو برہمہ بھی کہا گیا ہے۔ مگر یہاں عملی طور پر سانس کا روکنا پرانایام ہے۔ سانس کو بھی روکتے ہیں مگر بغیر مقامات کا بھید لئے ہوئے۔ اُس کے کھچی و۔ ترچھاؤ کو ریچک۔ پورک اور اُس کے ٹھہراؤ کو کُمبھک کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ عمل ثلاثہ قدرتی ہیں۔ اور نظام قدرت میں محیط ہیں۔ ترگناتمک ہونے سے یہ ہر قسم کے کام میں شامل ہیں۔ لیکن محض استھول سانس کے روکنے سے بنا کیا؟ اور کونسا میدان مار لیا۔ اگر پران کی اصل حقیقت سمجھ کر کچھ کام کیا جاتا تب بھی کوئی نتیجہ تو ہوتا۔ یہاں لاعلمی میں حرص ہی حرص ہے۔ اور کچھ نہیں۔ اصلی پرانایام کا سادھن اس قدر کٹھن ہے۔ کہ اِس زمانہ میں کوئی شخص بھی اُس کو نہیں کر سکتا۔ اور کہیں کوئی واقفکار مل بھی جائے تو اُس کا سنجم نہیں بنتا۔ اگر بفرض محال سنجم کا بننا بھی مان لیا جائے۔ تو پھر اُس کے عمل میں خطرات کیسے ہیں! ذرہ سی بے احتیاطی میں جان نکلنے کا ڈر۔ اور باولے ہونے کا خوف رہتا ہے برعکس اس کے یہ سُرت شبد یوگ اس قدر آسان اور سریع الاثر ہے کہ ایک بچّہ۔ اور مرد عورت سب بہ آسانی کر سکتے ہیں۔ اور خود اُس کا فائدہ دیکھ سکتے ہیں +

۱۸۔ جولائی ۱۹۱۷ء ۔ پران اصل میں برہمہ کے سانس۔ سورج کے کرنوں کے پرکاش۔ اور قدرت کے رچناکی دھار کو کہتے ہیں۔ خصوصیت کی نظر سے سورج کو پران کا بھنڈار بتایا جاتا ہے۔ اور وہ صحیح بھی ہے۔ سورج پران روپ اور چندر رئی یعنی مادہ روپ ہے۔ سچا یوگ پرانوں کا وہ ہوگا۔ جو سورج اور چاند کو اکٹھا کرے یہ پران دھار ہے۔ اور ہمارے جسم میں سانس اُس کی نقل اور عکس ہے۔ یہ نہ سمجھو کہ سانس صرف نتھنوں ہی تک محدود ہے۔ گوشت پوست کے ہر مسام اور سوراخ سے سانس کی دھار نکلتی رہتی ہے۔ یہ عمل حیوانات۔ جمادات اور معدنیات سب میں ہے۔ سب ہی سانس لیا کرتے ہیں۔ اور سب اپنے اپنے طور پر زندہ اور باحرکت ہیں۔ حرکت ذرہ ذرہ میں ہے۔ ذرہ ذرہ اپنی ہستی رکھتا ہے۔ اور جہاں ہستی اور

حرکت ہوگی وہاں وہاں پران۔ سائنس۔ اور دھار موجود رہیگی۔ تم چاہے اس کو سمجھو یا نہ سمجھو۔ جاندار اور بیجان کے اصطلاح صرف نسبتی ہیں۔ اصل میں یہہ بالکل بے معنی ہیں۔ ہم ہی نے اپنی نظر سے کسی کو چیتن اور کسی کو جڑ مان رکھا ہے۔ جس کو ظاہری نظر سے بے حرکت دیکھا جڑ کہہ دیا۔ اور جس کو حرکت میں پایا چیتن کا نام دیدیا۔ صرف اتنی سی بات ہے۔ مگر یہہ سب رچنا ستّا اور مایا سے آتی ہے۔ جو حرکت کا بھنڈار ہے۔ اس لئے نظر کو ٹھہرانے کے لئے چاہے کچھ ہی اصطلاح گھڑ لو۔ اس کا مضایقہ نہیں۔ لیکن اگر سنت مت کے دائرہ کے حاشیہ نشین ہو تو دل کو وسیع نظر کو بلند اور دماغ کو بالا کرنا چاہیئے۔ تا کہ کسی وقت نسبتی طبقات سے اونچے چڑھنے کا موقع ہاتھ آئے ✣

۱۸ جولائی ۱۹۱۷ء۔ جب معلوم ہوگیا۔ کہ پران دھار ہیں۔ تو پھر یہ سوچنا چاہیئے کہ جو مختلف دھاریں دنیا میں کام کر رہی ہیں۔ یہ اصل میں کیا ہیں۔ ان کا روپ کیا ہے! غور کرنے سے پتہ چلتا ہے۔ کہ یہہ شبد ماتر ہیں۔ شبد کے آدھار پر ہیں۔ اور شبد روپ ہیں۔ اور جب اس قدر پتہ لگ گیا۔ تو پھر ادھر ادھر بہکنے سے کیا کام ہے۔ شبد ہی کا عمل کیوں نہیں کیا جاتا! پہلے تیسرے تل میں بیٹھو وہاں کے شبد کی دھار کو پکڑ کر اس میں من کو لیکاگر کرو۔ پھر برہم کی دھار کو ترکٹی میں پکڑ کر اس میں سمادھی لگاؤ۔ پھر اس سے اونچے چڑھ کر پربرہم کے شبد کی دھار کا سادھن کرتے ہوئے وہاں چیتن کو جوڑو۔ پھر اس سے بھی اونچے تپ لوک کے شبد سے تعلق پیدا کرو۔ اس کے آگے ست پد کے شبد کو سنو۔ اور اپنا کام بنا لو وعلیٰ ہذالقیاس ✣

شبد کو اپنے گھٹ کے اندر رکھتے ہوئے اس سے لو لگانا آسان ہے۔ بہر منڈل میں شبد کا لاانقطاع سلسلہ گونج رہا ہے۔ اور چونکہ شبد میں خود دل کے توجہ کے کھینچنے کی طاقت ہے۔ اس کے مقابلہ میں اور کسی عمل سے دل کی یکسوئی کا ہاتھ

آنا مشکل ہے۔ صوفی کہتا ہے:-

یارِ ما دایم است با تو کلیم — حیف تو نشنوی کلام قدیم
اوّل و آخرش چو بیحد شد — زاں سبب نام او بے انحد شد
ہمہ عالم پُرست از آواز — لیک در ہائے گوش خود کُن باز
بشنوی یک کلام لا مقطوع — از حدوث و فنا شود مرفوع

یہ شبد کی مہما ہے

۱۸۸

۱۸-جولائی ۱۹۱۷ء-کان-آنکھ-اور زبان پر اس ترکیب سے بند لگاؤ-یہ ایک روز کا کام نہیں ہے-عادت ڈالنے کی بات ہے-اس کے روزانہ ابھیاس سے حالت بدلے گی-عادت بدلے گی-اور زندگی کا رُخ خود بخود بدل جائے گا-اور جب من باہر مُکھی پنے کو چھوڑ دیگا-اور بالکل انترمکھی ہو جائے گا-اُس وقت تم سچے معنی میں گیان دھیان کے نہ صرف وارث ہو جاؤ گے بلکہ خود اپنے آپ کو گیان سروپ-دھیان سروپ-تیج سروپ-شبد سروپ-اور تتو سروپ جان جاؤ گے-نہ بک بک کرنے کی ضرورت رہے گی-اور نہ دُنیا کے مت متانتر یا ایرا غیرا نتھو خیرا سے جھگڑنے کی احتیاج ہوگی-گورو کی کرپا سے کام ہو جائے گا-اور کامیاب آدمی ناکامیاب آدمیوں سے ہاتھا پائی کیوں کرنے لگے!

۱۸۹

۱۹-جولائی ۱۹۱۷ء

شبد

رت جیون کی آسا سادھو! رت جیون کی آسا

(۱)- یہ تو دیہ ہے اگا پانی - جیوں جل بیچ بتاسا
باؤ بھیت بنائی بیچ ترنج - دن دس کا ہے تماسا

(۲)- تارا بھی نہیں چندا بھی نہیں - نہیں دھرن اکاسا — سادھو!

بل اگنی کی کون چلاوے۔ پڑے پرہم کا سانسا ساد ہوا

(۳)۔ لوک پرلوک ہنس جائیں پل میں۔ ہنسیں سُور پرکاسا

سمجھ دیکھ تو من میں اپنے۔ یہاں کال کا پاسا ساد ہوا

(۴)۔ آسا ترشنا آپ بھُولانا۔ یک دن ہوئے اُداسا

دھن دولت سے نیہہ لگا کر۔ سب گئے انت نراسا ساد ہوا

(۵)۔ جہاں جہاں درشٹی جائے سب ہنسیں۔ گلے پڑا جم کا پھانسا

رادھا سوامی چرن شرن بلہاری۔ جنہیں سنت کے داسا ساد ہوا

۱۹۰
۱۹۔جولائی ۱۹۱۶ء۔ شبد

یک دن جانا ہے ضرور ٹیک

(۱)۔ آئے پڑے بھَوجال پھنسانے۔ گھر سے ہو گئے دُور

گتی متی بھُولی ست پدکھویا۔ جگ کے بھئے مجبور یک دن

(۲)۔ کال کرم نے بہُو اُرجھایا۔ کاٹے پھند کوئی سُور

مٹے اودیا کا اندھیارا۔ چمکے گھٹ ست نُور یک دن

(۳)۔ ٹھیس لگی جب من درپن میں۔ ہو گیا چکنا چُور

رُوپ انوپ لکھے کوئی کیسے۔ اندھکار بھرپُور یک دن

(۴)۔ بیاکل ہیا جیا رہا نرنتر۔ پرسے پُرش حضور

رادھا سوامی چرن شرن بلہاری۔ دی چرنن کی دُھور یک دن

۱۹۱
۱۹۔جولائی ۱۹۱۶ء۔ آنکھ۔کان۔زبان جس طرح ہم میں اور ہمارے درمیان اس قدر اہم سمجھے جاتے ہیں۔ اسی قدر یہ لطیف رچنا میں بھی ہوتے ہیں۔ ممکن ہے۔ اس وقت میری بات نہ سمجھ سکو۔ مگر جب بہ اختیار خود ابھیاس کرتے ہوئے لطیف استھان کے باسی ہونے لگو گے۔ تو اس کو اپنے انبھو سے ذہن نشین

ایک نیا خیال

کروگے - اِس وقت صِرف اپنے خواب کی حالتوں پر غور کرو - سُنتے تو سب ہی دیکھے
ہیں - یہ کبھی نہ کہو - کہ سُپنا یُوں ہی وہم وخیال ہے - گو وہم وخیال تو ایک معنی میں یہ
جگت خود ہے - اب غور کرو - تم نے خود اپنے خواب کے واقعات پر غور کئے ہونگے -
یہ خواب سوکشم رچنا سے متعلق ہیں - یہاں تم کو جو جیو جنتو - روڑے کنکر پتھر ملے ہونگے -
وہ بولتے ہیں - خواب میں سب کو زبان مِل جایا کرتی ہے - تم فرض کیا گھوڑے یا
اُونٹ پر سوار ہو - بسا اوقات اِن گھوڑے اور اُونٹوں نے با زبان ہو کر تم سے
باتیں کی ہونگی - بات کرنا اور کچھ نہیں ہے - صرف دل کے دِلی جذبات کے اظہار
کا ایک طریقہ ہے - جِس شے سے دِلی تعلق اور ہمدردی ہو جائے - اور جب اُس کے
اظہار کی دھار کا علم ہونے لگے یہی زبان سے بولنا ہے - کہیں کہیں یہ زبان ستھول
طریقہ میں کام کرتی ہے - کہیں کہیں لطیف طریقہ میں - اظہارِ خیال کا رقبہ بہت وسیع
ہے - آنکھ بولتی ہوئی با زبان ہو جاتی ہے - اور دِل جب اپنے اندر کا حال دینے
لگتا ہے تو وہ بھی ایک طرح پر بولنا ہی ہے - کُتّے کی آنکھ سے آنکھ مِلا کر اُن کے ساتھ
ہمدردی کا اظہار کرو - وہ سمجھ جائیں گے - اور تُم سے بہت جلد مانوس ہو جائیں گے
قدرت کا علم اکثر اسی طرح حاصل ہوتا ہے - اور یہ روزانہ زندگی کے کاروبار میں بھی دیکھا
جاتا ہے - صرف خاص وضع میں دِل اور آنکھ کے قدیم کر لینے سے اس کا امکان ہوا
کرتا ہے - زبان اس لئے رچنا میں بہت بڑا درجہ رکھتی ہے - خواب کا استحصان تجیس
کا مقام ہے - اور اس لئے یہاں زبان کا کام لطیف ہوتا ہے - اور جو ارواح کہ اس
طبقے سے مخصوص ہیں وہ ستھول شریر کے نہ رکھتے ہوئے بھی لطیف زبان سے کام
لیتی ہیں - بھُوت - پشاچ - جِن اور دیوتا کا یہی منڈل ہے - اس تجیس کے رُوپ کو
ذہن نشین کر لو - اور تُم پھر ہر شے سے قدرتی طریقہ پر ہمکلام ہو سکو گے - یہاں تک کہ
اگر بیداری کی حالت میں رہتے ہوئے بھی تُم اپنے اندر خواب کی حالت پیدا کرنے پر

قادر ہو جاؤ۔ تو وہ یہ راز ایک چشم زدن میں تمہاری سمجھ میں آنے لگے۔ سونے میں جاگنا اور جاگنے میں سونا غیر ممکن نہیں ہے۔ صرف کسی قدر اس حالت کو اپنے اندر پیدا کر لینا ہے۔ کسی وقت تم گھوڑے پر چڑھے ہوئے اور رات دن سیر و سفر کرتے ہوئے اور کام میں لگے ہوئے۔ جاگتے ہی سو سکو گے۔

خواب و بیداریم شد یکساں
از عنایات و صحبت پیراں

۱۹۔ جولائی ۱۹۱۴ء۔ دنیا میں ایسے آدمی ملیں گے۔ جو اس حالت پر قادر ہو سکتے ہیں بعض شخص تو ایسے ہوتے ہیں۔ جو آٹھ آٹھ دن چارپائی پر بھی نہیں لیٹتے اور جب دیکھو کام میں مصروف نظر آتے ہیں۔ نادانستہ طور پر بہ بیداری میں خواب کی حالت کو اپنے اندر پیدا کر لیا کرتے ہیں۔ اور ان کی تندرستی میں کوئی بھی فرق نظر نہیں آتا۔ مگر یہ بات سب کو حاصل نہیں ہے۔ کسی کسی کے حصہ میں یہ آئی ہے۔ اور آیا تی ہے۔ کبھی کبھی حیوان میں بھی یہ موجود ہے۔ گھوڑوں کی نسبت ہم ہندوستانیوں میں یہ مشہور ہے۔ کہ وہ میدان جنگ میں سواروں کو پیٹھ پر لادے ہوئے بھی نیند کا مزہ لے لیتے ہیں۔ اور کیا تم نہیں دیکھتے۔ غور و فکر کی حالت میں بیٹھے بیٹھے یہ میسر ہو جاتی ہے۔ ذرا الزماں کو اور وسیع کر لو۔ اور یہ معمہ حل ہو جائیگا۔

جاگن میں سوون کرے۔ اور سوون میں جاگ
اس بدھی جو سمرن کرے۔ جاگے تا کا بھاگ

۱۹۔ جولائی ۱۹۱۴ء۔ دتاترے رشی سے تمام دنیا ہمکلام ہوا کرتی تھی۔ اس کا یہی سبب تھا کیونکہ انہوں نے ستھول جگت یعنی وشو میں رہتے ہوئے اپنے آپ کو لطیف جگت یعنی تیجس کے طبقہ میں منتقل کر رکھا تھا۔ وہ معمولی آدمیوں کی طرح نہیں تھے۔ یہ بات صرف سادھن کر لینے سے یہ آجاتی ہے۔ اور اسی شریر میں آدمی دیوتا

[illegible marginal notes]

ہوا لطیف احساس والا پہنچاتا ہے ۔ اور یہ یاد رہے ۔ جہاں زبان ہوگی وہاں بالعموم
کان بھی ہونگے ۔ سچا ہے وہ سطحوں طور پر نشوونما یافتہ نہ ہوں ۔ مگر بعض کشم روپ سے
موجود ہونگے ۔ ایسے جانور دیکھے جاتے ہیں ۔ جو کان اندری سے ظاہرا مجرد معلوم
ہوتے ہیں ۔ مگر یہ یقینی نہیں کہا جا سکتا ۔ کہ اُن کی ضرورت رفع نہیں ہوتی ۔ جب آدمی
کسی طرح اپنا خیال درست سا تا ہے ۔ تو وہ اُس کو بطرز مختلف لے بھی سکتا ہے ۔ زبان
اور کان کی جڑ من میں ہے ۔ من سے تو کوئی بھی خالی نہیں ہے ۔ من ہی نے تمام
اندریوں کو پیدا کیا ہے ۔ اور اس لیے وہ ان کی کمی کو پورا کر لیتا ہے +

۱۹ - جولائی ۱۹۱۷ء ۔ سُرت شبد یوگ کے سادھن میں یہ تین باتیں ہیں ۔
سمرن ۔ دھیان ۔ اور بھجن ۔ سمرن کا تعلق زبان خواہ دلی زبان سے ہے ۔ بھجن کا
تعلق کان سے خواہ دلی کان سے ہے ۔ اور دھیان کا تعلق آنکھ خواہ دلی آنکھ
سے ہے ۔ جب یہ تینوں کسی خوشگوار سادھن میں لگیں گے ۔ تو پھر ان کے ایکاگر
ہونے میں کیا دقت ہوگی ۔ تینوں حالتوں میں من موجود ہے ۔ من [illegible] ہے
ان تین رسیوں سے اُس کو باندھو ۔ اور باندھنا صرف اُس کو کام میں لگا رکھنا ہے ۔
باہر پھیلتا ہوا مشغول بن جاتا ہے ۔ اندر سمٹتا ہوا لطیف ہونے لگیگا ۔ اور
آہستہ آہستہ جب اُس میں لطافت آ جائے گی ۔ تو اسی عمل کے ذریعہ چڑھ کر پراگیہ
استھان میں باخبر ہو کر داخل ہونے کے قابل بنے گا ۔ اس پراگیہ کا تعلق سوشپتی یعنی
گہری نیند سے ہے ۔ وہاں جا کر من بالکل جڑ سا ہو جاتا ہے ۔ اور تمام حواس بجھ جاتا
ہے ۔ مگر اس سے یہ نتیجہ نہ نکالنا چاہیے ۔ کہ وہاں بالکل بے خبری ہی رہتی ہے
گہری نیند میں پڑ کر جب من واپس آتا ہے ۔ تو اپنی بے خبری کے ناد کا اظہار کرتا ہے
اور کہتا ہے " میں ایسا سویا ۔ کہ مجھ کو خبر نہیں رہی " ان لفظوں پر [illegible]
اس حالت سے خبردار ہونے کا علم موجود ہے ۔ اور یہ بے خبری اُس میں کیونکر [illegible] ہے

سمرن و دھیان و بھجن

کیونکہ جیو کی کارن اوستھا ہونے کی وجہ سے اُس کو وِستریت جگت کا گیان نہیں ہوتا۔ وہ ایک طرح اُس میں جاکر اپنے آپ کو گم کر دیا کرتا ہے۔ اب اگر سادھن کیا جائے اور من کو سچیت رکھا جائے۔ تو یہ بیخبری کا علم کسی اور ہی حیثیت میں اپنا رُوپ بدل لے۔ اِس جیو سُوشپتی کی جڑ جیسا میں نے پہلے کہا ہے ہرنیہ گربھ میں ہے۔ ہرنیہ گربھ چونکہ سُکڑتا ہوا اسی حالت میں قایم ہوا اس لئے اُس کا عکس یہاں بھی جیو میں آکر پڑا۔ اور الپگیہ اور محدود ہونے کی وجہ سے جیو تو اس میں اپنے کو کھو دیتا ہے۔ مگر ہرنیہ گربھ کی ایسی حالت نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہاں مایا ستھول نہیں ہے۔ یہاں آکر وہ گھنی ہو گئی ہے۔ چراغ کی روشنی پرکاش کرتی ہے۔ پرکاش اُس کی کرنوں میں ہے۔ مگر یہی کرنیں جب ستھول غلاف کو باہر پھینکتی ہوئی دھوئیں اور پھر کاجل کی شکل میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ تو اندھیری اور سیاہ نظر آتی ہیں۔ اگر کوئی ایسا عمل کیا جائے۔ کہ یہ روشن کر دیجائیں۔ تو اُن میں بھی پرکاش نظر آجائے گا۔ جو کاجل آنکھوں کے نور کو بڑھاتا ہے۔ وہ بالکل بے نور کیسے کہا جا سکتا ہے۔ ہاں گھنے پن نے اُس کی یہ صورت بنا رکھی ہے۔ اور اُس کے پرکاشوان کرنے کی تدبیر معدوم تو نہیں ہے۔ آدمی جانے یا نہ جانے یہ دوسری بات ہے +

۱۹ جولائی ۱۹۱۷ء۔ اس گہری سُوشپتی میں بھی من کو پرکاش سروپ کر لینا سُرت شبد یوگ کے عمل سے ممکن ہے۔ اور اکیلی تدبیر یہ ہے۔ کہ پہلے آدمی اپنے دل میں اُس مہا تجوسے اور مہا پرکاشوان کا اِشٹ قایم کرے۔ جس کو سنت رادھاسوامی کہتے ہیں۔ وہ پختہ طور پر سمجھ بوجھ کے ساتھ اپنا عقیدہ مضبوط کر لے۔ پھر اِس یقین کے ساتھ جب وہ وِشنو کے ستھل سے اوپر چڑھتا ہوا جس کے مقام کو عبور کر جائے گا۔ تو وہاں پرگیہ اوستھا میں جاکر آلس اور اندھکار میں نہ رہیگا۔ اُس کی اصلیت کو سمجھ لیگا۔ اور اس اصلیت کا جان لینا اُس کو پہونچے

کی ترگنا تمک اوستھا پر غالب بنا دے گا۔ میں کیا کہوں۔ جیو آلسی ہیں آبھیاس میں تو لگتے نہیں۔ اور نہ اِشٹ کو سمجھ کر عقیدہ باندھتے ہیں۔ اُن کو باتوں کے پکوان کھانے کی عادت پڑ گئی ہے۔ باتوں ہی سے اس گتھی کو سلجھانا چاہتے ہیں اور بیخبر کے بیخبر بنے رہتے ہیں ۔

تأمل در آئینۂ دِل کنی صفائی بتدریج حاصل کنی
بدرد یقین پردہائے خیال نماند سراپردہ اِلّا جلال

۱۹۶

۱۹-جولائی ۱۹۱۷ء۔ یہ سوشپتی کی تاریکی خیالی ہے۔ تاریکی کا خیال کمزور ہوتا ہے۔ نور اور جلال کے تصوّر سے اس پر غلبہ ملتا ہے۔ کیونکہ نور اور جلال کا خیال مضبوط ہوتا ہے۔ اثبات ہمیشہ نفی پر غلبہ پاجاتا ہے۔ شاستروں نے کہنے کو تو بہت کچھ کہا ہے۔ مگر سمجھتا کون ہے! اور ان کو سمجھائے کون! اندھے کے آگے روّوے اپنا دیدہ کھووے ۔

۱۹۷

۱۹-جولائی ۱۹۱۷ء۔ جب تک ایسے زبردست اِشٹ کا تصوّر نہ باندھا جائے گا۔ تب تک وِدیا۔ اَوِدیا کرت۔ اور ہرنیہ گربھ کو کون کہے۔ جیو وِشو تیجس اور پراگیہ کی حقیقت سے بھی ناواقف رہیں گے۔ جو یہ ہیں وہی وہ ہیں۔ جیسے پنا جیسے ترگنا تمک ہے ویسے ہی برہمہ پنا بھی ترگنا تمک ہے۔ فرق صرف لطیف کثیف۔ اور الپگیہ سروگیہ کا ہے۔ اِس کا علم زبانی۔ ظاہری۔ اور علمی طور پر بخشا گیا۔ ابھی صرف سوکشم اور استھول ہی کے دایرہ میں ہم ہیں۔ کارن کا گھر دُور ہے۔ جب سادھن کر کے اور ست پُرش رادھا سوامی کا اِشٹ باندھ کر جیو اپنے کی ترگنا تمک جگت کو لانگھ جائے۔ اور بتدریج سوکشم جگت کو جس میں وِدیا۔ اَوِدیا کرت اور ہرنیہ گربھ ہیں پار کرے۔ تب اُس کو کارن جگت کے منڈل میں رسائی ہوگی اُس کو ہم بھنور گپھا کہتے آئے ہیں۔ اور شاستر اُسی کو

تپ لوک کہتے ہیں۔ ساودھن کرنے سے جیو میں طاقت آ جائے گی۔ اور اس طاقت سے کام لیکر پہلے وہ وراٹ سے سمبندھ جوڑ کر لطیف عالم بیداری یعنی وچھپت کبیرا ویا کرت کے لطیف عالم خواب کی سیر کرے۔ اس کے بعد لطیف عالم سُشُپتی میں ہرنیہ گربھ کا رُوپ لکھے۔ تب رادھا سوامی نام کا سُمرن کرتا ہُوا مہا کارن اوستھا تپ لوک اور کھنور گپھا کا درشن کرے۔ جہاں ان تینوں حالتوں کی حد ہے۔ اور جب اُس کو گیان کی پراپتی ہو جاتی ہے تو پھر آگے ست لوک کی نوبت آئے گی۔ اور وہ ستّا کے حد سے جو مایا پرکرتی کہلاتی ہے پرے پہنچ جائیگا اور آخر میں چوتھی اوستھا کو پا کر اپنے نج رُوپ کا درشن پائے گا جس کو سنتوں نے رادھا سوامی بتایا ہے ✤

۹ جولائی سنہ ۱۹۱۶ء۔ سمادھی ہر مقام پر لگتی ہے۔ اور ہر مقام پر نروکلپ اور سوکلپ سمادھی ہو جاتی ہے۔ ممکن ہے۔ کہ بے خبر جیو حقیقت کو سمجھے ہوئے بغیر کسی ایک میں جذب ہو جائے۔ اس لئے اُس کو اس خطرہ سے بچانے کے لئے عمل ثلاثہ۔ سُمرن۔ دھیان۔ بچن کی تعلیم دی گئی ہے۔ ورنہ سمادھی کے دیو میں پڑ کر وہ کسی ایک استھان پر اٹک رہیگا۔ اور اُتھان کے وقت پھر آواگون کے چکر میں پڑے گا۔ سمادھی کیا ہے؟ اِشٹ اور آدرش کے تصوّر کو پختہ کرتے جانا۔ دھیان کیا ہے؟ ہر مقام کے دھنی کا رُوپ دیکھتے چلنا۔ اور بھجن کیا ہے؟ رچنا کی دھار کی آواز کو جو ہر طبقہ کے دھنی کے منڈل سے برآمد ہوتی ہے۔ اُس کو سنتے جانا۔ اِس عمل سے جذب ہونے یا مجذوب بننے کا ذرا بھی خوف نہ رہیگا۔ اور بتدریج نہایت خوشی۔ سہولیت۔ اور آنند سے یا خفیہ راستہ طے ہوتا چلیگا۔ ذرا اس عمل کو کر دیکھو۔ تجھے بدھی میں آوے کہ سُن لینا۔ اس کا موقع تو ہر وقت حاصل ہے۔ ہاں ساودھن کرنے کا پھر وقت نہ ملیگا۔ اور آخر

میں پچھتانا پڑے گا +

۱۹ - جولائی سنہ ۱۹۱۷ء - ابھیاس میں کسی کو جلد ترقی ہوتی ہے - کسی کو کمی بیشی تھ
دیر میں یہ فرق صرف جیؤں کے شوق کی کمی بیشی پر موقوف ہے - جس کا دل بہت چنچل
ہے - وہ آسانی سے یکسو نہیں ہوتا - جس میں متحد اور ایکاگر ہونے کا خاصہ ہے وہ اپنا
کام جلد بنا لیتا ہے - یہاں تک کہ اگر اگلے جنم کی کمائی ہو - تو مہینوں ہی میں بہت کچھ
ترقی ہو جاتی ہے - دُنیا میں ہر شے کا امکان ہے - جیسی جس کی خواہش ہوتی ہے -
قدرت کو مجبوراً اُس کے احساس اور جذبہ کی تعظیم کرنا پڑتا ہے - دنیاوی ترقی اور تنزل
اور کچھ نہیں ہے - صرف جیؤں کی کمزور اور زبردست خواہش کا نتیجہ ہے - سامان
یہاں سب کچھ ہے - صرف دِل لگانے کی بات ہے - کوئی آدمی ایسا ہے جو آگرہ
سے کلکتہ پاپیادہ جاتا ہے - اور چھ مہینہ میں پہنچتا ہے - کوئی گھوڑے کی سواری
یا اس سے جلد اور مسافر گاڑی یا اُس سے بھی جلد اور ڈاک گاڑی میں بہت
جلد دو تین دن ہی میں پہنچ جاتا ہے - جس میں جیسی استطاعت ہے وہ اُسی طرح کام
کرتا ہے - اور اگر کچھ عرصہ بعد جیؤں کو گھنٹوں ہی میں پہنچنے کی خواہش ہوگی - تو قدرت
میں اُسی کے اہتمام کا کام ہونے لگیگا - اِس میں شک نہ کرو +

صاحب کے دربار میں کمی وستو کی ناہہ
بندہ موج نہ پاوہیں چوک چاکری ماہہ

ترقی دنیا میں اِسی طرح ہوا کرتی ہے - انڈا آج پیدا ہوُا - اور دو چار دن میں پرند کو
باہر نکالیگا - لیکن اگر انسان کے دِل میں یہ خیال پیدا ہو جائے - کہ یہ ابھی پیٹ سے
باہر نکلے اور ابھی پرند نظر آجائے تو ایسا ہی ہونے لگیگا - درخت کا پھل دنوں میں پکتا
ہے - لیکن کیمیائی اثرات کی دوائیوں کے میل سے وہ گھنٹوں ہی میں بڑا ہو کر پک جاتا
ہے - اسی طرح جو جیو جلدی اپنا اُدھار کرنا چاہتے ہیں اُن کو ویسا سامان میسر آجاتا ہے

اور جو آدا گون کے واہمہ کو تحبنہ کرتے ہوئے چلتے ہیں۔ اُن کو ابھی بہت دنوں تک جینا مرنا پڑے گا۔ یہ رازِ حقیقت ہے ٭

(۱۱) جولائی ۱۹۱۶ء - تم کیا چاہتے ہو؟ جلد کام بنانا ہے یا دیر میں۔ ہر دل کے جذبات اور خواہشات اور اپنے دُنیاوی تعلقات کو سامنے رکھکر تب جواب دینا۔ بغیر سوچے سمجھے زبان سے کوئی کلمہ نہ نکالنا۔ حکم تو یُوں ہے :-

ایک جنم گُورو سیوا کر۔ جنم دوسرے نام
جنم تیسرے مُکتی پد۔ چوتھے میں بسرام

مگر انسان کے چاروں جنم ایک ہی جنم میں ہو جاتے ہیں۔ کیا تم نہیں دیکھتے۔ ایک ہی انسان برہمچریہ۔ گرہستی۔ بن پرستی اور سنیاس کے فرائض ایک ہی جنم میں ادا کر لیتا ہے۔ اور کوئی کوئی ایک ہی آشرم میں اٹکے اور لٹکے رہتے ہیں۔ جو وجہ ہے وہی یہ ہے۔ تمام باتیں انسان کے اپنے خواہشات اور جذبات پر موقوف ہیں۔ مگر جیا نی اہم تو یہ کہتے ہیں کہ جو کچھ کرنا ہے اسی جنم کے اندر اندر کر لو۔ آگے کی اُمید میں کیا رہنا ہے؟ کون جانے دوسرے جنم میں کیا واقعات پیش آئیں۔ سچّا انسان وہی ہے۔ جو اسی جنم میں اپنا کام بنا لیتا ہے ٭

مانش جنم دُرلبھ ہے۔ دیہہ نہ بار بار
ترور سے پتّا جھڑے۔ بہُر نہ لاگے ڈار

اور یہی وجہ ہے۔ کہ مجھ سے جہاں تک ہو سکتا ہے میں صاف صاف باتیں بتا کر کم از کم بتا کر دیتا ہوں۔ کہ میرے جست پٹ تم کو سمجھ جائیں ٭

---

(۱۲) جولائی ۱۹۱۶ء - اکڑ بُری چیز ہے۔ کیونکہ یہ خواہ مخواہ اہنکار کو بڑھاتی ہے۔ اصول کی پابندی اور چیز ہے اور اکڑ اور چیز ہے۔ اصول کی پابندی کی غرض یہ نہیں

ہوتی - کہ اصول کی پابندی ہی کو سب کچھ مان لیا جائے - بلکہ اصول کی پابندی بھی کسی خاص غرض اور مقصد سے وابستہ ہے - اصول کی پابندی سے دل کی تادیب و تربیت بھی کسی اور ہی غرض کی تکمیل کے لئے ہے - اور وہ غرض یہہ ہے - کہ من کی گڑھت کر کے اُس کو ست پُرش رادھا سوامی کے چرنوں میں ڈال دیا جائے - اور بس!

۲۰۲

۲۰ - جولائی سنہ ۱۹۱۷ء - من کو قابو کرنا - یا من پر طاقتور ہو کر اُس کو ہمیشہ بس میں رکھنے کا عمل جاری رکھنا مقصد نہیں ہے - اور نہ کوتاہ نظر بن کر اس کو سب کچھ سمجھ لینا چاہیئے بلکہ اس کو گڑھ کر رادھا سوامی کے چرن کمل کا بھونرا بنا دینا چاہیئے - من کا خاصہ ہے - جس رُوپ کو دیکھتا ہے اُسی کا رُوپ بن جایا کرتا ہے - پھر کیا وجہ ہے کہ یہہ مالک کا درشن نہ کرے - لکڑی آگ کے پاس جا کر آگ کا رُوپ بن جاتی ہے - پھر لکڑی نہیں رہتی - آگ کہلانے لگتی ہے - اسی طرح من کو نج سروپ کی طرف لگانا چاہیئے - اگر اچھی طرح نہ لگایا جائے گا تو پردہ حایل رہیگا - اور پھر گر پڑ کر اُسی کا سادھن کرنا ہوگا - لکڑی اگر آگ کا رُوپ نہ بنی تو پھر کالے رنگ کا کوئلہ ہو گی - اور پھر اُس کو جلنا پڑیگا اسی طرح من اگر ست پُرش رادھا سوامی کا سچا سیوک نہ بنا لیا گیا - تو پھر وہ کال کے اگنش کا ہو کر اُتپات مچائے گا - اس لئے اُس کو ہمیشہ کے لئے پریم کی بھٹی میں ڈال کر بھسم کر دینا چاہیئے +

لکڑی جل کویلا بھئی - کویلا جل ہوا راکھ
میں برہن ایسی جلی - کویلا بھئی نہ راکھ

۲۰۳

۲۰ - جولائی سنہ ۱۹۱۷ء - آج کل بلند خیالی کے دلدادہ قوت ارادی کی تکمیل کو زندگی کا مقصد مان لیتے ہیں - ہم کو اُن سے بحث نہیں ہے - مگر قوت ارادی اصل میں کیا ہے ہمیشہ خواہ مایا کے پرمانو اور ذرّات کا متحد اور ٹھوس بنانا ہے - یہہ تو ہو گیا - مگر

من صرف سادھن نہیں ہے

تصور

قوت ارادی کی تکمیل

اس کا انجام کیا ہوگا ہر ہاتو وہ کال اور مایا ہی کے چکر میں۔ ستھول من ایسا دُکھ دائی نہیں ہوتا۔ جیسا سوکشم من تکلیف کا باعث ہوتا ہے۔ اور یہاں تو سوکشم کے عوض اُس کو اور ستھول بنایا جا رہا ہے۔ اُس میں گرہ مضبوط پڑ رہی ہے۔ اور جب گرہ مضبوط پڑ گئی۔ تو جیتن کی گانٹھ کیسے کھلے گی! یہہ تو کچھ بھی نہ ہوا۔ اہنکار بڑھا۔ اور اہنکار ہی کال کا جال ہے۔ یہاں دو باتیں ہیں۔ جو تم کو ذہن نشین کر لینا چاہیئے۔ اوّل تو اگر من میں قوت ارادی کی آکڑ اور جکڑ آ گئی۔ تو وہی میرے تیرے پنے کا جھگڑا بنا رہا۔ مُکتی اور آزادی کا خیال کالعدم ہو گیا۔ گورو کی بانی ہے:۔

مور تور کی جیوری۔ بٹ باندھا سنسار
داس کبیرا کیوں بندھے جا کے نام ادھار

دوسرے اگر بغرض محال من کے اس قوت ارادی کو لطیف اور سوکشم کر لیا گیا تو اُس کی بھی لطیف خیالی طبقہ میں وہی حالت رہے گی۔ جو ستھول قوت ارادی کی استھول طبقہ میں ہے۔ اس موقع پر بھی گورو بانی کو سنو:۔

میں جانا من مر گیا۔ مر کر ہو گیا بھوت
مر کر پیچھے اُٹھ پڑا۔ ایسا میرا پوت

اسی لیئے تو میں کہتا ہوں۔ کہ اس کو بغیر پریم کا رنگ دیئے ہوئے کام نہیں نکلتا +

۲۰۔ جولائی ۱۹۱۶ء۔ ستھول قوت ارادی اور اس کا حال سنو۔ راون نے قوت ارادی کو مضبوط کر لیا۔ رام کے ساتھ جنگ آ بنا ہوا۔ دریودھن نے یہی عمل کیا۔ مہابھارت ٹھن گئی۔ بلی نے دن دکشنا کو زندگی کا مقصد بنا لیا۔ وامن نے چھل کر پتال بھیجدیا۔ اب سوکشم قوت ارادی کی کیفیت سنو۔ پاراشر رشی نے تپ کیا مچھودری کے عشق میں مبتلا ہوئے۔ اور اُس کی سنگت سے ویاس رشی پیدا ہوئے۔ سوامتر نے بن میں تپسیا کی۔ اندر کی بھیجی ہوئی مینکا نے تپ کو بھنگ کر دیا۔ شکنتلا کی اُتپتی

ہوئی۔ شرنگی رشی کو تپ کے وقت دشرتھ کی بھتیجی ہرلی استری نے برباد کر دیا۔ اور وہ اُس سے پیدا کی ہوئی سنتان کو سر پر اُٹھائے ہوئے ایودھیا پُتر یگیہ کرانے گئے۔ جڑ بھرت کا نپ تم سن ہی چکے ہو۔ اِن کو ہرن کے بچّہ کا پریم ہوا۔ اور دوسرے جنم میں ہرن کی یونی میں جنم لینا پڑا۔ دُرواسا رشی کے تپ نے اُن کو کاشی منڈل میں مقید کرا دیا۔ یہی حال دوسرے سپت رشیوں کا ہوا۔ مطلب کہنے کا صرف یہ ہے کہ بغیر سچے اور سچی پریم کے کام نہیں بنتا۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے۔ کہ من مکھ نہ بنو۔ گورمکھ بنو۔ اور گورو کے چرنوں کا پریم پیدا کر کے رادھا سوامی پد کو گرہن کرو۔ جو گورو کا اصلی روپ اور تمھارا نج سروپ ہے۔ گورو کی بانی ہے :-

ستگورو سنگ باندھ جگ چلو

چوٹ کتا دُکال بن دلو

۲۰۵

۲۰ جولائی سنہ ۱۹۱۷ء۔ پرہلاد کی بھگتی بہت قابلِ تعریف ہے۔ مگر اُس سے اِندراسن کا پھل ملا۔ اندر کی پدوی کوئی دائمی شے تو نہیں ہے! تم خود سوچو تب اصلیت سمجھ میں آئے۔ جب تک من میں ذرا بھی غرض کا شمول ہے۔ تب تک کال اور مایا میں پھنسنے کا ڈر ہے +

دِل بکن از فکر باطلہا سیاہ

از خدا غیر از خدا چیزے مخواہ

۲۰۶

۲۰ جولائی سنہ ۱۹۱۷ء۔ تم ڈرتے ہو۔ کہ کام انگ بُرا ہے۔ اُس کو مالک کے چرنوں میں ارپن کیوں نہیں کر دیتے۔ تاکہ بھگتی کا پاتر بن جائے۔ اُس کو بس میں کرنے سے تم تو باز نہیں آتا مگر بُری چیز بھی اچھی چیز سے ملنے پر اُس کے کیمیائی اثر کو قبول کر لیتی اور اُس جیسی اچھی بن جاتی ہے۔ نفرت کی چیز عمل کیمیائی۔ اور دلی تاثیرات کے زیر اثر آ کر رغبت کی شے ہو جاتی ہے۔ یہ تم نظام کائنات میں ہر جگہ دیکھ رہے ہو۔

خلیفہ محمد عبداللہ ہوشیار پوری ۱۹۱۷ء

فیروز دین ۱۹۱۷ء کاروبار ۱۹۱۷ء

کہنے سننے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ ناپاک کوڑا پاک آگ سے بلکہ کھاد اور بالن بنتا ہے۔ اور پھولوں کی کیاری میں پڑنے سے خوشبو کی شکل میں منتقل ہوتا ہے۔ ہندی نالے کا گندہ جل گنگا کی مقدس دھارا میں مل کر گنگا جل ہو جاتا ہے۔ اور ہم تم سب لوگ اُسی کو پی لیتے ہیں۔ بالکل اسی طرح جسم اور دل کے نفسانی جذبات کا میل مالک کے پریم سے کر دو۔ اور بے کھٹکے ہو جاؤ +

۲۰۔ جولائی سنہ ۱۹۱۷ء۔ (تخم تاثیر، صحبت اثر) صحبت کے اثر سے تخم کی تاثیر تک مل جاتی ہے۔ مالی باغ کے کھٹے پھل کو میٹھا بنا دیتا ہے۔ جاہے ضرور کے پتھر کو سنگتراش گھڑ کر خوبصورت مورتی کی صورت میں منتقل کر دیتا ہے۔ مٹھاس اور خوبصورتی دونوں ہی مالی اور سنگتراش کے دل میں ہیں سو وہ باہر سے کہیں نہیں آتیں۔ دل ہی سب کا جھنڈار ہے۔ دل سے پریم کا رنگ پیدا کرو۔ اور اپنے جذبات کو اس کا رنگ دیتے چلو۔ اور یہ دیکھتے دیکھتے کچھ کے کچھ ہو جاؤ گے۔ اگر خود ایسا نہیں کر سکتے۔ تو پریمیوں کی صحبت اختیار کرو۔ تاکہ اُن کی خوبو تم میں سرایت کر جائے +

۲۰۔ جولائی سنہ ۱۹۱۷ء۔ جپ تپ۔ جوگ جگت۔ اور گیان وچار سے وہ کام نہیں ہوتا۔ جو پریم سے بہ آسانی ہو جاتا ہے۔ کچھ نہ کرو۔ صرف مالک کے پریم سے لو لگاؤ۔ اور تم اُسی کا روپ بن جاؤ گے۔ پریم دو دلوں کو جوڑ دیتا ہے۔ اور جوڑ دینے پر اُن کو اس طرح بنا دیتا ہے۔ کہ تفرقہ بین نگاہ اُن کے درمیان تمیز کا خط نہیں کھینچ سکتی۔ یہ پریم کی بزرگی ہے +

آتشے از عشق در جاں بر فروز
سر بسر فکر عبادت را بسوز

۲۰۔ جولائی سنہ ۱۹۱۷ء۔ شبد

سنگت کی بلہاری سادھو! سنگت کی بلہاری

(۱)- پارس کے لوہا جب سنگ بھیا۔ ہو گیا کُندن رُوپ
راجہ کے سنگ ملا دریدّری۔ سب کوئی سمجھے بھُوپ سادھوا

(۲)- سادھ سنگ سے سب ہی تر گئے۔ کوٹل۔ کوبھاو کوُ چال
من بیچ کرم سادھ گتی پائی۔ ہو گئے سہج نہال سادھوا

(۳)- آگ کی سنگت پڑ کر جل گئے۔ کوڑا کرکٹ گھاس
کھاد بنے۔ کیاری میں آگئے۔ نکسا باس سُو باس سادھوا

(۴)- ند نالے کا جل اتی گھرنت۔ گنگا آن رِلایا
گنگا رل گنگا بھیا سارا۔ نام گنگودک پایا سادھوا

(۵)- کاٹھ کی ناؤ بنی اتی ہلکی۔ لادے پاتھر لوہا
تا کے سنگ ترے کیس بدھی سب۔ دیکھ میرا من موہا سادھوا

(۶)- چندن کے ڈھنگ رہت سدا ہی۔ نیم ببُول۔ پلاس
سہجے ہی رُوپ اپنا تیاگا۔ آوے چندن باس سادھوا

(۷)- مایا موہ میں رہت پھنسانا۔ من مُورکھ اگیانا
رادھا سوامی چرن شرن جب دھاریو۔ ہو گیا چتر سُوجانا سادھوا

۲۱۰

۲۱- جولائی ۱۹۱۴ء۔ دکھ سکھ اور آواگون کے اصول کی وضاحت جس طرح رادھا سوامی مت میں صاف صاف بتائی جاتی ہے۔ اُس کا پتہ دُنیا کے اور مذہبی کتابوں میں مشکل سے ملتا ہے۔ آج تم کو اسی بات کو ذہن نشین کرانے کی کوشش کی جائے گی۔ بات سہل ہے۔ سیدھی سادی۔ اور ساتھ ہی وہ سائنس اور علم حکمت کو اپنے ساتھ لئے ہوئے ہے۔ ذرا ان بچنوں کو توجہ غور کے ساتھ پڑھنا۔ سُرت کا کسی شے۔ چیز۔ شخص یا مقام یا حالت کے ساتھ تعلق پیدا کرنا۔ سکھ

سکھ دکھ کی وضاحت

کسی ستھان - شہر یا وستھا سے
اور اُس سے ہٹایا جانا دُکھ ہے - یہہ
سُرت کا بندھنا آنا ہے اور اُس سے دُور کیے جانے کو دانا کہتے ہیں - یہہ
میرے کہنے کا خلاصہ ہے اور جو بہر ہے - اور اس کے سمجھ لینے سے اصل راز سے
واقفیت ہو جاتی ہے - پہلے دُکھ سکھ کی حقیقت سمجھو ؛

۲۱ - جولائی ۱۹۱۷ء - تم نے دل میں تصور کیا - کہ فلاں شے اچھی ہے -
سُرت یا توجہ اُس میں آ کر ٹھہر گئی - تب سکھ ہوا - اور جب کسی وجہ سے اُس سے
ہٹائی گئی ہے - تو اُس کا نتیجہ دُکھ ہوا - تم نے سمجھا - باغ سیر اور تفریح کی جگہ ہے
وہاں گئے - چت کو اُس سے لگایا - اور خوشی ملنے لگی - جب تم سیر یا گلگشت میں ہو
اُس کا لطف لے رہے ہو - کیونکہ چت اُس سے بندھا ہوا ہے - جب تک چت
بندھا ہے تب تک مزہ آ رہا ہے - عین مزہ کے وقت کسی عزیز کی موت یا بیماری کی
خبر دی گئی - اب سُرت وہاں سے ہٹ گئی - وہی باغ اور سیر و تماشہ جو اب تک
باعث تفریح تھا - دُکھ رُوپ بن گیا - پھُولوں کی بہار رنگ رلیوں کی خوش نمائی اور
پرندوں کے چہچہانے کا شور اب دل کو نہیں بھاتا - بلکہ کانٹوں کی طرح چبھتا ہے -
باغ تو جیسے پہلے تھا - اب بھی ویسا ہی ہے - پھُولوں کی خوشبو میں کوئی فرق نہیں
آیا - وہ جیسے پہلے تھے اب بھی ویسے ہی ہیں - مگر اب وہ اور طرح نظر آتے ہیں - سبب
کیا ہے ؟ سبب یہ ہے - کہ سُرت اب وہاں سے ہٹا دی گئی ہے - تم گانا سُن کر
مستی سے جھُوم رہے تھے - تن بدن کی خبر نہیں تھی - مگر ذرا سے واقعات نے
چت کو بے رنگ کر دیا - اب کوئی ہزار راگ الاپے - مگر خوشی نہیں ملتی - تم کھانا مزہ
لے لے کر کھا رہے تھے - کوئی بات خلاف طبیعت ہو گئی - اب میٹھا کھانا کڑوا
پرتیت ہونے لگا - تم شطرنج کھیل رہے تھے - خوش تھے - کوئی بات ناخوشگوار
ہو گئی - یوں سمجھ لو - کسی نے دُربچن کہہ دیا - اب وہی بساط اور وہی شطرنج ہے - مگر

اب وہ اچھا نہیں لگتا۔ جی اُچٹ گیا۔ طبیعت اُکتا گئی۔ دِل مکدر ہو گیا۔ اور وہ بُرا معلوم ہونے لگیگا۔ تم کتاب پڑھ رہے تھے۔ خوش تھے۔ کسی ناگہانی واقعہ کا ظہور ہوا۔ کتاب کو آنکھوں کے سامنے سے ہٹا دینا پڑا۔ وعلیٰ ہذالقیاس پس سمجھو کہ حالت میں فرق کیوں ہو گیا؟ سبب وہی ہے۔ پہلے سُرت اُس سے بندھی تھی۔ توجہ نے اُس کو اپنا خیالی اور دلی مرکز بنا رکھا تھا۔ اب جب کہ وہ وہاں سے ہٹالی گئی۔ تو اب وہ رس نہیں ملتا۔ اور نہ وہ لذّت پرتیت ہوتی ہے۔ الغرض جو ہے وہ سُرت کے گاڑ دینے اور سُرت کے اُکھیڑ دینے کا معاملہ ہے +

۲۱۲
۲۱- جولائی ۱۹۱۷ء

بال بچّوں کی محبّت۔ عورت کی اُلفت۔ کھیل تماشوں کی فرحت۔ تفریح گاہوں کی سیاحت۔ صحبت۔ میاشرت۔ مصروفیت۔ خلوت۔ جلوت سب میں یہی اصول محیط کُل ہے۔ جب تک دِل لگا ہوا ہے سب کچھ ہے۔ دل کے لگاؤ کو سمیٹ لیا۔ اب کچھ نہیں ہے۔ پُوجا پاٹ۔ گیان دھیان۔ سوچ وچار۔ بھگتی بھاؤ عشق و پریم۔ سب میں یہی قانون کام کرتا ہے۔ اس کے سوا اور کوئی دوسری شے نہیں ہے۔ اور وہ ہو کیسے سکتی ہے +

۲۱۳
۲۱- جولائی ۱۹۱۷ء

شبد

سادھو! سُرت کا کھیل ہے نیارا

(۱)۔ جب لگ سُرت کی اَن لگی ہے۔ تب لگ سُکھ کی آسا
سُرت ہٹی تو کیہو بدھی لاگے۔ من اب جیا اُداسا

(۲)۔ دھن سمپت جب چت بسے تب۔ سُکھ انتر بلسانے
اب تو سُرت کی ورتی پھیری۔ وہ دُکھ رُوپ دکھانے — سادھو!

(۳)۔ پُتر کلتر سے لو لاگے۔ بھرم بھرا رہے جنم سرے
اپنا رُوپ سمجھ جب آیا۔ سب سے سُرت ہٹائے — سادھو!

(۴)۔ اپنے بندھن آپ پھنسے ہم۔ جیوں ریشم کا کیڑا ساودھوا
سُرت کا سار گورو سمجھایا۔ اُلٹی اُکٹایا بیڑا
(۵)۔ سُرت کی منتی سُرت کا بندھن۔ سُرت کا سکل پسارا ساودھوا
رادھا سوامی چرن شرن بلہاری۔ سُرت کا دیکھا نظارا

۲۱۴

۱۲ جولائی ۱۹۱۷ء - تم کہو گے یہ ہم کو زخم لگ گیا۔ اور ہم دُکھی ہیں۔ اس میں سُرت کا کیا تعلق ہے؟ سُنو۔ سُرت کی دھار رگ رگ میں جاری رہکر اس جسم کے گوشت پوست کو اپنی توجہ کا مرکز بنا تی رہتی ہے۔ جب زخم لگ گیا۔ خراش آ گئی۔ یوں سمجھ لو۔ کہ رگ کٹ گئی۔ سُرت کی دھار آتی ہے۔ اور اُس جگہ ٹھہرنے نہیں پاتی۔ زبردستی اُس کو واپس جانے کی مجبوری رہتی ہے۔ اس وجہ سے تکلیف ہے۔ بیماری اور تندرستی اور کچھ نہیں ہیں۔ سُرت کے سلسلہ کا جاری ہو ہو کر جسم کے پرزوں کے ساتھ موافقت اور ہم آہنگی کرتے رہنا تندرستی ہے۔ اور اِن سے ہٹایا جانا دُکھ ہے۔ آنکھ۔ کان۔ ناک۔ پیٹ وغیرہ کے درد کی حالت میں بھی اسی ایک اُصول کا برتاؤ ہوتا رہتا ہے +

سوال ا۔ دوا سے کیوں آرام ہو جاتا ہے؟

جواب۔ کیونکہ دوا بھی اُس مرکز پر سُرت کے ٹھہرانے کا جتن کرتی ہے۔ سُرت تو خود ہی ٹھہرنا چاہتی ہے۔ دوا اُس کی مدد گار بن جاتی ہے۔ یہ سبب ہے +

سوال ۲۔ زخم کاری لگنے پر ڈاکٹر اکثر بیہوشی کی دوا پلاتے ہیں۔ صرف زخم رسیدہ عضو پر اُس دوا کو مل دیتے ہیں۔ آرام ہو جاتا ہے۔ اس میں سُرت کا کیا تعلق ہے؟

جواب۔ بیہوشی کی دوا پلا دینے سے سُرت اُوپر دماغ کی طرف چلی جاتی ہے اور اُس جگہ نہیں آتی۔ اس لئے دُکھ نہیں ہوتا۔ سُرت ہمیشہ دماغ ہی سے اُترتی ہے۔ اور وہاں ہی سے آتی جاتی رہتی ہے۔ جب نیچے کی طرف اُس کا آنا نہ ہو تو دُکھ

کیسے پرتیت ہوگا - اسی طرح دوا ملنے پر وہ مقام ایک طرح پر بے حس ہو جاتا ہے - تب سُرت اُس پر نہیں ٹھہرتی - اور نہ ہٹائی جاتی ہے - اس وجہ سے دُکھ نہیں ہوتا +

سوال ۳ - بیمار کی تیمارداری کرنے سے بھی اُس کو آرام ملتا ہے - کیا اس میں بھی سُرت کا تعلق ہے؟

جواب - کیوں نہیں - قانون تو قانون ہی ہے - جب وہ محیط کُل ہوا - تو پھر اُس کا عمل دخل ہر جگہ کیوں نہ ہوگا - ایک شخص کو پھوڑا نکلا ہوا ہے - وہ درد سے چلاتا اور شور مچاتا رہتا ہے - کیونکہ اُس کی سُرت بار بار اُس پھوڑے کی جگہ آ آ کر ہٹائی جاتی ہے - اور وہ درد کو محسوس کرتا ہے - اب اگر کوئی ہمدرد شخص وہاں آ کر اُس کی سُرت کی دھار کو اپنی باتوں سے دوسری طرف پھیر دے اور پھوڑے کا دھیان جاتا رہے - تو پھر اس کو اب کیوں دُکھ ہوگا! اب تو اُس کی سُرت پھوڑے کے استھان پر نہیں رہی ہے - اس طرح تیمارداری کے متعلق بھی سمجھ لو - سارا تماشہ سُرت کا ہے - اور جو شخص گھنے پن کے ساتھ سُرت کو درد کے مقام - زخم کی جگہ اور تکلیف کے عضو پر جمائے گا - اُس کو اتنا ہی زبردست دُکھ ہوگا - اور جو اُس کو معمولی سمجھ کر جن کو اور طرف لگائیگا - اُس کو دُکھ نہ پرتیت ہوگا - ساری بات کا انحصار سُرت - خیال - اور توجہ پر ہے - ایک شخص جراح کے نشتر کو دیکھ کر کانپ اُٹھتا ہے - دوسرا خوشی کے ساتھ نشتر لگوا لیتا ہے - ان میں بھی وہی اصول کام کرتا ہے +

سوال ۴ - دوائے بیہوشی کے پلانے سے آدمی بیہوش کیوں ہو جاتا ہے؟

جواب - دوا اس کے جسم کے مخصوص اعضا لطیفہ کو اُس وقت بے حس کر دیتی ہے - اور وہ اعضا سُرت کے آثار سکنے قابل نہیں رہتے - اس لئے اوپر دماغ کی طرف وہ کھنچی جاتی ہے - یہ ہم نے بار بار سمجھایا ہے - کہ سُرت کا بھنڈار انسان کے دماغ میں ہے - اور سُرت اپنے اصل کی طرف رجوع رہتی ہے - یوں بھی یہ عمل

تم روزانہ سپن اور سُوشپتی کے وقت کرتے ہو۔ ہاں اُس کا علم نہیں رکھتے۔ اگر علم
ہوتا اور ساتھ ہی ساتھ سادھن کو بھی جانتے۔ تو بہ اختیار خود جب چاہتے دماغ کی
طرف بہ آسانی چلے جاتے۔ پھر اس شریر کا دُکھ ذرا بھی پرتیت نہ ہوتا۔ یہ بات سُرت
شبد یوگ کے سادھن سے ممکن ہے +

سوال ۱۱۔ اس شریر کے متعلق آپ کے مشاہدات اور تجربات صحیح بھی
ہوں۔ اور ہم اس کو بطور خود صحیح محسوس بھی کرتے ہیں۔ کیونکہ سخت تکالیف کی حالت
میں انسان کے سُرت کی دھار تو اوپر کو چڑھ جاتی ہے۔ لیکن مشکل تو یہ ہے۔ کہ
خواب میں بھی تو دُکھ سُکھ کا بھان ہوا کرتا ہے۔ اس میں کیا راز ہے؟

جواب۔ وہی جواب جو تم کو بتایا گیا ہے۔ شریر ایک ہی تو نہیں ہے۔ شاستروں
نے تین شریر بتائے ہیں۔ ایک کارن۔ ایک سُوکشم۔ ایک ستھول۔ تمہاری نظر اس
وقت صرف ستھول شریر پر ہے۔ اور جسم کے گوشت پوست۔ رگ و ریشہ۔ اعضا وغیرہ
ہی تک محدود ہے۔ مگر تم کو اب تک اپنے سُوکشم شریر کی سمجھ نہیں ہے۔ سُوکشم شریر تمہارا
دِل ہے۔ اور اس دِل کے اندر لطیف طریقہ میں لطیف گیان اور کرم اندریاں بھی ہیں
سُرت سوتے وقت ستھول شریر کو چھوڑ کر سوکشم شریر یعنی من کے استھان پر جا کر
ڈیرہ جماتی ہے۔ اور وہاں خیالی صورتیں بنا بنا کر اُن سے رشتہ تعلق جوڑتی رہتی ہے
خواب دیکھنے کے وقت خوش گوار مناظر وہ خود پیدا کر لیتی ہے۔ اور جہاں کوئی ناخوشگوار
خیال آیا۔ یعنی ایک خیالی صورت من کے اندر بنی سُرت وہاں سے ہٹائی گئی۔ اور
دُکھی ہو گئی۔ یہ سبب ہے۔ کہ خواب کی حالت میں دُکھ ہوتا ہے۔ شریر کے مرکز بنا
لینے ہی سے سُرت بنی اور اُلجھی رہتی ہے۔ اور دُکھ سُکھ کی بھاگی ہوتی ہے +

سوال ۱۲۔ آخر کیوں جیتی اور [illegible] ہے؟

جواب۔ سبب یہ ہے کہ [illegible] کال یہ تبدیلی کے طبقے ہیں۔ یہاں

کوئی حالت پائیدار اور یکساں نہیں ہے۔ لمحہ لمحہ جس میں تبدیلی ہوتی رہے۔ اُس میں تو جمنے اور اُکھڑنے کا اہتمام ہوتا ہی رہیگا۔ اس میں تعجب کرنے کی کون سی بات ہے! سنسار جس مسالے سے بنا ہے وہ مایا اور ستا کا مصالحہ ہے۔ جو ہر وقت حرکت میں رہتا ہے۔ من خود اس مصالحہ سے بنا ہے۔ پھر یہاں جم کر بیٹھ رہنے کا امکان کیسے ہو سکتا ہے!

سوال ۷۔ آپ نے من کو سوکشم شریر بتلاتے ہوئے یہ بھی کہا ہے۔ کہ اُس میں سوکشم کرم اور گیان اندریاں ہیں۔ اس کی وضاحت کر دیجئے؟

جواب۔ اس کا ثبوت یہ ہے۔ کہ گو حالت خواب میں ستھول اندریاں نہیں ہیں۔ اگر خواب میں تم کھاتے پیتے۔ گھومتے پھرتے اور لُطف مباشرت حاصل کرتے رہتے ہو۔ اور یہ سب کھیل اندریوں ہی کے ذریعے تو ہوا کرتے ہیں۔ اگر من میں ان اندریوں کی جڑ نہ ہوتی تو پھر تم خواب کیسے دیکھتے۔ کیسے باتیں سنتے۔ کیسے خیالی عورت کے ساتھ مباشرت کرتے۔ کیا اس سے ثابت نہیں ہوتا۔ کہ وہاں اندریاں ہیں۔ اور خیال نام ہے لطیف حالت اور لطیف مادّہ کا۔ پس من میں ان سب کا رہنا ثابت ہو گیا۔ اندریاں چودہ ہیں۔ دس باہری اور چار اندرونی۔ پنچ گیان اور پنچ کرم اندریاں باہری اور خارجی ہیں۔ اور چار انتہ کرن۔ من۔ بُدھی۔ چت۔ اور اہنکار اندرونی اور بھیتری ہیں۔ اور ان ہی کے سلسلہ میں خواب کا لطف اُٹھایا جاتا ہے۔

سوال ۸۔ مگر ابھی تک ایک شریر باقی ہے۔ اُس کا بھی کچھ پتہ دیجئے؟

جواب۔ اس کا نام کارن شریر ہے۔ یہ من مایا اور مسرت کی ملونی سے بنا ہے اور نسبتاً یہ دنیا سوکشم شریر ہے۔ اور سُوشپتی میں بھاستا ہے۔

سوال ۹۔ جب سارے شریر دُکھ کے رُوپ مانے گئے تو پھر سُشپتی کے کارن شریر میں تو نہ دکھ پرتیت ہوتا ہے نہ سُکھ۔ اس میں تو آپ کا سدھانت غلط

ثابت ہوتا ہے۔ کہئے ایسا ہے یا نہیں؟

جواب۔ نہیں۔ چونکہ یہ بیج روپ ہے۔ اس میں ہونے کو تو دُکھ سُکھ ہوتا ہی ہے۔ ہاں تم یہ سمجھو یہ دوسری بات ہے۔ کیا سُوشپتی میں جا کر واپس آنے پر تم یہ نہیں کہتے۔ کہ "بڑے سُکھ کی نیند سوئے" یہ سُکھ ہے۔ اور جب کوئی شخص تم کو جگا دے۔ تو کیا تم یہ نہیں کہتے۔ کہ "ناحق جگا دیئے گئے" یہ دُکھ ہے۔ دُکھ سُکھ تو شریر کا دھرم ہے۔ اس سے چھٹکارا کیسے ملیگا۔ کیونکہ یہ تبدیل ہونے والی چیز ہے تم ہمیشہ تو گہری نیند یا سُوشپتی میں نہیں رہ سکتے ہو۔ آخر اس سے اُٹھنا ہی پڑتا ہے۔ پھر تبدیلی کے طبقہ میں کیسے دُکھ سُکھ سے رہت ہو گا؟

سوال ۱۰۔ یہ بتا دیجئے۔ اگر سُوشپتی من کے پرے کی حالت ہے۔ تو پھر اُس کا علم کیسے ہوتا ہے!

جواب۔ علم اُٹھنے پر ہوتا ہے۔ من کے پرے کی حالت اس وجہ سے کہی گئی ہے۔ کہ من اُس کو اپنا دِشے نہیں بناتا۔ بلکہ اُس میں جا کر لے ہو جاتا ہے۔ وہ بیج روپ میں دبا دبایا پڑا رہتا ہے۔ یہی سبب اُس کی بے خبری کا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص اچھی طرح سُرت شبد یوگ کا سادھن کر لے۔ اور ان کی سندھیا اور سندھیا انشی یعنی برزخی لوک والے ستھان پر سادھن کر کے اُس کو وچارے تو اُس کا روپ سمجھ میں آنے لگتا ہے۔

سوال ۱۱۔ کیا تم کو بذاتِ خاص اس کا علم ہے؟

جواب۔ ایسا سوال نہ کرو۔ جب میں تم کو سمجھا رہا ہوں تو کیا بطورِ خود یہ اطمینان بخش ثبوت نہیں ہے۔ کہ مجھ کو اُس کا انبھو ہو گا۔ اس کے سوا میں تم کو سنتوں کی تعلیم دے رہا ہوں۔ سنت کہتے ہیں رائے کو۔ یہ سنتوں کی رائے ہے۔ ابھی اس کو اسی طرح سمجھو۔ سادھن میں لگ کر جب خود ساکشا کر لو گے۔ اور تجھے انبھو ہو جائیگا تو پھر ایسے سوال کرنے کی ضرورت باقی نہ رہے گی۔

سوال ۱۲ – ہم اس جگت میں دیکھتے ہیں۔ کسی کو دُکھ سُکھ کم ہے کسی کو زیادہ ہے! اس کا کیا سبب ہے؟

جواب – جس کی سُرت یا توجہ میں گھنا پن ہے وہ زیادہ سُکھی دُکھی ہوتا ہے اور جس میں گھنے پن کی کمی ہے – وہ کم دُکھی سُکھی ہوتا ہے – بچوں میں سُرت اس قدر گھنی نہیں ہوتی – وہ آسانی سے ہٹتی اور اُکھڑتی رہتی ہے – اور جھٹ پٹ دوسری جگہ جم جاتی ہے – اس وجہ سے اُن کو دُکھ سُکھ کم ہوتے ہیں – مردوں کا حال اس کے برعکس ہے – اُن کا تعلق گہرا اور سمبندھ مضبوط ہوتا ہے – اس کی وجہ سے وہ زیادہ دُکھی سُکھی ہوتے ہیں – عورتوں کا بھی یہی حال ہے – ان کے من کا انگ بمقابلہ مردوں کے زیادہ لطیف ہوتا ہے – وہ جہاں سُرت کے گھنے پن کی وجہ سے دُکھ سُکھ نسبتاً زیادہ پرتیت کرتی ہیں – ساتھ ہی من کے لطیف ہونے سے وہ جلد جلد بدلتی بھی رہتی ہیں – ابھی عورت نے کوئی دردناک خبر سُنی – فوراً آنسو نکل پڑے اور کوئی ہنسی کی بات ہو گئی – آنچل سے آنسو پونچھ کر وہ مسکرانے لگی – یہ تماشا تم روز دیکھتے ہو گے!

سوال ۱۳ – بیداری – خواب – اور گہری نیند کا نقشہ ذرا نظموں کے سلسلہ میں سُنا دیجئے!

جواب – خوب! بات پوچھو اور بات کی جڑ – بہت اچھا سُنو –

بیداری میں یہ عالم میری نظر میں آیا
سویا تو خواب میں کچھ اُس کا پتا نہ پایا
کسی نے عین مزے میں جگا دیا ہم کو
ابھی تھے خواب میں اُن کو گلے لگائے ہوئے
آئی جو نیند گہری – سپنے بھی کالعدم ہیں
عقل و خرد کے جھگڑے – کافور ہو گئے سب

کبھی غنچہ کی صورت شاخِ گل پر نا جدا رہی ہے
کبھی گل کی صفت کھلکر ہنسے کیا وضعدار رہی ہے
کبھی کملائے مرجھائے کبھی پھل ہو کے ہم نتھرے
کبھی ہے جاندار اور کبھی یاں جاں سپاری ہے
نہیں یکرنگ ہر گلشن کے کاروبار کو دیکھا
کبھی بادِ خزاں ہے اور کبھی بادِ بہاری ہے
کبھی مخفی کبھی ظاہر کبھی خلوت میں جا بیٹھے
کہیں جلوت کے بیچ بیٹھے اور کہیں پر سوگواری ہے
کبھی بے طرح جکڑے آکے زنجیرِ علایق میں
کبھی رشتوں کو توڑا۔ اب یہ وقتِ رستگاری ہے

اسی کا نام آواگون ہے۔ اگر تم غور کرو۔ تو ہر لحہ تم اپنا چولا بدلتے ہی رہتے ہو۔ جیسے یہ لطیف طبقہ میں ہوتا رہتا ہے۔ ویسے ہی کثیف طبقہ میں بھی اس کی کیفیت رہتی ہے ٭

۱۲۔ جولائی سنہ ۱۹۱۷ء۔ چار جونیاں ہیں۔ انڈج۔ پنڈج۔ اُکھج۔ استھاور۔ جو انڈا سے پیدا ہو وہ انڈج۔ جو پیڈ سے پیدا ہو وہ پنڈج۔ جو پسینہ۔ میل۔ کثافت اور مادہ کی بڑی رلونی سے پیدا ہو وہ اُکھج۔ اور جب کبھی بالکل ستھول مادہ سے پیدا ہو وہ استھاور ہے۔ پرند پنچھی وغیرہ انڈوں سے۔ انسان اور حیوان وغیرہ پیڈ (پنڈ) سے۔ جوں وغیرہ پسینہ سے۔ اور درخت وغیرہ مٹی سے پیدا ہوتے ہیں۔ یہی چار صورتیں پیدائش کی مانی گئی ہیں۔ اور تم چاہے کتنی ہی تقسیم و تشریح کے مدات قایم کرتے جاؤ۔ سب اسی فہرست میں آجاتے ہیں۔ شریمد بھاگوت میں ان کی تقسیم و تفریق جدا جدا بنائی گئی ہے۔ تم اگر چاہو تو ہماری لکھی ہوئی کتاب وگیان کرشنا ین کو پڑھو تو سمجھ میں آجائے گی۔ مگر وہ سب بھی انہیں چار جونیوں کے انترگت ہیں۔ ان سب کا پیدا کرنے والا لطیف برہما ہے۔ اس کے چار منہ ہیں اور وہ چار ہی طرح کی رچنا کرتا ہے۔ پہلے برہم کا انڈا برہمانڈ بنا۔ اسی کا نام ہرنیہ گربھ ہوا۔ اسی کے انترگت اویاکرت کا پنچ روپ یعنی انڈ سے کے بھیتر پندہ سنسار اگیا۔

دوسرا

چوتھا ہے سب سے پہلے رچنا انڈاکار ہوتی ہے - پھر اُس میں اندریاں وغیرہ بنتی ہیں
اور دھارا پھوٹتی ہے - پھر یہ دھاریں مختلف النوع اور بہ کثرت ہو جاتی ہیں -
پھر ان میں وہ استھولتا مادّی نظر سے آ جاتی ہے - اور انھیں میں جیوں کی آواگون
سے پھیلاتی بھی رہتی ہے جاتی بھی رہتی ہے - جیسا جس کا خیال اور جس خیال کی جیسی
پختگی ہوگی - اسی کے مطابق جونی بھی ہوگی - باہر نہ جاؤ - صرف انسان ہی کے
جسم پر غور کرو - خود اُسی میں اسی کے اندر یہ چاروں حالتیں شامل رہتی ہیں -
اور جیو خود اسی جسم میں اُن کا تماشا دکھاتا رہتا ہے - احساس - حرکت - حرکت
میں کثرت - اور حرکت میں استھول پنا کی بے حرکتی - یہ چاروں حالتیں ہر جیو جنتو میں
پائی جاتی ہیں - اور لوٹتے وقت بہ تدریج اور بالترتیب انہیں حالتوں اور ان احوال
کے مقامات کو اپنے اندر طے کرتے ہوئے پھر انڈاکار بننا پڑتا ہے - اس کی ذرا
صراحت ورک اس سے - ستھاور میں موڑ ہوتا ہے - جیو کرم کر کے اس موڑپنا کو دوبارہ
کرم کے انتخل میں آتا ہے - اسی کو کھیچ کہتے ہیں - کیونکہ اس کھیچ میں کثرت - حرکت
سنجوتنا - اور وکشیپ پنا ہے - یہ سب کسی ایک خیال کو پختہ کرنے سے دور ہوتے
ہیں - اور اسی خیال کی پریم کے ساتھ مضبوطی کو ابھیاس کہتے ہیں - جب کسی کی
آرمبھ پنڈج یعنی دل کے قالب کو چھیتنے لگ جاتا ہے - تب وکشیپ دور ہو جاتا ہے -
اب خالی اگیان رہ گیا - یہ اگیان پردہ ماتر ہے - اس کے لیے گیان کا سادھن کرنا
ہوتا ہے - گیان کا سادھن اور کچھ نہیں ہے - صرف ابھید کو بڑھاتے چلنا گیان
کا سچا سادھن ہے - اور یوگ اس سادھن کا زبردست حامی اور مددگار ہوتا ہے
خیال کو مضبوطی - استقلال - اور ثابت قدمی کے ساتھ متحد اور ایکاگر کرنا اس کا
انتہا کا لیبانا ہے - یہی سادھنی ہے اور اسی سادھنی دوارا تمام اگیان دور ہو جاتا
ہے - بشرطیکہ بصرت قید یوگ کے شغل کی مدد سے پہلے جیو کے دندان اور بکھیڑ

بھیتر کے سنسکاروں کو اپنے اندر سے طے کر دے۔ جیسا کہ پہلے بتا دیا گیا ہے۔ اب تم خود سوچو کہ ایسا ہوتا ہوگا یا نہیں!

۲۱ جولائی سنہ ۱۹۱۴ء۔ کرم۔ اُپاسنا۔ اور گیان۔ یہ تین طریقے مُکتی کی طرف واپس لوٹانے کے ہیں۔ اور یہ تینوں تین گُنوں کے ساتھ سمبندھ رکھتے ہیں۔ تموگنی میں مُوڑھتا ہے۔ کیونکہ وہ تما اور رُوپ ہے۔ اس لئے اُس کو کرم ہی میں لگایا جائے۔ اُس سے اور کوئی سادھن نہ کرایا جائے۔ رجوگنی میں چنچلتا ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ آکھیج رُوپ ہے جیسے پانی کے کیڑے بلبلاتے رہتے ہیں۔ ویسے ہی یہ من بھی ہر وقت پھرتا رہتا ہے۔ اس لئے اُپاسنا کا رستہ اُسکا علاج ہے۔ تاکہ خیال میں کچھ یکسوئی آ جائے۔ ستوگنی پنچ جسمانی ہے۔ جسم میں اکیان رہتا ہے۔ اور جسمانی تعلقات کے گھیرے میں سے بیو ہے۔ اپنے آپ کو جسم کا رُوپ مان لیتا ہے۔ اس کو یوگ کا سادھن کرانا چاہئے۔ تاکہ جسمانی طبقات سے من اُوپر چڑھے۔ پنڈ کے تمام پردوں۔ غلافوں۔ اور کوشوں (پنچ کوش) کو اپنے اندر چھاڑتا چلے۔ اچھو مِکّن بنے۔ تب وہ رفتہ رفتہ انتج یعنی سمادھی میں محو ہوکر اپنے نج رُوپ کے ساکشاتکار کرنے کے قابل ہوگا۔ اور گیان کو پراپت کر لیگا۔ یہ اُنمنی اوستھا۔ اُن مُنی حالت اور اُنمنی دشا کہلاتی ہے۔ جس میں وہ تتوں کی حالت سے اُونچا ہو جائیگا۔ اور یہی اُونچا ہونا اُس کا رُوپ ہے۔ جہاں گُن کا منڈل نہیں ہے۔ سنت اسی کو رادھا سوامی، ستنام یا رادھا سوامی دھام کہتے ہیں*

۲۲ جولائی سنہ ۱۹۱۴ء۔ ست۔ رج۔ تم میں سے کوئی اپنا رُوپ نہیں ہے۔ کیونکہ یہ گُن ہیں۔ گُن ستا۔ مایا۔ اور کال کے منڈل میں رہتے ہیں۔ اِن گُنوں ہی کی وجہ سے جیو چار جُونوں میں بھٹکتے رہتے ہیں۔ ان میں سے ست لطیف ہے۔ رج لطیف اور کثیف دونوں کی ملونی ہے۔ اور تم کثیف ہے۔ ست اگیان ہے۔ کیونکہ ستا کا پردہ لئے ہوئے ہے۔ رج چنچل ہے۔ کیونکہ وہ حالتوں کی آمیزش کی حالت

ہے۔ اور تم کو ڈھانپتا ہے۔ کیونکہ وہ آلسی بنا کر استھاور روپ میں قایم کر دیتا ہے
اِن میں سے ایک بھی ہمارا سچا ساتھی نہیں ہے۔ ہاں یہہ دُوسری بات ہے۔ کہ
تم ان سے مدد لیکر اپنا مددگار بنا لو۔

۲۲-جولائی ۱۹۱۷ء۔ اس مایا رُوپی جنگل میں تین ڈاکو رہتے ہیں۔ جو جیوؤں کے
مال و متاع کو چھین لیتے ہیں۔ یُوں سمجھو۔ کہ ایک مرتبہ کوئی مسافر اِن سے گھر گیا۔
تینوں نے مِلکر اُس کو لُوٹ لیا۔ تم رُوپی جو تھا ڈاکو وہ کہنے لگا "اس کو قتل کر دو"
مگر رج رُوپی ڈاکو بولا "قتل نہ کرو۔ اس کو کسی درخت سے کس کر باندھ دو۔ یہہ آپ
تڑپ تڑپ کر مر جائے گا" اور ایسا ہی ایسا کیا گیا۔ اِن دونوں کے پیٹھ پھیرنے
کے بعد ست رُوپی ڈاکو کو دیا آئی۔ اُس نے اُس کے بندھن کاٹ دیئے۔ اور رحم
کرم کے ساتھ اُس کو اُس کے گھر کا راستہ دکھا کر رُخصت ہونے لگا۔ مُسافر نے
کہا "تُو نے میری جان بچائی ہے۔ میرے گھر چل۔ احسان کیا ہے تیری مہمان نوازی کرونگا"
اس نے جواب دیا "نا بابا! آخر میں ڈاکو ہُوں۔ تیرے گھر میں میرا کام کیا! وہاں
میری گُذر نہ ہوگی۔ اور میں پہچان لیا جاؤنگا۔ اور کون جانے مجھ پر کیا آفت آئے
میں تو اسی جنگل میں رہوں گا۔ تُو اکیلا اپنے گھر کو چلا جا" الغرض مسافر تنہا اپنے گھر کو گیا
اسی طرح ست کا گُن جو کہ اگیان کا پردہ ہے۔ کسی درجہ تک راہ میں مددگار تو ہو
جاتا ہے۔ اور اس سے مدد لینے کی ضرورت بھی ہے۔ مگر یہ سچا رفیق اور شفیق نہیں ہے
جیو نِرگُن ہے۔ اُس کو آخر میں کسی صِفت کے ساتھ تعلق نہیں رکھنا پڑتا۔

۲۲-جولائی ۱۹۱۷ء۔ جو باتیں ہم نے جیوں اور آواگون کے متعلق کہی ہیں
وہی جُگوں کی بابت بھی سمجھی جانی چاہئے۔ چار جُگ ہیں۔ ست جُگ۔ تریتا۔ دواپر
کلی جُگ۔ ست جُگ میں ست گُن کی پردھانتا ہوتی ہے۔ اور سوا ایک اگیان کے
پردہ کے باقی جیوؤں کو کوئی دُکھ نہیں رہتا۔ اور وہ یہہ بھی نہیں جانتے۔ کہ گُن کیا

ہے۔ اور تریتا میں تین گنوں کی اُتپتی کا عالم اور بیوہار سادھن پرتی سے ہوتا ہے۔ اسی
وجہ سے اُس کا نام تریتا (سنسکرت "ترئی" = تین۔ اور "اِت" = حاصل کیا ہوا) ہے۔
دواپر میں ست گن کی پردھانتا جاتی رہتی ہے۔ گو اُس کو تریتا ہی میں دبا دیا
ہوتا ہے۔ دواپر میں دو گن بلوان ہو جاتے ہیں۔ رج اور تم۔ اور اس وجہ سے جیو
میں بڑی کشمکش اور جد و جہد رہتی ہے۔ پیشہ۔ صنعتگری۔ معاش حاصل کرنے کی
سینکڑوں تدبیریں۔ قوموں کی تفریق اور تقسیم۔ لکھنا پڑھنا۔ اور تمام دوند کے بیوہار
اسی یگ میں پیدا ہوتے اور ہر چہار طرف تفرقات اور اختلافات بڑھ جاتے ہیں۔
سنسکرت "دُوِتی" = دو۔ اور "پر" = بعد۔ اس کا ماتر ہے۔ یہ مہا چیلتا کا زمانہ ہے۔
اس کے بعد کلی یگ کا زمانہ ہے کہ اسکے بعد بھی کلی یگ آتا ہے۔ اس میں تم پردھان
ہو جاتا ہے۔ اور جیو بڑا آلسی اور موڑھ ہو جاتے ہیں۔ سنسکرت بھاشا "کل" = پاپ
اور بدی سے نکلا ہے۔ پاپ اور بدی آلس اور موڑھتا ہی ہے۔ اس میں جیو اس قدر
آلسی اور موڑھ ہو جاتا ہے کہ بالکل ایا۔ مادہ اور مادی سامان کا محتاج ہو جاتا ہے
دل کی روشنی مند پڑ جاتی ہے۔ اور وہ سمجھنے لگتا ہے کہ اگر دنیاوی ساز و سامان نہ ہوں
تو ایک پل کے لئے بھی اُس کا گذارہ ہو۔ اور اُس کی توجہ بالکل مادہ کی طرف رجوع رہتی
ہے۔ ابھی دواپر ویاپت رہا ہے۔ گو یہ کلی یگ ہے۔ مگر دواپر کا اثر لئے ہوئے ہے۔
ست یگ میں اُنتج۔ تریتا میں ترگناتمک پینتج۔ دواپر بدھ گناتمک اُکنچ۔ اور
کلی یگ میں تموگناتمک خواہ موڑھ گناتمک استھاورکی پردھانتا رہتی ہے۔ چاروں یگ
تو ہر یگ میں رہتی ہیں۔ مگر یگوں کے اوسار یہ ان کے درمیان تمیزی حدات دکھائے
گئے ہیں *

۲۲ جولائی سنہ ۱۹۱۶ء۔ ممکن ہے کہ تم اس تیتی کو نہ سمجھ سکو۔ اس لئے پھر
دوبارہ اُس کی صراحت کرنی پڑتی ہے۔ ست یگ میں ست آتما کا رہ کر محض خیال و

تصوّر سے اپنا کام کر لیتا ہے ۔ اس لئے وہ اندھ کہا گیا ہے ۔ اس میں قدرتی طور
پر دھیان دھیاوان ہوتا ہے ۔ یہہ اُس کا دھرم ہے ۔ اور جیو کسی کے محتاج نہیں
ہوتے ۔ اس لئے یہ براہمنوں کے راج کا زمانہ ہے ۔ برہمہ اور کوئی نہیں ہے ۔
برہمانڈی من ہی کا نام برہمہ ہے ۔ اور ہم نے برہمہ کے تین رُوپ وِراٹ ۔ اویاکرت
اور ہیرنیہ گربھ کے سلسلے میں اُس کا رُوپ دکھا دیا ہے ۔ تریتا میں تین گُنوں کے تصوّر
کے آجانے سے دھیان شکتی میں کمی آجاتی ہے ۔ اُس کمی کے پُورا کرنے کے لئے جسمانی
ترکیب اور تدبیروں سے کام لینا پڑتا ہے ۔ اِسی ترکیب اور تدبیر کا نام شاستروں
میں ' یگیہ ' اور ' ہَوَن ' بتایا گیا ہے ۔ یگیہ سنسکرت ' یج ' ۔ پُوجا سے نکلا ہے ۔ ست جگ
میں یہہ پُوجا نہیں ہوتی تھی ۔ کیونکہ دھیان کی پردھانتا کی وجہ سے تمام قدرتی طاقتیں
جیوؤں کے جذبات کی تسلیم کرنے کے لئے مجبور تھیں ۔ اب تریتا میں اُن کو آواہن
دے دے کر بُلانا اور اُن کی پُوجا کرنی پڑتی ہے ۔ تاکہ وہ جیو کی کامنا ۔ خواہش ۔ اور
ضرورت پوری کر دیں ۔ ابھی تک دھیان میں اتنی کمی نہیں آئی ۔ مگر جیو گُنوں کے
پھیر میں پھنسنے سے قدرت کی لطیف طاقتوں سے جن کا نام دیوتا ہے کام لینے کا
خواہشمند ہو جاتا ہے ۔ اور یگیہ کی مجبوری ہوتی ہے ۔ یہہ یگیہ اندرونی طور پر دل ہی
میں ہوتا تھا ۔ اور ایک ایک دیوتا کے نام آہوتی دے دے کر اُن کو اپنی طرف مائل
کرنا پڑتا تھا ۔ باہری یگیہ اُس باطنی یگیہ کی نقلی یادگار ہے ۔ یہ یگیہ اب بھی ہُوا کرتا
ہے ۔ مگر جیوؤں کو اس کی خبر نہیں ہے ۔ دواپر میں دِل اور مکدّر ہو جاتا ہے ۔ کیونکہ وہ
اپنی جگہ سے دو درجے نیچے اُتر آتا ہے ۔ اُترا ہُوا ستحۃ سردک نام ۔ اب نہ دھیان رہا ۔ نہ
یگیہ کرنے کی طاقت رہی ۔ اب وہ آسمانی طاقتوں سے براہِ راست مدد نہیں لے سکتا
اور مجبور ہو کر اُسی تریتا کے یگیہ کی نقل اور یاد میں خارجی طور پر مورتیں گھڑتا ۔ اُنھیں میں
چت لگاتا ۔ اور اُن کے ذریعہ اپنی مُراد مانگنا چاہتا ہے ۔ کشمکش کی حالت ہوتی ہے ۔ اور

بیچ۔ تم کی لڑائی۔ اور ناتھا پائی کا وقت آجاتا ہے۔ اور ہزاروں لاکھوں اور کروڑوں بلکہ بے شمار مُورتیاں بنا بنا کر وہ پُوجتا اور اپنا مطلب سِدّھ کرتا ہے۔ وہ آواز کی مُورتی حرفوں کو بناتا ہے۔ اور اپنی مُراد کو قلمبند کر کے خط کی صُورت میں تبدیل کر دیتا ہے۔ اپنا دلی بھاؤ تار کے کھٹکوں کے ذریعہ دوسروں پر پرگٹ کرتا ہے۔ آنے جانے کے لئے سواری کی مُورتی۔ تفریح کے لئے کتاب اور تماشوں کی مُورتی اوڑھنے پہنانے کے لئے کپڑوں کی مُورتی۔ رزق اور معاش کے لئے پیشوں اور صنعتوں کی مُورتی وغیرہ وغیرہ گھڑتا رہتا ہے۔ اور اُنھیں کے ذریعہ اپنا کام نکالتا ہے۔ اتنی توط قت نہیں کہ براہ راست اپنے دھیان کی مدد سے دوسروں پر بھاو پرگٹ کرے۔ تحریر کی ضرورت لاحق ہو جاتی ہے۔ اور علیٰ ہٰذالقیاس دواپر کا دھرم مُورتی پُوجا ہی ہے۔ مورتی پوجا کو وسیع معنی میں لو تب یہ راز سمجھ میں آئے ابھی تک جیسا کہ میں نے پہلے کہا ہے دواپر کا برتاؤ برتا جا رہا ہے۔ اس کے بعد جب کلی یُگ آجاتا ہے۔ جیو بالکل کمزور اور اپاہج ہو جاتا ہے۔ کیونکہ محنت مشقت کشمکش اور جد و جہد کے بعد آلس کا آنا قدرتی اصُول ہے۔ تینوں ترکیبیں یعنی دھیان، یگیہ اور مورتی پُوجا بے مصرف ہو جاتی ہیں۔ تب جا کر وہ مُوڑھ گتی کو پراپت ہو جاتا ہے۔ اور مایا سرب انگ سے اُس کو دبا لیتی ہے۔ سارے ستی جیوُں کو دُکھ میں گرسیت اور گھونیار دیکھ کر سنت پرگٹ ہوتے ہیں۔ اور ہر طرف سے ادھکاری جیوُں کی توجہ کو ہٹا کر صرف ایک نام میں لگانے کا جتن بتاتے ہیں۔ جس کا اصطلاحی نام سُرت شبد یوگ ہے۔ اور محض نام کی آرادھنا کی ترکیب سکھا کر ان دُکھی جیوُں کو پرم دھام کے نت اور دائمی سُکھ کا پیغام دیتے ہیں۔ کلجگ کا دھرم صرف نام ہے۔ اسی نام کو شبد بھی کہتے ہیں۔ ست پُرش رادھا سوامی دیال کی بانی ہے:۔

کلی جُگ میں سوامی دیا بچاری پرگٹ کر کے شبد پُکاری

واقفیت بڑھانا چاہیں۔ وہ ہماری وگیان راماین کو بغور مطالعہ کریں۔ یقیناً ہے
کہ وہ تتو کو سمجھ جائیں گے۔ یہاں ہم بطور اشارہ کچھ لکھے دیتے ہیں۔ ست جگ میں
چونکہ دھیان رُوپی دھرم کے چاروں پاؤں ہوتے ہیں۔ اس لئے اس میں وشنو
نے چار اوتار مچھ۔ کچھ۔ سوراہ۔ نرسنگھ اوتار دھارن کئے۔ تریتا میں چونکہ تین پاؤں
ہوتے ہیں۔ وامن۔ پرسرام۔ رام کا ظہور ہوتا ہے۔ دواپر میں چونکہ دو پاؤں ہوتے
ہوتے ہیں۔ کرشن اور بدھ پرگٹ ہوتے ہیں۔ کلی جگ میں صرف ایک پاؤں
رہ جاتا ہے۔ اس وجہ سے کلکی بھگوان کا صرف ایک ہی اوتار ہوتا ہے۔ اور
مایا کے مشغول بیوہار کو ختم کر کے پھر وہ ست جگ کے دھرم کو واپس لاتے ہیں۔
لوگ یوں ہی بلا سمجھے بوجھے پوران۔ شاستر اور ویدوں کا کھنڈن کرتے ہیں۔
کاش اگر وہ سنتوں کی شرن لے لیں۔ اور ان کا ست سنگ کریں تو ان رازہائے
سربستہ کے قفل کھولنے کی کنجی ہاتھ میں آ جائے۔ یہ تو ہوتا نہیں۔ سب ان بڑائی
لوک لاج۔ اور فضول قدامت پرستی کے قید و بند کی زنجیروں سے جکڑے ہوئے
ناحق رادھا سوامی مت کی نندیا کرتے ہیں۔ یہی مت ہے۔ جو تمام شاستروں
پر روشنی ڈالتا ہے۔ اور سب کی رکشا کرتا رہتا ہے۔ کیونکہ سنت مت ہی کا سب
رکشک مت تمام موزوں طریقہ پر رکھا گیا ہے۔ یہ کسی کی جڑ نہیں کاٹتا بلکہ سب کی
ان کے درجوں اور تعلیم کے موافق وضاحت کر دیتا ہے۔ اور یہی نہیں بلکہ اس کے
ہاتھ میں تنتر۔ شاستر وغیرہ کے کھولنے کی بھی کنجی ہے۔ مگر جیوں کے کھرم ناس
پڑنے کے خوف و خیال سے وہ ان کی وضاحت سے کتراتا رہتا ہے۔ جیو تعلیم کا
جوہر کشتر لیتے ہیں۔ نہ زیادہ تر اپنی واقفیت اور علم کو دنیاوی ترقی کی طرف۔ جیسا
کرتے ہیں۔ اس وجہ سے سنت اپنے طریقوں میں صرف اپنے ست سنگیوں کو ان کا
جزوی علم دیتے ہیں۔ تاکہ ان کا روحانی نقصان نہ ہو۔ ست سنگ سے بھی اگرچہ

بہت جیو بیٹا بیٹی۔ استری اور دھن دولت مانگتے ہیں۔ یہ اُن کی بھول ہے۔ اِن
جیوؤں کی نادانی کو دیکھو۔ رادھا سوامی مت کو جھوٹ چٹانے کا مت مشہور کر رکھا
ہے! حضور داتا اِن ان سبھوں پر رحم فرمائیں ✦

۲۲۷

۲۲- جولائی ۱۹۱۷ء۔ بغیر سنتوں کی شرناگت ہوئے علم باطنی جو پراودیا
کہلاتا ہے ہاتھ نہیں آتا۔ پلٹو صاحب کی کنڈلیا ہے:۔

سنت سنیہی نام ہے نام سنیہی سنت

(۱) نام سنیہی سنت نام کو وہی رٹا دیں
وہ ہیں واقف کار۔ ملن کی راہ بتا دیں

(۲) جپ تپ تیرتھ برت کرے بہتیرا کوئی
بنا وسیلہ سنت نام سے بھینٹ نہ ہوئی

(۳) کوٹن کرے اُپائے بھٹک سگرے سے آوے
سنت دوارے جائے نام کو گھر تب پاوے

(۴) پلٹو کہے پرمان کر سب کی آد اور انت
سنت سنیہی نام ہے۔ نام سنیہی سنت

۲۲۸

۲۱ جولائی ۱۹۱۷ء۔ جو حال اِن سب یوگ یگاتروں کا ہے وہی کلپ اور
سنیاتروں کا بھی ہے۔ اصول ایک ہے۔ تفصیلی مقامات میں صرف جزوی اور کلی ہونے
کا فرق ہے۔ اِس لیے اُن کی صراحت سے درگذر کیا جاتا ہے۔ صرف سدھانت
کو سمجھ لو اور تمھاری تسلی ہو جائے گی ✦

۲۲۹

۲۳- جولائی ۱۹۱۷ء۔ سلسلہ خیال کا بدلتا رہنا۔ وقت بے وقت ایک
حالت سے دوسری حالت میں چلا جانا۔ سونا جاگنا۔ باہوشی بیہوشی۔ جینا مرنا

مرنے کے بعد پھر جنم لینا ۔ یگ یگانتر ۔ منونتر ۔ اور کلپ کلپانتروں کی بندھن گتی
یہ سب آواگون کے دائرہ میں ہیں ۔ اور جس کا واہمہ ۔ خیال ۔ پاپ پنیہ کے کرموں کا
سنسکار اور چت کا کشش سے گہرا تعلق پاتا ہے ۔ جو جونیوں کو انہیں کے موافق بناتے رہتے
ہیں ۔ اُمید اور نااُمیدی ۔ خوف اور بےخوفی ۔ شجاعت اور بزدلی ۔ نیکی اور بدی ۔
سُوَرگ اور نرک ۔ بندھن اور مکتی ۔ الغرض جہاں تک دوند حالتوں اور اجتماع ضدین
کا تعلق ہے ۔ یہ سب ہی آواگون کی صورتیں ہیں ۔ اور جب تک ان دونوں میں سے
کسی کا بھی وہم رہیگا ۔ جیو سنسار میں بندھا ہی رہیگا ۔ کوئی آسمانی اور زمینی طاقت
اس کو اس سے نجات نہیں دلا سکتی ۔ صرف اتنا ہی فرق ہے ۔ کبھی جیو جاگتا ہے
کبھی سوتا ہے ۔ اور سو کر پھر جاگتا ہے ۔ یہی پُنر جنم اور آواگون کہلاتا ہے ۔

۲۳ جولائی سنہ ۱۹۱۶ء ۔ لوگ کہتے ہیں ۔ جو شخص ایک مرتبہ انسان کی جُونی
میں آ گیا ۔ وہ پھر کبھی دوسری جُونی میں نہ جائے گا ۔ یہ حقیقت میں اچھا خیال
ہے ۔ اور مبارک ہیں وہ لوگ جنہوں نے اس عقیدہ کو پختہ کر لیا ہے ۔ کیونکہ
واہمہ کی تسلی ہی کی امید بخش صورت ہے ۔ مگر ہم پوچھتے ہیں ۔ کیا انسان میں
غصہ کے وقت شیر کی غضبناکی ۔ مکر کے وقت لومڑی کے فریب ۔ شہوت کے
وقت کتے کی بےچینی ۔ لالچ کے وقت مچھلی جیسی بےاختیاری ۔ موہ کے وقت
بندر کی نادانی ۔ اور اہنکار کے وقت مور جیسی خودنمائی نہیں آ جاتی ۔ لطیف
معنیوں میں تو انسان کی صورت کا آدمی ان جذبات کے دام میں پھنس کر جیو اینت
کے طبقہ میں پھسل پڑتا ہے ۔ اور وہ کچھ کا کچھ ہو جایا کرتا ہے ۔ کیا یہ آواگون نہیں ہے
جذبات اور رغبات میں وسوسات اور محسوسات میں ۔ خیالات اور توہمات میں
انسان کا آنا جانا لگا ہی رہتا ہے ۔ نادان ہزار ان کی تردید کرے ۔ مگر یہ آواگون
ہی ہے ۔ ایک حالت میں کون رہتا ہے اور کون رہا ہے ؟ یہ تبدیلی کا طبقہ ہے

۲۳۵
۲۳- جولائی ۱۹۱۷ء - اس قدر سن اور پڑھ کر بھی کوئی شخص آواگون کے مسئلہ کی تردید کرے - تو پھر ہم کیا کہیں - اُس کی سمجھ بوجھ! ہم دُنیا میں بحث مباحثہ کرنے یا لڑنے جھگڑنے نہیں آئے - ہم کو اس قدر فرصت کہاں ہے - کہ اِدھر توجہ کریں - وقت مالک کی یاد میں گذرتا ہے - اور اُسی کے سلسلہ میں یہ بچن ادھکاری جیوؤں کے لئے کہہ دیئے جاتے ہیں "صلاء عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لئے" جو نکتہ داں نہیں اُس کی طرف خیال کہاں - ایک صوفی اسی آواگون کے سلسلہ کو اہلِ شریعت کے خوف سے بطرز مختلف بیان کرتا ہے:-

ہمچو سبزہ بارہا روئیدہ ام
ہفتصد ہفتاد قالب دیدہ ام
(مولانا رومؒ)

۲۳۶
۲۴- جولائی ۱۹۱۷ء - تین شریروں کا ذکر ہو گیا - آواگون کے مسئلہ کی وضاحت کر دی گئی - اب کرم کا سوال باقی رہ جاتا ہے - اُس کی بھی توضیح کی جاتی ہے - کرم کو وسیع معنی میں سمجھو - تب کام بنے - اگر محدود ہی معنی میں لوگے - تو پھر بہک جانے کا خوف ہے - کرم تین طرح کے ہیں - کارن - سوکشم - اور ستھول - کارن تو بیج روپ ہے جو کسی کے خیال دلانے - حوصلہ بخشنے - خواہ عالمِ امکان کے نظارے دیکھنے سے خود بخود دل میں قایم ہو جاتا ہے - سوکشم خیالات - اندرونی جذبات - اور لطیف تصورات ہیں - جو دل ہی دل کے اندر جوش مارا کرتے ہیں - اور جب یہی خیالات جسم کے طبقہ میں اُتر کر جسمانی اعضاء سے خواہ وہ کوئی کیوں نہ ہوں - اظہار کی صورت اختیار کرتے ہیں - تب وہ ستھول اور کثیف کہلاتے ہیں - ان پر پہلے غور کر لو - تب آگے بڑھو -

۲۳۷
۲۵- جولائی ۱۹۱۷ء - انسان کی ذات سے تین کرم ہوتے ہیں - منسا - واچا - کرمنا - من کے جذبات منسا ہیں - زبان کے الفاظ - قول و قرار وغیرہ واچا ہیں - اور ہاتھ پیر کے شغل کرمنا ہیں - چت چنتن کرتا ہے - من منن کرتا ہے - بدھی یقین دلاتی ہے

جنم میں مِلتا جا رہا ہے ۔ وہی کریہ مان ہیں ۔ اور جن کا سنسکار من کے اندر دبتا جا رہا ہے ۔ اور ابھی ان کا پھل نہیں مِلتا ۔ بلکہ آگے چل کر ملیگا ۔ وہ سنچت ہوتے جاتے ہیں ۔ سنچے نام ہے جمع کرنے کا ۔ دُنیا میں لوگ بُرے کرم کرتے ہیں ۔ اور سزا نہیں پاتے ۔ اس کا یہ نتیجہ نہ ہوگا ۔ کہ وہ اپنی سزا و جزا سے محروم رہیں گے ۔ بلکہ آگے چلکر کسی وقت اُن کو بھوگنا اور بھگتنا پڑے گا ۔ صرف وہ کرم جو اسی جنم میں ہوتے اور ساتھ ساتھ اپنا پھل دیتے رہتے ہیں وہی کریہ مان ہیں ؁

پراربدھ کرم وہ ہے ۔ جو پہلے سنچت تھا ۔ اب موقع پاکر پھل دینے پر آیا ہے اور جیو اس کے دام میں پھنسے ہوئے پریشان اور دُکھی ہیں ۔ چاہتے ہیں کہ اس سے نجات مِلے ۔ مگر نہیں مِلتی ۔ اکثر ہوشیار اور دانا دل آدمی جانتے بوجھتے اور سمجھتے ہوئے بھی خود بخود ناکردنی فعل کی طرف جاتے ہیں ۔ یہ پراربدھ ہی ہے ۔ جو اُن کو اس طرح لئے جا رہا ہے ۔ وہ ناچار اور مجبور ہیں سمجھتے بھی ہیں ۔ اور پھر بھی کسی کے روکے نہیں رُک سکتے ۔ ایک تو پراربدھ کی یہ صورت ہے ۔ دوسری صورت یہ ہے ۔ کہ آدمی کی ذات سے اس جنم میں تو کوئی کام نہیں ہوا ۔ مگر وہ سزا پا رہا ہے ۔ اور بظاہر معصوم ہوتا ہوا گیہوں کے ساتھ گھن ہو کر پِسا جا رہا ہے ۔ دُنیا حیران ہے ۔ وہ خود بھی متعجب ہے ۔ کہ ایسا کیوں ہوتا ہے ۔ مگر کوئی بات اُس کی سمجھ میں نہیں آتی ۔ یہ پراربدھ کی دوسری صورت ہے ۔ اس کو تو بھوگنا ہی پڑے گا ۔ بغیر بھوگے ہوئے اس سے نجات کیسے ملے گی ؁

گندم از گندم بروید جو ز جو
از مکافاتِ عمل غافل مشو

جیو پراربدھ کے بس پڑکر کریہ مان اور سنچت کرم بھی کرنے لگ جاتے ہیں ۔ اور اس کا سِلسلہ لامنقطع ہو جاتا ہے ۔ کٹنے پر نہیں آتا ۔ آہ حضور! جیو کیسے دُکھی ہیں

بغیر تمہارا سہارا پائے ہوئے اس جنجال سے وہ کیسے چھوٹیں گے۔ دیالو۔ کرپا ساگرا ان پر رحم و کرم کی نظر ہو! یہ جال مہا جنجال ہے جیسے ایک بیج سے ہزاروں دانے پیدا ہو جاتے ہیں۔ ویسے ہی ایک پراربدھ کے بس پرانی کتنے کرم کر گذرتا ہے۔ اس بیڑی کا کاٹنے والا تمہارے سوا اور کون ہے!

دیالے! اب تو کیجے دایا!

(۱)۔ مایا کرم سے جیو دُکھاری۔ بھو کے پھانس پھنسایا
چھوٹن کی کوئی راہ نہ سوجھے۔ بھول بھرم بھرمایا دیالے!

(۲)۔ اَبل نِبل میں سکتی کہاں ہے۔ وہ تو دین دُکھاری
اپنے بل تم آن چھڑاؤ۔ جگ جیون ہنکاری دیالے!

(۳)۔ تراہ تراہ کر چرن کمل میں۔ ہوئے اچیت پڑے آئیو
رادھا سوامی چرن شرن بلہاری۔ جم کا پھندہ کٹائیو دیالے!

۲۳ جولائی ۱۹۱۶ء۔ کرم کے اس گھنگھور اور ڈرانے والی صورت کو دیکھ جی چھوٹ جاتا ہے۔ اور حقیقت میں بات بھی ایسی ہی ہے۔ مگر یاد رہے جہاں دُکھ ہے وہاں ہی سکھ بھی ہے۔ جہاں قید و بند کی حالت ہے۔ وہاں ہی آزادی کا سوال بھی پیدا ہوتا ہے۔ جہاں قید اور بندش نہیں ہے وہاں آزادی کا گمان کیسا! یہ دونوں باتیں صرف من کے اور مایا کے احاطہ میں ہی رچنا ہوتی ہے۔ اُس کی دو صورتیں ہر وقت رہتی ہیں۔ دھار کا آنا اور دھار کا سمٹنا اپنی سانس اور حرکاتِ تنفس پر غور کرو۔ جیو جنتو درخت اور معدنیات کی حالت پر وچارو۔ جہاں آنا ہے وہاں ہی جانا بھی ہے۔ اور اس لئے اس رچنا کے سلسلہ میں جس کا مفصل ذکر اوپر آچکا ہے۔ جب جب سنت پرگٹ ہوتے ہیں۔ تب یہ پراربدھ حیثیت اور کریہ مان کرم اُن کی دیا کے پربھاؤ سے عملِ کیمیائی کے اثر کے موافق

اور صورت اختیار کرنے کو مجبور ہو جاتے ہیں۔ سنت آزاد کرانے والی مالک کی دیا ودھار کا نام ہے۔ اُن کے ست سنگ سے یہ سب کرم گدھ ہو کر نربیج ہو جاتے ہیں +

۲۳۔ جولائی ۱۹۱۷ء۔ جب یہ کہا گیا۔ کہ پرار بدھ بغیر بھوگے نہیں کٹتے۔ تو پھر سنتوں کی دیا اُس کو کیسے کاٹ دے گی۔ سُنو۔ ایک تو صحبت مرشد کی کیمیائی تاثیر۔ دوسرے بچن ابھیاس کی کیمیائی تاثیر۔ تیسرے اِشٹ پد کے تصوّر کی کیمیائی تاثیر۔ یہ اپنا اثر دکھاتی ہیں۔ ابھیاسی کے بہت سے کرم ابھیاس کے وقت من کے طبقہ میں بھوگ لئے جاتے ہیں۔ سو را اپنا من کو بس میں تو کرو۔ جیا بکانت میں بیٹھو گے۔ یہ قلابازیاں دکھائے گا۔ رنگ روپ بھرے گا۔ اور اسی میں بہت سے کرم کٹتے چلیں گے۔ اور چونکہ ست پُرش رادھا سوامی کی نشکام بھگتی کا ہر وقت دھیان رہیگا۔ اپنی غرض تو رہے گی نہیں۔ اور جب غرض کا سوال رد ہوتا جائے گا تو پھر آیندہ بندھن کی زنجیر نہ بنے گی۔ بندھن اصل میں جیوں کی خود غرضی۔ خواہش اور اہنکار کی وجہ سے گھڑا جاتا ہے۔ جب بے غرضی بےخواہشی اور نر اہنکار بن آ جائے گی۔ تو پھر یہ جم کا پھانس آپ ہی کٹتا ہوا پرتیت ہوگا +

۲۴۔ جولائی ۱۹۱۷ء۔ رادھا سوامی مت میں شبھ اور اشبھ کرم برخلاف اور مت متانتروں کے اور طرح جانے جاتے ہیں۔ جو کرم کہ رادھا سوامی دیال کی قربت بخشتا ہے۔ وہ نیک۔ اور جو اُن کے چرن کمل سے جُدا کراتا ہے اور دوری پیدا کرتا ہے وہ بد ہے۔ نیک و بداعمال کی صراحت یہاں بس اسی قدر کی جاتی ہے۔ جو کرم اپنے لئے پسند نہیں کرتے دوسروں کے لئے بھی پسند نہ کرو۔ ورنہ وہ رادھا سوامی دیال کے چرنوں سے علیحدگی کا باعث ہوگا۔ کیونکہ جتنے جیو جنتو ہیں سب اُنہیں کے پُتر ہیں۔ اور یہ سب تمہارے ہی بھائی بند اور تمہارے ہی اپنے آتما ہیں۔

اگر اُن کو کسی طرح منسا ۔ باچا ۔ اور کرمنا دُکھ دوگے تو تم کو خود دُکھی ہونا پڑیگا۔ جبکہ
کوئی ... نہیں ہے ۔ مالک کے چرنوں کی جُدائی ہی کا نام دُکھ ہے ✦

۲۴۱ - ۱۴ - جولائی ۱۹۱۷ء - ایک تو رچنا کرم ہے - جو قانونِ آفرینش کہلاتا ہے
اس میں بندھن اور نجات کا سوال نہیں ہے - دوسرا جیووں کا اپنا کرم ہے - جو
باسنا - اور خواہش اور امکانی صورت میں گرہ گیر ہو جاتا ہے - جو لوگ ست سنگ
میں آتے اور ابھیاس کی پدھتی سیکھتے ہیں - اُن کو پہلے رچنا کے قانون کی دھار کے
ساتھ ہم آہنگ ہو کر اوپر کی طرف چلنے کا جتن کرنا پڑتا ہے - اور یہ ہم آہنگی جیووں
کی جزوی اہنکار کو مٹاتی ہے - اور جب یہ دونوں مرحلے طے ہو جاتے ہیں -
تب ہی وہ دھُردھام پراپت ہوتا ہے - اس سے پہلے اُس کا امکان محال ہے -
یہ کرم کی فلاسفی ہے - جو ابھیاسیوں اور ست سنگیوں کو ذہن نشین کر لینا چاہئے ✦

۲۴۲

۱۴ - جولائی ۱۹۱۷ء - یہ ہم نے بتا دیا ہے - کہ ابتدا میں یکے بعد دیگرے
تین کلائیں ست لوک سے نکلیں - ستھیں اور اُنہیں کی دھار سے رچنا کا کام
جاری ہوا - انہیں کو ست رج تم کی اندھی کہتے ہیں - جس وقت ان کے سلسلہ میں
یکے بعد دیگرے تتوں کا ظہور ہوا - اُن کا اثر سب میں محیط ہو گیا - آکاش نے ان
کے تین روپ کے عکس کو پہلے اپنے اندر لے لیا - کیونکہ پانچوں تتوں میں یہ سب سے
زیادہ لطافت ہے - اور پھر وہی عکس اُس آکاش سے بنے ہوئے تتوں پر منعکس
ہو کر کام کرنے لگا - جس طرح برہمانڈ میں یہ کام ہوتا ہے - اُسی طرح پنڈ میں بھی ہوا
کرتا ہے - پنڈ میں پنڈی من ہے - اُس کے چداکاش یا من آکاش میں بھی ہمیشہ
اردگرد کے حالات واقعات اور اثرات کا نقش و نگار پڑا کرتا ہے - اور انہیں کے
زیرِ اثر انسانی زندگی کے کاروبار کا اہتمام ہوتا ہے - اور جس طرح اس من آکاش کے

اثرات میں نوعیتیں اور نیرنگیاں پائی جاتی ہیں - اسی طرح اس من کا کاش میں بھی سبب ہے - کاش کے اثرات کی نوعیتوں سے مختلف قسم کے جیون ... ہے - اور یہاں پیدا ہو کر من میں طرح طرح کی باتیں اور خواہشیں آتی ہیں - اور یہ اپنا جگت علیحدہ رچتا ہے - جس میں مختلف النوعی - کثرت اور نیرنگی رہتی ہے کوئی انسان ایسا نہ ملیگا - جو ایک ہی خیال پر قائم رہتا ہو - من ایک سمندر ہے جس میں خیالات کی لہریں ہر وقت اٹھا کرتی ہیں - گر یہ من ہمیشہ ہی نیچے کی طرف بہتا اور باہر کی دنیا ہی کا عکس لیتا رہے - تو پھر انسانی زندگی کا سدھار مشکل ہو گا - من میں اونچی رچنا کے عکس قبول کرنے کی بھی طاقت ہے - اور یہی سبب ہے کہ سنسار کا بیوپار کرتے ہوئے بھی یہ اچھے آدمیوں کے بھاؤ خیال - اور وچار کو بھی اپنے اندر لے لیا کرتا ہے - اور یہ سہارا بن کر اس کو اپنے اندر اونچے چڑھنے چڑھانے میں مددگار ہوتے ہیں - اور جب من سنتوں سے تعلیم پا کر خواہ ان کی فیض صحبت سے مستفید ہو کر اندر ہی اندر منن کرنے اور اس کے روپ بننے کا عادی ہونے لگتا ہے تب انسان دیکھتے دیکھتے کچھ کا کچھ بن جاتا ہے ٭

۲۴ جولائی ۱۹۱۲ء - قدرت کی زنجیر میں ایک کڑی دوسری سے ملی ہوئی ہے - جہاں کسی مرکز سے دھار نکلنے کو آتی ہے - ساتھ ہی وہ اوپر کو بھی کھینچی رہتی ہے - دو ہی قسمیں ہیں - جو خارجہ اور جاذبہ کہلاتی ہیں - اور من کے کاش میں انھیں کے دھار کا نام راگ اور دویش ہے - جس کی مدد سے کسی شے کو اپنی طرف رجوع کیا جاتا ہے - وہ راگ ہے - اور جس دھار کی مدد سے کسی شے کو باہر کی طرف پھینکا جاتا ہے - وہ دویش ہے - ان کی تم رغبت اور نفرت کے معنی میں تاویل کر سکتے ہو جس شے سے تم کو نفرت ہے - اس کو اپنے سے جدا رکھنے کے خواہشمند رہتے ہو اور جس سے رغبت ہے اس کو قریب رکھنا چاہتے ہو - سانپ یا شیر سے کبھی کوئی

شخص ملتفت نہیں ہوتا۔ لیکن اگر کسی تدبیر سے سانپ اور شیر کی تعلیم ہو جائے خواہ یوں ہی اُن کے اندر تمھاری ہمدردی پیدا ہو جائے۔ تو پھر وہ نفرت کسی حد تک رغبت کی شکل میں تبدیل ہونے لگے گی۔ اور پھر اس قدر اُس سے علیحدگی کا خیال نہ رہیگا۔ یہہ میں صرف مثال دے رہا ہوں۔ اور مثال کا صرف ایک ہی پہلو لینا چاہئے۔ اِس مثال کو ذہن میں رکھ کر اب تم اُوپر کی رچنا کی طرف توجہ کرو۔ اُوپر کی رچنا نیچے کی رچنا سے ملی جُلی ہوئی ہے۔ جیسا ابھی اُوپر کہا گیا ہے۔ مگر چونکہ وہ لطیف ہے۔ نیچے کی کثیف رچنا کو اُسی وقت خارجیہ یا دِرِش یا نفرت کے قانون کے زیر اثر اپنے سے جُدا کرتی رہتی ہے۔ مگر ساتھ ہی زنجیر کی باہمی کڑیوں کے میلاپ کی وجہ سے۔ وہ نہ صرف اُس کے ایک حصّہ کو اپنی طرف کھینچ رکھتی ہے۔ بلکہ خود بخود اپنے جیسا اُس کو بنانا بھی چاہتی ہے۔ انسان بھی اسی قسم کے دونوں عمل اپنی زندگی میں کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ زہر تک کو بھی ردو بدل کرکے کبھی اپنے اندر جذب کر لیتا ہے۔ یہہ کوشش قدرت کے ہر طبقہ میں بالترتیب صورت میں جاری رہتی ہے۔ کھینچا اور ہٹاؤ دونوں عمل ہوا کرتے ہیں۔ مگر اس میں یہہ شرط ہے۔ کہ جب تک کوئی کثیف شئے نہایتاً لطیف نہ ہو جائے تب تک لطیف طبقہ میں کُلی طور پر اُس کو جگہ نہیں دی جا سکتی۔ وہ اگر اُدھر رجوع بھی ہو تو اُسی طرح باہر کھینک دی جائے گی۔ جیسے تم غیر مانوس اور وحشی جانور کو اپنے سے پرے ہٹا دینے خواہ ہٹا رکھنے کا اہتمام کرتے ہو۔ قدرت کے ہر طبقہ میں یہہ تین باتیں ہر وقت ہوا کرتی ہیں۔ جذب۔ اخراج اور آپ جیسے بنانے کی کوشش۔ اس کو خوب ذہن نشین کر لو۔

۲۴۷

یہم ۱۸ جولائی ۱۹۱۱ء۔ جو سلوک یا عمل تم اپنے سے نیچے حیوان اور اشیا کے ساتھ کرتے رہتے ہو۔ اور اُن میں انسیت اور اپنی ہم آہنگی کا اثر ڈال کر

اپنے میں جذب خواہ اُن کو اپنی قربت کا موقع بخشتے ہو۔ ویسے ہی ایک منڈل دوسرے منڈل کے ساتھ سلوک کیا کرتا ہے۔ اور جس وقت کوئی انسان کثافت کو چھوڑ کر اپنے اندر لطافت کی قبولیت اور قابلیت کا مادّہ پیدا کرتا ہے۔ پھر اُس کو نیچے کے درجہ میں رہنے اور رکھے جانے کا حکم نہیں ہے۔ وہ لطیف حالت اور لطیف طبقہ میں رہنے کے قابل سمجھ لیا جاتا ہے۔ اور اُسی طرف کھینچ جاتا ہے۔ یہ قدرتی اصُول ہے۔ ایک متعفن لباس پہنے ہوئے بھکاری آج دولتمندوں کے زُمرہ میں بیٹھنے کے قابل نہیں ہے۔ لیکن کل اُس کو دولت اور دولت کی لطافت پسندی حاصل کر لینے دو۔ اُس کا رسُوخ اور اثر بڑھ جائے گا۔ اور پھر دولتمند زُمرہ کو مجبوراً اُس کو اپنی طرف رجُوع کر لینے کی ضرورت ہوگی۔ کیونکہ اب تو وہ بھکھاریوں کے منڈل میں رہنے کے ناقابل ہے۔ اُس کی حالت اور لیاقت بدلی ہوئی ہے۔ آخر اُس کے رہنے کے لئے کوئی معقول منڈل ہوگا یا نہیں؟ یہ تو ہو نہیں سکتا۔ کہ وہ دولت رکھتا ہوا بھی بھکھاری بنا رہے۔ اسی طرح جب جیوؤں میں ست سنگ اور ابھیاس کر لینے سے کچھ رُوحانیت آجاتی ہے تب وہ اُس شریر میں رہتے ہوئے بھی اپنے اندر اونچے استھان کے باسی ہو جاتے ہیں۔ اور ان کے جذبات اور محسوسات نیچے مادّی طبقہ کے تعلق رکھنے والوں سے بالکل جداگانہ ہو جاتے ہیں +

۲۲ جولائی ۱۹۱۶ء۔ رچنا بغیر مقصد کے نہیں ہے۔ اس کا کچھ مقصد بھی ہے۔ اور وہ مقصد یہ ہے۔ کہ مادّہ کو رُوح کی حالت میں تبدیل کیا جائے۔ اور چونکہ رُوح کی طرف سے بکثرت دھاریں آیا کرتی۔ اور مادّہ کو چھیڑا کرتی ہیں۔ اس لئے وہ دو صورتوں میں بے شمار منڈل بن جایا کرتے ہیں۔ اور سب اسی طرزِ عمل کے پابند رہتے ہیں۔ ایک دوسرے کا مددگار رہتا رہتا ہے۔ مادیت

شبد

پرتھوی منڈل تیاگو سادھو! اُلٹ چلو اسمانا ہو!

(۱)۔ اُلٹا مارگ رادھا سوامی مت کا۔ کیوں سمجھے انجانا ہو

اِس کا بھید کوئی بھیدی پاوے۔ جا کے لگے گورو کانا ہو

(۲)۔ اُلٹی گنگا اُلٹی جمنا ۔ سرسوتی اُلٹ بہانا ہو

اُلٹی چال چلے کوئی سجّن۔ تب ست سندھ نہانا ہو

(۳)۔ چت کو سودھے من پر بودھے۔ نہیں اور کرم کرانا ہو

چھچھنی آدُھم سب بدھی اُتّم ۔ گھٹ کی راہ لگانا ہو

(۴)۔ تیاگ وراگ کا سار جو سمجھے۔ تاہی یہہ گُر بتلانا ہو

سین بین جو نہیں کوئی بُوجھے۔ تا سے چُپ رہانا ہو

(۵) تِل کو اُلٹ گگن کو بیدھے ۔ مارے تاک نشانا ہو

۹ہ پرادھا سوامی چرن شرن بلہاری۔ اب پرکھا گورو گیانا ہو

۲۴-جولائی سنہ ۱۹۱۷ء - کتابوں کا ظاہری علم چاہے جس قدر حاصل کر لیا جائے اور چاہے جتنا زبانی جمع خرچ بتایا جائے۔ مگر یاد رہے۔ جب تک گھٹ کے لطیف لطیف طبقات میں چڑھائی کرکے اُس کی لطافت کا حصہ دار یہہ جیو نہ بنیگا۔ تب تک نہ تو اُس کا انبھو بڑھے گا۔ اُن دھ مقامات کو سا کشات کا ذکر سکیگا۔ سنسار میں دیش کال۔ وستو۔ ظروف زمان و مکان اپنا اثر کرے بغیر نہیں رہتے۔ خارجی علم کے مشاہدہ کے بغیر اُس کا علم نہیں ہوتا۔ یہہ سب کوئی جانتا ہے۔ پھر کیسے ممکن ہے۔ کہ بغیر اندرونی عالم کے مشاہدات اور اثرات کے اندرونی علم حاصل ہو سکے۔ یہاں دماغ اور دل کے پردوں کو تہبت کرنا پڑتا ہے۔ تب جا کر عالمِ بالا کے طبقات کے مشاہدات ہوتے ہیں۔ اور جب تک لطافت نہیں آتی آدمی اُن منزلوں سے اسی طرح

نیچے گرا دیا جاتا ہے۔ جیسے جلتے ہوئے شعلوں سے دھواں۔ اور روشن چراغ سے کاجل کی دھار باہر پھینکی جاتی ہے۔ بغیر قبولیت اور قابلیت کے کسی کو کیا اور کچھ ہاتھ آیا ہے۔ جو یہ نعمت حاصل ہو جائے گی ✣

۲۵۰
۲۔ جولائی ۱۹۱۷ء۔ لوگ نقشہ دیکھکر اور جغرافیہ پڑھ کر رنگ روپ اور حالات کا بیان کیا کرتے ہیں۔ اور اپنے آپ کو واقفکار کہتے ہیں۔ واقفکاری یہ کسی حد تک اوروں کے مقابلہ میں کہے جا سکتے ہیں۔ مگر سچا واقفکار وہ ہے۔ جس نے بہ چشم خود وہاں کے رنگ ڈھنگ۔ چال ہوا۔ طرز معاشرت اور شہر دریا۔ پہاڑ اور سمندر وغیرہ دیکھے ہیں۔ اس کا علم زیادہ قابل قدر ہے۔ خواہ وہ غیر مکمل ہی کیوں نہ ہو۔ اسی طرح مذہبوں کا حال ہے۔ برہم کا۔ خدا کا اور اُس کے رنگ و روپ کا درشن تو کیا نہیں۔ رات دن نادیدہ خدا کے نام پر لڑائی جھگڑا کی ٹھان لی ہے۔ بھائی! کوئی ایسا یتن کرو۔ کہ پہلے برہم منڈل پر چڑھ جاؤ۔ اُس کا مشاہدہ کرلو۔ وہ تمہارے ہی گھٹ کے اندر ہے۔ اور جب اُس منڈل کے باسی ہو جاؤ گے تب اُس کا سچا انبھو ہوگا۔ اور تم اپنے وشواس میں اٹل ہو جاؤ گے اور پھر کوئی شخص لاکھ تم کو گمراہ کرنا چاہے تم اُس کے پھیرے میں نہ آؤ گے۔ ویش کا سچا انبھو دیش میں جانے سے ہوتا ہے۔ بھاگ تیاگ لکشا پر بحث کرتے رہنے سے نہیں ہوتا۔ اس ظاہری علم کا کوئی اعتبار نہیں باطنی علم کو حاصل کرو۔ تب کام بنے ✣

۲۵۱
۲۵۔ جولائی ۱۹۱۷ء۔ من کی چاروں حالتوں کے اندر قدرت کے تمام کاروبار کے قانون سمجھنے کی کنجی بند ہے۔ من کے چار انگ بتائے گئے ہیں۔ بدھی اہنکار۔ من۔ اور چت۔ یہ تقسیم اور تفریق سانکھیہ درشن کی ہے۔ وہ بدھی کو

ناکامیاب ہوگا۔ تو ورہ کر اُس کی یاد آتی رہے گی جیت میں حرکت اور حبس کی حالت رہے گی۔ اور ممکن ہے۔ قوت خیال کے زیر اثر اگر یہہ فاسد مادّہ اور مفیدی کے ساتھ قایم ہو کر تم کو چیچک کا مریض بنادے۔ کم از کم دل میں ناخوشگوار جوش تو ضرور ہی رہیگا۔ اور یہہ حالت پسندیدہ نہ سمجھی جائے گی۔ اسی طرز عمل کو چھوت کہتے ہیں۔ چھوت کا اثر جسم میں چھونے سے بھی داخل ہوجاتا ہے۔ اور دیکھنے سننے۔ اور سونگھنے چکھنے سے بھی آجاتا ہے۔ اور جب جب یہہ اثر پیدا ہوگا۔ اگر وہ دل کے جذبات کے موافق اور ہم آہنگ ہے تو خوشی کا باعث ہوگا۔ اور اگر برعکس ہے۔ تو دُکھ پیدا کرے گا +

۵ جولائی ۱۹۱۵ء۔ یہاں بھی وہی قانون دُکھ سُکھ کا کام کرتا ہے۔ جس کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ یعنی مسرت کی دھار جب جب کسی چیز پر ٹھہرے گی۔ خواہ وہ اندرونی ہو یا بیرونی۔ خواہ وہ کثیف ہو یا لطیف۔ اور خواہ وہ جسمانی ہو یا خیالی۔ اگر مسرت کی ورتی اور توجہہ کی دھار کو مرکز بناکر اُس پر قایم۔ متحد اور جمع کرنے کا موقع مل گیا تب تو سُکھ ہوگا۔ اور اگر وہ وہاں سے ہٹادی گئی تو بجز دُکھ کے ہونا لازمی ہے۔ اب تین باتیں ہیں جن سے انسان دُکھ سے نجات پاسکتا ہے۔ یا تو وہ ہر شے کو اپنے موافق بنا لینے پر قادر ہو یا کبھی اُن سے دوچار اور ہمکنار نہ ہو۔ اور یا اس طرح کا دل و دماغ رکھتا ہو۔ کہ ہمیشہ اداسین اور بے پرواہ رہے۔ اور راگ دویش کے جھمیلے اُس پر حملہ نہ کرسکیں +

۶ جولائی ۱۹۱۵ء۔ اگرچہ یہہ تینوں گو غیر ممکن نہیں ہیں۔ مگر موجودہ حالتوں میں وہ غیر عملی معلوم ہوتی ہیں۔ اور سادھن کی محتاج ہیں۔ جو شخص ناخوشگوار ہمسایہ۔ غیر دلچسپ اردگرد کے حالات اور دل دُکھانے والے واقعات سے تعلق رکھیگا۔ تو اُس کو خوشی کب میسر ہوگی۔ ہم صفائی پسند ہیں۔ مگر ہمسایہ

میں یہ عادت نہیں ہے۔ ہم اپنے طرز معاشرت کو لطیف بنانا چاہتے ہیں۔ مگر ہمارے گھر کے آدمی ہمارے جیسی طبیعت نہیں رکھتے۔ پھر کیسے ممکن ہے۔ کہ سکھ نصیب ہو۔ اسی طرح ہم چاہتے ہیں کہ ہماری اپنے ملنے والوں کے ساتھ جدائی نہ ہو۔ مگر موت کا نقارہ ہر وقت بجتا رہتا ہے۔ ایک پیدا ہوتا ہے دوسرا مرتا رہتا ہے ہم دیانتداری سے کام کرتے ہیں۔ افسر اور ماتحت اس اصول کے پابند نہیں ہیں پھر کیوں دکھی ہونا لازمی ہے۔ اسی طرح ہماری خواہش رہتی ہے۔ کہ ہمارے اردگرد وبا۔ طاعون۔ قحط۔ بجلی کا گرنا وغیرہ وغیرہ حادثات نہ ہوں۔ مگر وہ ہوتے ہیں۔ دوند کی رچنا میں اُن کو روک کون سکتا ہے۔ اور اس وجہ سے مسرت تو بار بار اُن کی طرف سے ہٹنا پڑتا ہے۔ اور ہم کو مجبوراً دکھی ہونا ہوتا ہے۔ ہم کوشش بھی کرتے ہیں۔ کہ ہمسایہ کے ساتھ اچھے سلوک کر کے اُن کو اپنے جیسا بنا لیں۔ ہم محنت کرتے ہیں۔ کہ ہمارے اردگرد خوش گوار مناظر رہیں۔ اور ہم یہ بھی اکثر چاہتے ہیں۔ کہ گیان کے مارگ پر چلکر ہم اُداسین اور بے پرواہ بھی بنیں۔ مگر کامیابی ہمیں نہیں۔ اور قدم قدم پر ہم کو ٹھوکریں کھانی نصیب ہوتی ہیں۔ یہ سخت بے بسی اور کسمپرسی کی حالت ہے۔ آخر ان سے ہم کو نجات کیسے ملے؟

۲۵ جولائی ۱۹۱۷ء ۔ نجات کی صورت کا پہلے ذکر آچکا ہے مگر اگر اس کا ذکر بار بار بھی کیا جائے تو مضائقہ نہیں ہے۔ دُکھ تین قسم کے ہیں۔ ادھی دیوک ادھی بھوتک۔ اور ادھیاتمک۔ دیو قدرت کی طاقتیں ہیں۔ مگر وہ کشتر۔ سورج چاند۔ ستارے۔ بجلی۔ گرمی۔ سردی۔ ان سب سے جو دُکھ ہوتا ہے۔ وہ ادھی دیوک ہے۔ اِن سے اگر مسرت کو جوڑو گے تو وہ ہٹائی جائے گی۔ کیونکہ یہ سب قدرت کے مادہ سے بنے ہوئے ہیں۔ اور ہر مادی شے تبدیل پذیر ہے۔ ہستی سے کسی میں کوئی بھی جم کر نہیں بیٹھ سکتا۔ یہ سب گردش میں ہیں۔ اور گردش اچل اور

بنانا مقصود ہے۔ اگر اس قدر بھی نصدان نہ کیا جائے۔ تو پھر سوچ سمجھ کے لائق نہیں
ہونگے۔ اس لئے اس طرح کے تردیدی مسائل کا ستیارتھ میں بیان ہے۔ تاکہ ان
کسی کے دل دکھانے کی منشا ہو۔ وہ بالکل لغو اور فضول حرکت ہے۔ ان چیزوں کی پرستش
اپاسنا اور آرادھنا سے مکتی نہ ملے گی۔ یہہ سچی اور صاف بات ہے ۔

۲۵۸ ۔ چوپائی ستیارتھ ۱۹۱۷ء مکتی تو صرف ست پرش رادھا سوامی کے چرن کمل
کی بندنا سے ملتی ہے۔ جو اچل۔ نشچل۔ اور اجر امر پد ہے۔ جیسے گرو ٹیپ شبد ناکو
شبد دوارا جوڑو تب البتہ اس کا امکان ممکن ہے۔ اور طرح پر ہرگز نہیں ۔

۲۵۹ ۔ چوپائی ستیارتھ ۱۹۱ تم کہو گے کہ "تمام کائنات انگنت سے تینوں سے
بھری ہوئی ہے۔ اس میں رہ کر پھر مکتی کا خواب دیکھنا فعل عبث ہے" اس کا جواب
پہلے دیا جا چکا ہے۔ اب پھر دوبارہ دیا جاتا ہے۔ یہہ سنگت دو مخالف باتیں ہیں۔ جہاں
دکھ ہے وہاں ہی سکھ ہے۔ جہاں آگ ہے وہاں ہی پانی ہے۔ جہاں زہر ہے۔
وہاں ہی دوا ہے۔ جہاں بھوک ہے وہاں ہی غذا ہے۔ قطرہ وسعت کرشمہ ہے۔ یہہ
نظارہ نظر کے سامنے آوے۔ کیا تم نے کوئی ایسی جگہ کبھی دیکھی ہے۔ جہاں
حیوان انسان پیدا ہوں۔ اور ان کی غذا کا اہتمام نہ ہو۔ غذا پہلے اور جیو پیچھے آتے
ہیں۔ پہلے پانی بن لیتا ہے۔ تب مچھلی۔ کچھوا۔ اور گھڑیال پیدا ہوتے ہیں۔ اور وہ
اسی پانی کو اپنی غذا بناتے ہیں۔ کاٹھ خشک ہو جاتا ہے۔ اس میں کیڑے پیدا ہو
ہوکر اسی کو کھاتے ہیں۔ اور جب تک کاٹھ رہتا ہے۔ تب تک یہہ کیڑے بھی
رہتے ہیں۔ کہیں کسی جگہ کوڑا کرکٹ جمع کر دو۔ اس میں کیڑے جھنگے پیدا ہو
اسی کو کھائیں گے۔ گوبر کے ذخیرہ میں کوڑے۔ اناج کے ذخیرہ میں چیونٹیاں
گندے پانی کے ذخیرہ میں چھوٹے چھوٹے جھنگے پیدا ہو جایا کرتے ہیں۔ کیونکہ
اسی میں ان کی غذا ہے۔ یہہ قدرت یا مایا بڑی دانا اور ہوشیار منتظم ہے۔ اسکے

یہاں بغیر سوچے سمجھے کوئی کام نہیں ہوتا - پہلے ماں کے ستھن میں دودھ پیدا ہوا تھا پیچھے تم پیدا ہوئے - اس لئے ہمیشہ اس اصول کو مدِ نظر رکھو - کہ رزق پہلے آتی ہے پیچھے رزق کھانے والا آتا ہے - اور جب تک رزق کا سامان موجود ہے تب ہی تک وہ اُس میں رہیگا - نادان جیو روٹیوں کے لئے ناحق روتے ہیں - قدرت کی کارسازی اور دانائی کو نہیں دیکھتے ❖

چب دانت نہ تھے تب دودھ دیو - اب دانت دیہے کیا اَن نہ دیہے
جل میں تھل میں جیو جنتو ہیں - جو سب کو دیت سو تو ہو کو دیہے
کاہے کو سوچ کرے من مورکھ - سوچ کرے کچھو کام نہ ایہے
جان کو دیت اجان کو دیت - جہان کو دیت سو تو ہو کو دیہے

روزی تو گھر میں بیٹھے ملتی ہے مگر سمجھ نہیں ہے ❖

اجگر کرے نہ چاکری - پنچھی کرے نہ کام
داس ملوکا کہہ گئے - سب کے داتا رام

مگر اس سے کہیں ایشور کے واسطے یہ نتیجہ نہ اخذ کر لینا - کہ میں اپاہج بننے کی تعلیم دے رہا ہوں - ایشور معاف کرے - یہ میرا مقصد نہیں ہے - میں ان باتوں سے تم کو صرف بلند نظر بنانا چاہتا ہوں ❖

۲۴ - جولائی ۱۹۱۵ء - دکھ کے ساتھ سُکھ کا امکان ہے - مگر کہاں ؟ خود تمہارے اندر - باہر کہیں بھی سُکھ کی تلاش نہیں کرنی چاہئے - اپنے آپ کو سمجھو تب حقیقت کا پردہ اُٹھنے لگے - یہ مضامین جو میں لکھ رہا ہوں - کہاں سے برآمد ہوتے ہیں ؟ میرے اپنے اندر سے - یہ بصارت اور سماعت جس سے میں دیکھتا سنتا ہوں کہاں سے آتی ہے ؟ میرے ہی اندر سے - یہ جو حوصلہ جذبہ اور تمنا جو مجھ میں ظاہر ہوتی ہیں - کہاں سے ان کا ظہور ہوتا ہے ؟ میرے اندر سے - یہ جو مکان - کتاب - باغ اور

باغیچے بنائے ہیں کہاں سے نکلے ہیں؟ میرے اندر سے۔ جب من میں کوئی خواہش ہوتی ہے۔ تو من ہی سب کچھ پیدا کر لیتا ہے۔ اور یہ جگت اور جگت کا پرپنچ جو تم باہر دیکھ رہے ہو۔ من ہی سے نکلا ہے۔ ابھی تم اس کو نہ مانو گے۔ ذرا سُرت شبد کا ابھیاس کرتے چلو۔ انبھو آپ بڑھ جائے گا ؎

۲۵-جولائی ۱۹۱۷ء ۲۴۱- جب تمہارے اندر سے دُکھ نکلا ہے تو پھر سُکھ اور کس جگہ اور کہاں ہو گا! یہ سمجھنے کی بات ہے۔ جو کہنا تھا پہلے ہی کہہ چکا ہوں۔ اب پھر اُسی کو دوہراتا ہوں۔ تم آپ سُکھ رُوپ ہو۔ مگر اگیان کے بس میں پڑے ہوئے بھرم رہے ہو۔ جاگرت میں زبان ذائقہ کا سُکھ لیتی ہے۔ کیا زبان میں سُکھ لینے کی بطور خود طاقت ہے؟ ذرا کسی کو بیمار ہونے دو۔ پھر میٹھی چیز بھی کڑوی معلوم ہونے لگے گی۔ اب زبان کا ذائقہ کیسے بگڑا؟ ذرا نیند۔ غشی۔ اور سکتے کی حالت میں کسی کی زبان پر مٹھائی رکھو۔ اب کیوں نہیں زبان مٹھائی کا مزہ چکھتی! ہو کیا گیا! زبان تو اب بھی موجود ہے۔ مگر اُس میں طاقت نہیں ہے۔ سبب یہ ہے۔ کہ جو دھار زبان پر اُتر کر مٹھائی پر پہنچتی تھی۔ وہ بیماری میں لمحہ لمحہ ہٹائی جاتی ہے۔ غشی بیہوشی اور سکتے میں وہ اندر کی طرف کھنچ جاتی ہے۔ پھر مٹھائی کا مزہ ملے تو کیسے ملے! یہ دھار رگ رگ میں آئی۔ اور سمائی ہوئی ہے۔ بغیر اس کے ہاتھ کھُلنے کا کھُلا اور بند ہونے پر بند رہیگا۔ پاؤں کسی شے کے نیچے مُڑ جانے اور دب جانے پر بے حس ہو جاتا ہے۔ کیونکہ سُرت کی دھار وہاں سے کھسک گئی ہے اسی طرح تمام اندریوں اور شریر کا حال سمجھو۔ اِن میں جو طاقت ہے وہ صرف سُرت کے دھار کی ہے۔ سُرت کی دھار اُس کو زندہ اور متحرک رکھتی ہے۔ اور سُرت کی دھار کے کھنچ جانے سے وہ مُردہ اور بے حرکت بن جاتے ہیں۔ جاگرت سے اُٹھ کر جب عالمِ خواب میں چلے جاتے ہیں۔ تب یہ تماشا دیکھنے میں اور بھی آتا ہے۔ جسم بیکام ہے۔ نہ ہوش

[illegible]

نہ حواس۔ نہ بات نہ چیت۔ آہ! ہو گیا گیا؟ شرت ایک استھان سے دوسرے
استھان کو چلی گئی۔ مکان خالی اور سونا پڑا ہوا ہے۔ یہ بات ہے +

۲۵۔ جولائی ۱۹۱۱ء۔ جاگرت میں شرت کی دھار شریر اور شریر کے عضو
اور اندریوں میں رہتی تھی۔ اب وہ وہاں سے ہٹ گئی۔ سپن یا معمولی خواب میں
وہی شرت اب من کے استھان پر جا کر جم گئی۔ اب وہاں اور ہی طرح کا تماشا ہے۔
جیسے سمندر میں لہریں اٹھتی ہوئی اوپر نیچے جاتی ہیں۔ ویسے ہی شرت کی دھار
اس من کے مقام پر کھیل کر رہی ہے۔ یہاں ستھول شریر یا ستھول اندریاں نہیں
ہیں مگر من سوکشم شریر اور سوکشم اندریوں والا ہے۔ شرت کا بیوہار وہاں بھی ویسا
ہی ہو رہا ہے۔ کھانا پینا۔ سُکھ ہلاس کرنا۔ ہنسنا۔ مسکرانا سب ہی کچھ تو ہے۔
کمی کس بات کی ہے۔ شرت کے یہاں قایم ہو جانے سے من میں یہ طاقت ہے۔
کہ جو چاہتا ہے وہ کر دکھاتا ہے۔ مٹھائی کی خواہش ہوئی خوانچے کے خوانچے موجود!
ہاتھی کی سواری کی ضرورت ہے۔ ہاتھی ہودہ۔ اور عماری لئے ہوئے مہاوت
حاضر! اُڑنے کی ہوس ہوئی۔ پر لگ گئے۔ اور آسمان کی سیر ہو رہی ہے۔ دیوی
دیوتا۔ انسان حیوان سب ہی دم کے دم میں آ گئے۔ یہ خیالی استھان ہے۔ جہاں
خیال لطیف ہونے کی وجہ سے مہابلوان ہو جاتا ہے۔ جاگرت مادی طبقہ تھا۔ یہاں
خیال مادہ کا محتاج تھا۔ بغیر مادہ کے اس کا کوئی کام نہیں ہو سکتا تھا۔ لطیف خیالی
رچنا جو مانسک سرشٹی کہلاتی ہے اسی طرح کی ہوا کرتی ہے۔ یہاں سیتھن اور اپتھن دونو
ہی ہیں۔ جیسی کی جیسی خواہش ہوئی ویسا ہی نظارہ پیش نظر آ گیا۔ جاگرت کا قانون
قدرت اور ہے۔ سپن کا قانون قدرت اور ہے۔ یہاں سکھ کا سامان خیال سے پیدا
کر لیا جاتا ہے۔ مگر کون پیدا کرتا ہے؟ من۔ مگر شرت کے میل سے۔ بغیر شرت کے
کی رچنا محال ہے۔ ابھی تک اس شرت کے سمجھنے کی قابلیت کم آدمیوں میں آئی ہے

وہ اس کو من ہی سمجھ رہے ہیں ۔ مگر یہ غلطی ہے ۔ من کچھ اور ہے ۔ اور سُرت کچھ اور ہے ۔ ست سنگ اور ابھیاس کرنے پر اس کی سمجھ آتی ہے کیونکہ اس سے ایک ایسی حالت آجاتی ہے ۔ کہ من بھی جاکر شریر اور اندریوں کی طرح بے بس اور بے حس و بے حرکت ہو جاتا ہے ۔ یہ خود سُرت کی دھار سے زندہ تھا ۔ سُرت جبتک ہے تبتک من کا کاروبار ہے ۔ سُرت نہیں ہے ۔ تو من اسمرتھ اور بے قابو ہے ۔

۲۶۳ ۔ ۵ جولائی سنہ ۱۹۱۷ء ۔ اب اور اوپر چلو ۔ جاگرت میں اندریاں سُکھ بھوگنے کی اوزار تھیں ۔ سپن میں من سُکھ پیدا کرنے کا اوزار تھا ۔ لو اب گہری نیند آگئی ۔ گھور سُوشپتی کی اوستھا ہے ۔ شریر اور من دونوں بیکام پڑے ہوئے ہیں ۔ دیہ اگم وادی آئیں اور نیتی کو سمجھائیں ۔ ذرا وہ سوچیں توسہی ۔ کہ کیا اسرار ہے ؟ ان دونوں میں بے بسی اور بے کسی کیسے آئی ؟ یہ سوچنے کا مضمون ہے یا نہیں ؟ اس کا جواب ہم خود ہی دیتے ہیں ۔ سُوشپتی میں سُرت نے سُرت کو یعنی اپنے آپ کو اپنے ٹکنے ۔ ٹھہرنے اور متحد ہونے کا مرکز بنالیا ۔ من اور شریر کے گھاٹ کو وہ چھوڑ بیٹھی ۔ اور یہاں وہ سوئم بذات خود سُکھ رُوپ ہے ۔ اور اپنے سوا کسی میں نہ سُکھ چاہتی ہے نہ سُکھ کو تلاش کرتی ہے ۔ اور تم ہزار تردید کرو ۔ ہزار کھنڈن کرو ۔ ہزار دلیل او یُکتیوں سے کام لو ۔ مگر کبھی انکار نہ کرسکو گے ۔ کہ سُوشپتی سب سے زیادہ سُکھ کی حالت ہے ۔ اس سُکھ کا ابتدا اور سادھنوں کے انسان زیادہ تر محتاج ہے ۔ یہ سُکھ کہاں سے ہے ؟ کیا وہ باہر ہے ؟ دل سے جواب سنا ہے ۔ وہ سُکھ ہم میں ہے اور ہمارے ہی اندر ہے ۔ اگر وہ ہم میں اور ہمارے اندر نہ ہوتا ۔ تو پھر کم سے کم من اور اندریوں کا جھمیلا تو ضرور ہی ہوتا ۔ مگر ان دونوں کا وہاں ابھاو ہے ۔ اس لئے ماننا پڑتا ہے ۔ کہ سُرت ہی اصل میں سُکھ رُوپ ہے ۔ اور سُرت ہی بس دراصل سُکھ ہے ۔ سو جب یہ معمہ سمجھ میں آئے ۔ اپنے اندر اپنے آپ کی پرکھ کرو تب جانو گے ۔

۵ جولائی ۱۹۱۷

اے تماشا گاہِ عالم رُوئے تو
تو کجا بہرِ تماشا مے روی

۲۶۴
۲۵-جولائی ۱۹۱۷ء۔ شبد

سمجھے ناہیں گنوارا ۔ سُرت کا بھید ایارا (ٹیک)
(۱)۔ سُکھ کے کارن بھُولے بھٹکے ۔ پھرتا بار مبارا
کبھی اِندری کبھی من بس ہوتا ۔ پھرتا مارا مارا
(۲)۔ پُتر کلتر اور مان بڑائی ۔ یہ سب جال پسارا
اِن میں سُکھ ڈھونڈے اگیانی ۔ سُکھ اِن سب سے نیارا
(۳)۔ نہیں پُوجا نہیں کرم دھرم میں ۔ نہیں تنت گیان بچارا
یہ تو بھید کوئی گورُو مُکھ جانے ۔ رادھا سوامی چرن دوارا
(۴)۔ تیرتھ ورت نیم اور سنجم ۔ بہُو کئے چار اچارا
پھیرا پھیری میں جنم گنوایا ۔ ہاتھ لگا نہیں سارا
(۵)۔ رادھا سوامی چرن شرن بلہاری ۔ گورُو نے دیا اشارا
رِنت گیا دوند اچل ہوئی کایا ۔ ستگور کے اُپکارا

۲۶۵
۲۵-جولائی ۱۹۱۷ء۔ شبد

آیا ستگور کے دربارا
مٹ گئی پیر پُرانی من کی ۔ بھو سے ہوا چھُٹکارا (ٹیک)
(۱)۔ پوتھی پترا سیوا پُوجا ۔ سب ہی بھرم پسارا
جڑ چیتن کی گرنتھی گرنتھ ہے ۔ نینوں دیکھ بچارا
(۲)۔ بھٹکنی بھاو کی گم اب پائی ۔ گورُو چرن کے سہارا
بھائے دھوئے کام نرنکے ۔ بھُول رہا سنسارا

(۳)۔ نو کو چھوڑ چلے گھٹ انتر۔ نظر پڑا دس دوارا
رادھا سوامی چرن شرن بلہاری۔ تن من گورو پر وارا

۲۶۶
۲۵۔ جولائی سنہ ۱۹۱۷ء۔ سوال ہے۔ کہ "اگر سُرت سُکھ سروپ ہے۔ اور گیان رُوپ ہے۔ تو پھر یہ بیخبری اور لاعلمی کیوں رہتی ہے؟ اور سُوشپتی میں اصلیت کی پھرنا کا پتہ کیوں نہیں ملتا؟" اس کا سبب یہ ہے۔ کہ جیو اِس حالت میں بہ اختیار خود نہیں جاتے۔ بلکہ کال اور مایا کی پریرنا سے جاتے ہیں۔ اس سُوشپتی میں گو سُرت اپنا مرکز آپ بناتی ہے۔ مگر یہاں بشیشٹی مایا کا بیج رُوپ موجود ہے۔ اور اس کا پردہ پڑا رہتا ہے۔ اس وجہ سے یہ لاعلمی رہتی ہے۔ سُکھ کا انبھو تو ہوتا ہے۔ جیو سُوشپتی سے اُٹھ کر پتہ دیتے ہیں۔ کہ ایسے سُکھ میں سوئے کہ اور کسی بات کی خبر نہیں رہی۔ جیو کے اس کتھن میں دو باتیں ہیں۔ اوّل تو سُکھ کا انبھو اور دوسرے اور باتوں کی طرف سے بیخبری۔ بیخبری کا ہونا لازمی ہی تھا۔ کیونکہ وہاں سوا سُرت کے اور کیا چیز تھی۔ جس کی خبر ہوتی۔ یہ ایک طرح کے ادویت کی اوستھا ہے مگر بشیشٹی مایا سے ملی ہوئی ہے۔ اِسی وجہ سے اُتھان ہوا کرتا ہے۔ اب جیوں کو چاہیئے۔ کہ اوّل گورو سے بھید لیکر سادھن میں لگیں۔ اور بہ اختیار خود سوتے اور جاگتے ہوئے سُوشپتی میں جانے اور اُس میں ٹِکنے کا سادھن کریں۔ تب اِس کا رُوپ سمجھ میں آنے لگیگا +

۲۶۷
۲۵۔ جولائی سنہ ۱۹۱۷ء۔ مگر یہ بھی بطور خود کافی نہیں ہے۔ ابھی ابھیاس کرکے وِراٹ کا جاگرت اور ہِرنیہ گربھ کی سُوشپتی کے مرحلے طے کرنے ہیں۔ جیسے جاگرت میں جیو وِشو ہے۔ ویسے ہی جاگرت میں برہمہ وِراٹ ہے دونوں ہی اِندری اور شریر والے ہیں۔ اس کے ایک سر اور اُس کے ہزاروں سر ہیں۔ یا پنگیہ ہے اور وہ سروگیہ ہے۔ اسی طرح جیسے سپن میں جیو تیجس ہے ویسے

اصلی سوال

ہو گی۔ اُس میں خود بخود اُس کے ساتھ ہم آہنگی آتی جائے گی۔ اور وہ ایک دن اُس کے رنگ سے رنگین ہو کر اُسی رنگ اور رُوپ کا ہو جائے گا۔ اور اس تمامت اور موافقت کا جو علم اندرونی طور پر اُس کو ہوتا جائے گا۔ اُسی کو انجھو کہتے ہیں۔ علم یا انجھو بغیر تدا تم سمبندھ یعنی ہم آہنگی کے نہیں ہوتا۔ سُنی سُنائی باتوں پر یقین کر لینے کو انجھو نہیں کہتے ؛

۲۴-جولائی ۱۹۱۰ء - جس شخص کو جس شے کی خواہش ہوتی ہے۔ اُس کی نظر خاص قسم کی ہوتی ہے۔ سوائے شے مطلوب کے وہ اِدھر اُدھر نہ بھٹکتا ہے نہ اور کسی کی طرف دھیان دیتا ہے۔ اور نہ کسی اور شے کو دیکھتا ہے۔ تم کو کسی چیز کی ضرورت ہے۔ تم بازار میں جاتے ہو۔ جہاں ہر طرح کے سامان کا انبار لگا رہتا ہے۔ مگر سوائے اپنی خواہش کی چیز کو نہ لیتے ہو نہ دیکھتے ہو۔ اور نہ اُس کے سوا اور کسی طرح کی بات چیت کرتے ہو۔ اسی کا نام پریم۔ پیار اور اُلفت ہے۔ اور یہ وہ ضروری چیز ہے۔ جو توجہ کو ہمیشہ یک رُخ اور یک سُو بنا دیتی ہے۔ سچے خواہشمند ادھکاری کی یہی پہچان ہے۔ اور اسی جذبہ کو دیکھ کر شائقین کو سنت مت کی تعلیم دینے سے پورا پورا فائدہ ہوتا ہے۔ باقی اور لوگ تو بانونی اور بکواسی ہوتے ہیں۔ اُن کی طرف مائل ہونے سے اُن کے اور اپنے وقت کا ناحق نقصان اور تضیع اوقاتی ہی ہوتی ہے۔ در حقیقت کام نہیں بنتا ؛

۲۵-جولائی ۱۹۱۰ء - سودا خریدنے والے صرف اصلی سودا کے تصور کا دھیان رکھتے ہیں۔ اور اُسی کے رنگ اور رُوپ بنے ہوتے ہیں۔ اُن کے جذبات اُسی طرح کے ہوا کرتے ہیں۔ جب تک انسان میں ان جذبات کی شکل جب ہم آہنگی کرنے نہ لگے تب تک اُن کو اصلیت کا بتانا بھی بے سود ہو گا۔ جو جُو کا سچا رُوپ ہی کو کیا کرا سے اپنا جُزو تن بنا لیگا۔ اور جو اصلی معنی میں انجھو کا نہیں ہے وہ بانونی رہی

میں نقص نکالیگا یا اگر اُس کو زبردستی روٹی کھلائی گئی تو بدہضمی پیدا کرے گی۔ ہاضمہ میں فتور ہوگا۔ وہ یا تو قے کرکے تعفن پیدا کریگا اور دوسروں کو تکلیف دیگا یا خود شک و شبہات کی بیماری کا شکار ہوگا۔ اور ممکن ہے اُس کے خون میں زہر پیدا ہو۔ پھوڑے پھنسی نکلیں۔ چھوت کی بیماری پیدا ہو۔ اور وہ اُس کے اور دوسرے کے لئے وبال جان ہو۔ اس لئے کہا گیا ہے :۔

مستمع گرنیست خاموشی بہ است

نکتہ از نااہل گر پوشی بہ است

۲۶-جولائی ۱۹۱۷ء۔ مماثلت۔ اور ہم آہنگی کرنے سے جو علمی جذبات اندرانی طور پر پیدا ہو کر من کی نہایت سوکشم ورتی کو اصلیت سے قربت بخشتے ہیں۔ ان کو انبھو کہتے ہیں۔ یہ انبھو ہمیشہ ہی پریمی بھگت کے حصہ میں آتا ہے۔ اور جب تک انبھو نہیں ہوتا۔ تب تک کسی قسم کی ظاہری سمجھ بوجھ کا اعتبار نہیں ہے۔ عشق کے طریق اور پریم کے مارگ میں سچ انبھو کی بہت بڑی مہما ہے +

۲۷-جولائی ۱۹۱۷ء۔ انبھو کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ ایک معمولی انبھو اور دوسرا غیر معمولی۔ معمولی انبھو میں تو دل کے لطیف پردوں پر اصلیت کا عکس سایہ افگن ہوا کرتا ہے۔ من مانتا ہے۔ لیکن اس کا سا کشات کار کم ہوتا ہے۔ غیر معمولی انبھو میں یہ کیفیت ہوتی ہے۔ کہ دل اصلیت کے بہت قریب آجاتا ہے۔ اور وہ اُس کی بڑی پختگی اور مضبوطی کے ساتھ زیارت کر لیتا ہے۔ اور تب بیخوف اور بے فکر ہو جاتا ہے۔ یہ انبھو اُتم ہے۔ اور دوسرا مدھیم ہے +

۲۸-جولائی ۱۹۱۷ء۔ پریم کی ہم آہنگی ہی گھنی ہو کر انبھو رُوپ میں پرگٹ ہوتی ہے۔ اور پریمی اُس کے جاننے سمجھنے کے قابل رہتا ہے۔ اور جب آگے چلکر اور پختگی آجاتی ہے۔ تب پریمی اور پریتم انبھوی اور انبھو کے درمیان سے دوئی کا پردہ

ہمیشہ کے لئے اُٹھ جاتا ہے۔ اور اسی کو وحدت اور ادویت اور عشق کا منزلِ مقصود کہتے ہیں۔ یہی معراج ہے ۞

۲۴۔ جولائی سنہ ۱۹۱۷ء۔ پریم میں خاص لذت ہے۔ جو صرف پریمی ہی جان سکتا ہے۔ اور انبھو میں خاص مزہ ہے۔ جس کا علم صرف انبھوی کو ہوتا ہے۔ پریم اور انبھو کہنے کے لئے ابتدا میں دو ہیں۔ مگر اصلیت میں وہ ایک ہی ہیں۔ پریم نام ہے پیار کا اور انبھو نام ہے گیان کا۔ بغیر گیان کے پیار نہیں۔ اور بغیر پیار کے گیان نہیں۔ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ مرد کو عورت کا پیار ہے۔ اور اُس پیار میں گیان چھپا ہوا ہے۔ کیونکہ اگر گیان نہ ہوتا۔ تو پیار کیسے ہوتا۔ جب دو مرد و عورت گیان اور پیار کی مدد سے مل کر ایک ہو جاتے ہیں۔ تب وہ مکمل ہستی کہلاتے ہیں۔ ابھی تک وہ دو الگ الگ پرتیت ہو رہے تھے۔ ہستی تو اُن میں پہلے بھی تھی۔ مگر ناقص تھی۔ مکمل نہیں تھی۔ اب مل کر ایک ہو رہنے سے دوئی کا تفرقہ جاتا رہا۔ اور ایسی حالت میں ہم اُن کو پریم مکمل۔ گیان مکمل اور ہستی مکمل کہہ سکتے ہیں۔ اس سے پہلے نہیں ۞

۲۵۔ جولائی سنہ ۱۹۱۷ء۔ ایک رُوپ میں تین حالتیں نظر پڑیں۔ پیار۔ گیان۔ اور ہستی۔ تفرقہ کی حالت میں وہ الگ الگ بھاستے تھے۔ مگر جب مل کر ایک ہو گئے تو اب بجائے تثلیث کے وحدت آ گئی ۞

من تو شدم تو من شدی۔ من تن شدم تو جاں شدی
تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

۲۶۔ جولائی سنہ ۱۹۱۷ء۔ اسی وحدت کا اظہار ایک مرکب لفظ سچدانند میں کیا جاتا ہے۔ ست۔ چت۔ آنند ہی پریم۔ انبھو۔ اور ہستی ہے۔ صرف نام کا فرق ہے۔ تتو میں فرق نہیں ہے۔ پریم ہی کا دوسرا نام آنند ہے۔ اور سنتوں کا رنگ جو پریم مارگ کہلاتا ہے آنند ہی کا طریق ہے۔ ابتدائی مرحلہ میں گیان اور ہستی کے خیال کو

دینو لاکہ صرف پریم ہی کو دل دیا جاتا ہے۔ اور یہ پریم اپنا آنند دیتا ہوا درمیانی منزلوں میں جن کا پہلے میں نے ذکر کر دیا ہے۔ انبھو اور گیان کو بخشتا ہوا سچی زندگی۔ سچی ہستی۔ اور سچی بقا بخشتا ہے۔ پس اس ایک بات کو ذہن نشین کر کے تم سمجھ سکتے ہو۔ کہ پریم کے مارگ میں اور گیان کے مارگ میں فرق نہیں ہے۔ دونوں ایک ہیں اور دونوں ہی کا رُخ بقا اور ہستی کامل کی جانب ہے۔

[illegible] جولائی ۱۹۱۰ء۔ بالعوض اس کے کہ کوئی شخص باغ میں جا کر فضول درختوں کی تعداد گنے۔ اور اُن کے پتوں وغیرہ کا شمار کرے۔ پھل کھانے میں زیادہ لذّت اور مزہ پائے گا۔ اس وجہ سے سنتوں نے زبانی جمع خرچ کے یہی کھاتوں کو توڑ کے رکھ دیا۔ سُرت کو آنند اور پریم کے مرکز پر متحد کرنے کا گُر بتایا۔ سُرت جیسے جیسے اُن منزلوں پر چڑھتی ہے اُس کو رُوحانی مشاہدہ کا اندرونی مقامات پر آنند ملتا ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ گیان بھی پراپت ہوتا جاتا ہے۔ اور گیان کے ساتھ اُس کی عقلی گتّہ اُنّتی ہوتی ہوئی ہستی کامل کا آہستہ آہستہ انبھو بھی کرتی جاتی ہے۔ اور تمام حلقے ایک ساتھ قدرتی طور سے طے ہوتے جاتے ہیں۔ اس لئے یہہ پریم مارگ اپنی نوعیت کے لحاظ سے لاثانی ہے۔ اور اس کی بہت بڑی بزرگی ہے۔ لذّت لو اور رس لو۔ تو اس لذّت کا خود بخود انبھو ہوگا۔ اور اگر بغیر لذّت لئے ہوئے صرف بیٹھے بیٹھے اس لذّت کے مسائل پر بحث کرتے رہتے ہو۔ تو بُدھ کا فائدہ نہ ہوگا۔ ہاں واچک گیانی ضرور بن جاؤ گے۔ اس کے سوا اور کچھ ہاتھ نہ آئیگا۔

[illegible] جولائی ۱۹۱۰ء۔ نام میں خیال ہے۔ تصوّر ہے۔ اور اُسی تصوّر میں رُوپ [illegible] طاقت ہے کہ وہ رُوپ کے تصوّر کو اپنے اندر مقید رکھتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ نام لفظ اور شبد ہے۔ مگر شبد کی طاقت بے حد و حساب بتائی گئی ہے

اور تم اس بیوہار ک جگت میں دیکھتے ہو۔ کہ نام لیتے ہی تصور اور خیال کے رگ کو
کیسی زبردست حرکت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اُس شے مخصوص کا جس کا نام لیا گیا
ہے کس طرح دل کے اندر نقشہ بنجاتا ہے۔ تم نے کہا مکان ہے۔ اور مکان کے تمام
حصے۔ کھڑکی۔ دروازہ۔ چھت وغیرہ سب کا خیالی رنگ روپ تمھارے اندر
بن گیا۔ اور مکان کا جو آدرش تھا۔ وہ اندر ہی اندر ایک لمحہ میں آگیا۔ تفصیل اور صراحت
میں دیر لگتی ہے۔ اور اگر تم مکان کی توضیحی ذات کو بیان کرنے لگو۔ تو زبان جلد اس
تیزی کے ساتھ ادا نہ کر سکیگی۔ مگر ایک لفظ "مکان" کے کہدینے سے اُس کے اندر
سب کچھ آگیا۔ اسی طرح اور شبد گائے۔ شیر۔ آدمی وغیرہ کی شکتی ہے۔ اس کو
شبد شکتی اور نام شکتی کہتے ہیں۔ اور اس نام میں سب کچھ رہتا ہے *

۲۷ جولائی سنہ ۱۹۱۰ع۔ نام میں واہمہ کے پختہ کرنے کی وہ زبردست طاقت ہے
جو کسی میں بھی نہیں ہے۔ بحث تو اس موقع پر صرف اتنی ہے۔ کہ آیا نام خاص
قسم کی ذات اور صفات کے سمجھانے کی قابلیت اور طاقت رکھتا ہے یا نہیں؟
اور تم اس کو خود غور کرکے دیکھ سکتے ہو۔ کسی نے مجھ سے کہا "ترلوک چند آگئے
ہیں" اور فوراً تمھارا خیال میرے دل میں آگیا۔ اور تمھاری شکل خیالی آنکھوں
کے سامنے قایم آگئی۔ کسی نے تمھارے دروازہ پر پہنچ کر آواز دی "ترلوک چند
کیا تم گھر میں ہو؟" اور تم اُسی وقت مکان سے باہر آکر اُس سے مخاطب ہو گئے۔
پس ان ہر دو حالتوں میں نام نے وہ کام کیا۔ جو اور صورت سے ممکن نہیں تھا۔
ایک طرف تمھارے نام لینے سے میں متاثر ہو گیا۔ دوسری طرف تم پر اثر پڑا۔ اس
اثر کا کیا سبب ہے؟ سبب یہہ ہے۔ کہ میں نے "ترلوک چند" نام کے سلسلہ میں تمھارے
ذات و صفات کے واہمہ کو پختہ کر لیا تھا۔ اور دوسری طرف ابتدا زندگی سے تم
اپنا نام ترلوک چند سُننے کے عادی ہو رہے ہو۔ اور چاہے بفرض محال تم بان بھی

صفاتی اور ذاتی نام

یقینی طور پر اثر کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یہ شکتی سب ہی کچھ اس نام کے ساتھ ہیں ؎

۲۷ جولائی سنہ ۱۹۱۶ء۔ نام میں دل کے کھینچنے اور چت کے ایکاگر کرنے کی زبردست طاقت ہے۔ اور اُس کا عمل تم روز دیکھتے ہو۔ دوسرے یا تُو سے ہی نسبت سو پر نام میں ٹیک باندھنے کی بڑی شکتی ہے۔ اور اس ٹیک کو دل کے جذبات منعقد کرنے کا مرکز سمجھو۔ یہ نام اس طرح دل کو اپنی طرف کھینچ رکھتا ہے۔ کہ اور دوسری ... اس کا امکان مشکل ہے۔ کوئی شخص اگر تمہارے سامنے تمہارے بزرگ کا نام لے کر گالیاں دینے لگے۔ تو تم لڑنے لڑانے اور مرنے مارنے پر مستعد ہو جاؤ گے۔ کیونکہ تمہارے سُرت کی ورتی اس نام پر اٹکی ہوئی ہے۔ اور وہاں سے ہٹایا جانا نہیں چاہتی۔ اُس کو نام کی ہٹ ہے۔ اور جو شخص اُس نام کی ہتک اور توہین کرتا ہے وہ برا پرتیت ہوتا ہے۔ اسی طرح جب اشٹ کا نام دل میں قائم ہو جاتا ہے۔ تو اُس کی بھی ٹیک پڑ جاتی ہے۔ اور سُرت اُس کو اپنی توجہ کا مرکز بنا لیتی ہے۔ اور وہاں سے ہٹانے پر بھی نہیں ہٹتی۔ اور اس اشٹ کے متعلق کسی قسم کی بری باتوں کو سننا گوارا بھی نہیں کرتی۔ کیا یہ یوگ نہیں ہے؟ اس کی نام ... ٹیک ... ہے ؎

۲۸ جولائی سنہ ۱۹۱۶ء۔ نام میں سب کچھ ہے۔ یہ تمام برہمانڈ نام کے ضابطے سے بندھا ہوا ہے۔ اور جب تم کسی کو کسی سے ممتاز کرنا چاہتے ہو تو سب سے پہلے یہ کوشش ہوتی ہے۔ کہ پہلے اُس کا نام رکھ دیا جائے۔ اور جہاں تم نے اُسکو نام دیا۔ وہ بھی اُس نام کے زیر اثر تمہارے نام لیتے ہی تمہاری طرف مخاطب ہونے لگتا ہے۔ کُتے کا نام "موتی" رکھ لو۔ اور جب "موتی موتی" کہہ کر پکارو گے وہی کُتا تمہارے پاس کودتا اچھلتا اور دم اُٹھائے ہوئے دوڑتا ہوا چلا آئے گا۔ تا ... تم نے

رکھتا ہے۔ سکتے نے خود نام تو نہیں رکھا۔ مگر یہاں تمہارے واہمہ اور نام کے واہمہ نے اس کو متاثر کر رکھا ہے۔ اور وہ اسی نام سننے کا عادی ہے۔ اسی طرح اس برہمانڈ کے تمام شکتیوں کو تم نے ہی نام دیئے ہیں اور جب یہ کثیف جانور وغیرہ نام لینے پر تمہاری جانب رجوع کرتے ہیں۔ تو پھر وہ جو لطیف ہیں کیسے مائل نہ ہونگی مگر ہاں۔ اس کا سمجھنا اور سمجھ کر ماننا ذرا مشکل ہے۔ کیونکہ مضمون بہت لطیف ہے کہنے والے کہہ گئے ہیں۔ کہ

"بنام آنکہ او نامے ندارد
بہر نامے کہ خوانی سر بر آرد"

دنیا اس کو کمتر سمجھتی ہے۔ اور اوہام باطلہ میں گرفتار ہے۔

۲۳ جولائی ۱۹۱۷ء۔ نام جو ہے تمہارا دیا ہو یا اور کسی کا دیا ہو، اس کا اثر تم خاطر نشین اور ذہن نشین کر سکتے ہو۔ اور یہ سمجھ سکتے ہو۔ کہ نام میں خاص قسم کی کشش ہے۔ اس نام کی بیوہارک جگت میں دو صورتیں ہیں۔ ایک کثیف دوسری لطیف۔ کثیف تو وہ ہے۔ جو لفظوں کے ذریعہ اظہار میں آتی ہے۔ جیسے موتی اور لطیف وہ ہے۔ جو خیالی طور پر صرف دل میں پرگٹ ہوتی ہے۔ اور صرف تصور کرنے سے شئے مطلوبہ کو تمہاری طرف کھینچ لاتی ہے۔ کچھ نہ کرو۔ صرف اپنے کتے موتی کا تصور باندھ کر دل کی خیالی دھار کو اس کی طرف رواں کرو۔ اور وہ اسی لمحہ بندھا ہوا اسی وقت آ جائے گا۔ یہ عمل دنیا میں لمحہ لمحہ ہوا کرتا ہے۔ اور ہو رہا ہے۔ مگر کثیف مزاج اس کو سمجھ نہیں سکتے۔ اسی عمل سے ظاہرا ناداں بچہ اپنے دودھ پلانے والی ماں کو اپنے پاس بلا لیتا ہے۔ میں نے تو بلی اور کتوں کے شیرخوار بچوں کو یہ عمل کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ اور تم بھی ذرا اپنے ارد گرد کے واقعات کو بغور دیکھ کر تجربہ کر سکتے ہو۔ ترتیا یگ کے گیتیہ اور ہونے کے وقت اسی اصول کے

موافق آہوتیاں دے دے کر دیوتاؤں کو بلایا جاتا تھا۔ اور وہ آجاتے تھے اور اپنا بھاگ لیتے تھے۔ اب چونکہ کثیف مادہ نے خوب زور باندھ لیا ہے۔ نہ اس عمل کی سمجھ ہے۔ اور نہ کوئی کرتا ہے۔ کرنا استاد نہ کرنا شاگرد۔ اب بھی اگر کوئی آدمی اپنے دل کے اندر ترپتا۔ تپتی دھرم اے یُگ کا سادھن کرنا اچھی طرح سیکھ لے۔ تو اب بھی اس کا امکان ہے۔ مگر مشکل تو یہہ ہو گئی ہے کہ دھرم کے تین چرن اس کلجگ میں ٹوٹ گئے ہیں۔ اور لاکھ کسی کو سمجھاؤ۔ وہ یہی نہیں سمجھیگا۔ کہ یہہ چار۔ تین۔ دو۔ اور ایک چرن دھرم کے ہوتے کیا ہیں! سنتوں کے ست سنگ میں جا کر بیٹھیں۔ تو اس کی سمجھ آئے دوسری طرح ممکن نہیں ہے +

۲۸۷ ۔ ۱۶ جولائی ۱۹۱۷ء۔ بیوہارک جگت کے نام کی لیلا کسی قدر تم کو سنا دی گئی۔ اب پرمارتھک جگت کے نام اور ناموں پر غور کرو۔ شیو۔ برہما۔ وشنو۔ یہہ نیچے درجے کے نام ہیں۔ جو وراٹ پُرش کی عکسی ترگنا تمک چیتنہ ہیں۔ ان کے نام لینے سے وہی پھل پراپت ہو سکتا ہے۔ جس کا ظہور بیوہار میں ہوا کرتا ہے۔ اس قسم کے نام بے شمار ہیں۔ اور اگر کسی ایک خاص نام کا اِشٹ نہ باندھا جائے تو وکشیپ پیدا ہوتی ہے۔ اور نتیجہ بے سُود ہوتا ہے۔ اس لئے رشیوں نے سوچ سمجھ کر ایک نام کو مہیمہ بتایا۔ اور سب کو اُس کے ماتحت قایم کر دیا۔ پُورانوں کو دیکھو۔ ایک ایک پُوران ایک ایک دیوتا کو سب کے اوپر فوقیت دیتا ہے۔ وشنو پُوران میں وشنو کے نام کی۔ شیو پوران میں شیو کے نام کی اور گنیش پُوران میں گنیش کے نام کی مہما بتائی گئی ہے۔ اس کا یہہ مطلب نہیں ہے کہ ان کے درمیان اختلافات ہیں۔ بلکہ اصلی مقصد یہہ ہے۔ کہ اپنے دلی جذبات کے موافق جو شخص جس دیوتا کا اِشٹ مان لے اُس کو سب پر فایق سمجھے۔ ورنہ وہ اِشٹ کیا ہوا! نادان اس رمز کو تو سمجھتے نہیں۔ اُلٹی سیدھی گپ ہانکنے لگ جاتے ہیں۔ پُورانوں کے لکھنے کی غرض یہہ تھی کہ جس

شخص کا جیسا دل ہو وہ اُسی کے موافق کسی دیوتا کا اِشٹ باندھے۔ تامسی مزاج والا
تامسی دیوتا۔ راجسی مزاج والا راجسی دیوتا۔ اور ساتوکی مزاج والا ساتوک دیوتا کا
واہمہ پختہ کرے۔ تب کام بنے۔ مگر بات کو کچھ کا کچھ سمجھ لیا گیا ہے۔ اس لئے اِن سے
اُونچا نام جدا کیا ہے۔ وہ اوم ہے ۔

۲۶۔ جولائی سنہ ۱۹۱۴ع۔ اوم نام ہے برہم کا۔ جو ترکٹی کا دھنی ہے۔ اس
ترلوکی میں وہ سب سے اونچا نام ہے۔ یہ خیال اور وہمی نہیں ہے۔ اور اصلی اور
صحیح بھی ہے۔ جو لوگ ترکٹی کے ستھان پر پہنچ کر اپنے روحانی کانوں سے اوم کی
دھُن کو جو بیج ناد اور مردنگ کی آواز کی طرح گونج رہی ہے سُنتے ہیں اُن کے
لئے تو یہ اصلی اور صحیح ہے۔ اور جو لوگ اصلی حقیقت کو نہ جان کر اس کو الف۔ واو
اور میم کا مرکب مجموعہ مانتے ہیں۔ اُن کے لئے خیالی اور وہمی ہے۔ مسلمانوں نے
مغز حقیقت کو تو سمجھا نہیں۔ صرف واچک گیانی اور عالم ہو کر اوم کے ایک ایک
حرف کی تشریح۔ اور وچار میں پھنس گئے۔ اور اپنا نقصان کر بیٹھے۔ اِن کی تمثیلیں یہ
الف اِیشر۔ واو جیو۔ اور میم پرکرتی ہے۔ یا وہ تینوں سرشٹی۔ استھتی اور پرلے
ہیں۔ یعنی برہما وشنو اور مہیش ہیں۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔ وغیرہ وغیرہ۔ یہ اس فضول
واہمہ میں پڑ گئے۔ بیج منتر کی اصلی حیثیت نہیں سمجھی۔ وہ تو صرف ترکٹی کے دھنی
کا نام ہے۔ جو سب سے اوّل ہے۔ اور اس کے پیچھے دوسرے شبد ترلوکی کے اُسی
کے سلسلے میں برآمد ہوتے ہیں۔ اور یہی سبب ہے۔ کہ وہ ہر منتر کے پہلے استعمال کیا جاتا
تھا۔ اس معنی میں وہ برہم کا ذاتی نام ہے۔ صفاتی نہیں ہے۔ مگر صفات پرستوں نے
اُس کو بھی صفاتی بنا کر چھوڑا۔ جیسا خیال ویسا حال ۔

۲۷۔ جولائی سنہ ۱۹۱۴ع۔ اوم کہنے ہی کے لئے اوم ہے۔ ورنہ اُس کی تو یہ صرف
مشابہتی صورت ہے۔ جس سے اُس دُھن کو جس طرح سمجھا ویسا ہی اُس کو مان لیا۔ کھنے

کے آواز کو کوئی ٹن ٹن کہتا ہے۔ کوئی ڈِنگ ڈانگ کہتا ہے۔ بالکل اسی طرح رشیوں نے اُس آواز کو سُن کر "اوم" کا نردیک باندھا۔ صُوفیوں نے اُس کو "ہُو" قرار دیا۔ وعلیٰ ہٰذالقیاس۔ یہ آواز مِردنگ کی صدا سے زیادہ مشابہ ہے۔ اِن دُھنوں کی آواز کو لفظوں سے ظاہر کرنا آسان تو نہیں ہے۔ یہ صرف انسان کے خیالات اور جذبات کے تابع ہوتے ہیں۔ چار آدمی صبح کے وقت کہیں بار رہے تھے۔ ایک مسلمان صُوفی۔ ایک رادھا سوامی بھگت۔ ایک کنجڑا اور ایک پنسار تھا۔ فاختہ نے آواز دی۔ صوفی سُن کر اپنے دوستوں سے کہتا ہے۔ "سُنو فاختہ کہہ رہی ہے "سُبحان تیری قدرت"۔ رادھا سوامی نے کہا "نہیں۔ وہ تو صاف کہہ رہی ہے "رام لچھمن۔ بھرت"۔ کنجڑا بولا "تمھاری عقل پر پتھر پڑے۔ صاف آواز آ رہی ہے "لہسن پیاز ادرک"۔ پنسار سب کے آخر میں ہنسا۔ "بھائی! مانو یا نہ مانو۔ فاختہ کی صدا ہے "ہلدی نون زیرہ مرچ"۔ الغرض جو جس رنگ میں رنگا ہوا ہے۔ اُس کو ویسا ہی رنگ دکھائی دیتا ہے۔ جیسا خیال ویسا حال۔ کوئی اس "اوم" کو "اونگ بونگ" کہتا ہے۔ کوئی "بم بم" کہتا ہے۔ وعلیٰ ہٰذالقیاس۔ بات سب ایک اور طرز اظہار جُدا جُدا ہے ❊

بچن ۸۶

۱۲ جولائی ۱۹۱۷ء۔ اس نظر سے پھر نام کی دو صُورتیں ہو جاتی ہیں۔ ایک "برن آتمک" اور دوسری "دُھن آتمک"۔ جو برن یعنی حروف۔ اعراب اور زیر و زبر سے ظاہر کیا جائے وہ برن آتمک ہے۔ اور جس کی دُھن سُنی جائے وہ دُھن آتمک ہے۔ سنت مت میں صرف دُھن آتمک نام کی بڑائی ہے۔ بشرطیکہ وہ رُوحانی مقام پر چڑھ کر سُنا جائے۔ اور یہی سبب ہے۔ کہ رادھا سوامی مت میں صرف دُھن آتمک نام سُننے کی ہدایت گھٹ کے اندر کی جاتی ہے ❊

بچن ۸۷

۱۲ جولائی ۱۹۱۷ء۔ ہر مقام کی دُھن جُدا جُدا ہے۔ یہ بتا دیا گیا ہے۔ کہ رچنا شبد کے دھار سے ہوتی ہے۔ منڈل جُدا جُدا ہیں۔ اور تمام منڈلوں کے شبد بھی

جُدا جُدا ہیں۔ اور ابھیاسی جس مقام پر پہنچتا ہے۔ وہاں کی دُھن اپنے کان سے سُنتا ہے۔ مقامات کی صراحت اور شبدوں کی وضاحت اور جگہہ مجملی طور پر لکھ دی گئی ہے۔ اُس کو پھر پڑھ لو +

۲ جولائی ۱۹۱۶ء۔ رادھا سوامی مت میں رادھا سوامی نام کا اشٹ بندھایا جاتا ہے۔ یہہ بھی دُھن آتمک نام ہے۔ یہہ اور طرح پر دوسرے ناموں کی طرح ظاہر کیا جاتا ہے۔ سنتوں نے اسی دُھن کو زیادہ سہل اور عام فہم سمجھا۔ اور اُسی کا اشٹ بندھایا۔ جب رچنا کی دھارا اُوپر سے نیچے کی طرف رواں ہوئی۔ تو اندرونی حرکت سے وہ "سوامی" کی صُورت میں گوش زد ہوئی۔ اس کے بعد جو دھار نکلی وہ دھارا کی صُورت میں پرگٹ ہوئی۔ اور دونوں کو مِلا کر رادھا سوامی نام بتایا گیا۔ یہہ سب سے اُونچے مقام کی دُھن ہے +

سوال۔ مگر پہلے تو کسی نے بھی اس نام کا اظہار نہیں کیا؟

جواب۔ سُنو۔ پہلے اور پیچھے یہہ نسبتی الفاظ ہیں۔ اِن جھگڑوں میں صرف نادان پھنستے ہیں۔ اشارہ کے طور پر پہلے بھی لوگوں نے اِس کو سمجھا دیا ہے۔ مگر اشارہ کو سمجھتا کون ہے؟

سوال۔ ذرا آپ مثال تو دیجئے۔ تب ہماری تسلی ہو جائے؟

جواب۔ سُنو۔ اسی نام کو پرم سنت کبیر صاحب نے اپنی بانی میں اشارہ کی صُورت میں سمجھایا ہے:۔

کبیر دھارا اگم کی ستگور دئی لکھائے
تاہی اُلٹ سُمرن کرو۔ سوامی سنگ لگائے

دھارا کو اُلٹ دو۔ تو وہ رادھا ہو جاتی ہے۔ اور سوامی کے ملا دینے سے رادھا سوامی نام بن جاتا ہے۔ صوفیوں تک میں یہ اشارہ موجود ہے +

سوال۔ مگر اَوروں نے تو نہیں بتایا۔ ہم کیسے مانیں؟

جواب۔ خُوب! نہ مانو۔ تم کو منواتا کون ہے! اور سُنو۔ نام کو تم نے سُن ہی کر تو مانا ہے۔ جب کسی نے کہا اور تُم نے سُن لیا۔ تب مانا۔ نام نے خود تم سے نہیں کہا۔ کہ مجھے مانو۔ اور نام گورو کی ذات ہے۔ مَیں نے جو نام گورو سے سُنا۔ اُسی کو سچّا سمجھ لیا۔ کیونکہ

"گفتۂ او گفتۂ اللہ بود"

دوسرے:۔

"ہرچہ فرماید بود عینِ ثواب"

گورومت میں صرف گورو کے بخشے ہوئے نام کی مہما ہے۔ کتابی نام سے کام نہیں چلتا ہم گورو کے سیوک ہیں۔ حضور معلّی مقدّس نے ہم کو یہی نام عطا کیا۔ ہم اور نام کو لیکر کیا کریں۔ اُس سے ہمارا کام کیا بنے گا۔ گورو نے اس نام کی کمائی کی۔ اور اپنا کمایا ہُوا نام ہمیں دیا۔ ہم اُس کے زیر اثر ہیں۔ اور اُسی کو سب کچھ سمجھ رہے ہیں۔ اور کسی کے دیئے ہوئے نام کو کیسے قبول کریں۔ کیونکہ وہ گورو تو نہیں ہے۔ اگر تم اور طرح پر نہیں مانتے۔ تو ہماری اپنی نسبت یُوں ہی اس طرح سمجھ لو۔ تاکہ آگے بحث مباحثہ کی نوبت نہ آئے۔ گو ہم نے کہنے کو تو کہدیا ہے۔ کہ یہ دُھن اتمک نام ہے ؁

۲۹۲

۲۸۔ جولائی ۱۹۱۷ء ‌"ادم" ہمارے سب شاستروں۔ ویدوں۔ بودھی پُستکوں۔ جینی گرنتھوں۔ تنتروں۔ اور تمام ویدک رچاؤں کے پہلے استعمال کیا جاتا ہے یہ سب کا بیج منتر ہے۔ اور رادھا سوامی مت میں بھی اس کو اس ترلوکی کا مُول کلام کہا گیا ہے۔ اور اس کی بڑی اہمیت ذہن نشین کرائی گئی ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ رادھا سوامی مت میں کیوں وہ اہمیت کا درجہ اُس کو نہیں دیا جاتا۔ اِس قسم کا

اعتراض اکثر لوگ کرتے ہیں۔ اس کا جواب یہہ ہے۔ کہ رادھا سوامی مت میں اوم کو وہ اہمیت تو دی جاتی ہے۔ جو اس سے مخصوص ہے۔ مگر یہہ اُس کے ساتھ ساتھ ذہن نشین کرا دیا جاتا ہے کہ یہ برہمہ کا ذاتی نام ہے۔ اور برہمہ نام ہے پھیلے ہوئے برہمانڈی من کا۔ جو ترلوکی میں محیط کُل ہے۔ ویداسی کے دھار یا دوسرے لفظوں میں اُن کو برہمہ کا سانس مانتے اور کہتے ہیں۔ جو لفظ بہ لفظ صحیح تسلیم کیا جاتا ہے۔ مگر رادھا سوامی مت کا اِشٹ نہ برہمہ ہے نہ پربرہمہ ہے۔ بلکہ وہ اِن دونوں کے پرے کی اوستھا ہے۔ اس لئے اس مت میں اصلی مالک کے اصلی نام کا اِشٹ بندھایا جاتا ہے۔ تاکہ بیچ میں کسی طرح کا اٹکاؤ نہ ہو۔ برہمہ درمیانی اوستھا کا نام ہے ضرورت یہہ ہے۔ کہ کوئی ابھیاسی برتی۔ ملونی یا بیچ کے کسی استھان میں نہ اٹکے۔ ورنہ انت کال کے بعد پھر نیچے آجانے کا خطرہ رہیگا۔ اور آواگون دُور نہ ہوگا۔ کیونکہ برہمانڈ کی رچنا برہمہ کے آدھار ہے۔ اور اُس کے سانس میں آنے جانے کا ہر وقت اہتمام رہتا ہے۔ جیسا پہلے بتا دیا گیا ہے ؛

۲۸۔ جولائی سنہ ۱۹۱۶ع – ۲۹۳ – ویدوں کا مت دُنیا میں سب سے قدیم ہے۔ ویدوں کو رادھا سوامی مت میں ترلوکی کے تمام گیان کا بھنڈار مانا گیا ہے۔ اور اس گیان کا بیج اور مُول منتر اوم ہی کو تسلیم کیا گیا ہے۔ دُنیا کے اور مذاہب چاہے ویدوں کے موافق ہوں یا مخالف ہوں۔ مگر سب ہی نے ویدوں کی تقلید کی ہے۔ اور جیسے ہمارے یہاں تمام منتروں اور ریچاؤں کے پہلے "اوم" برہمہ کا نام لیا جاتا ہے۔ اُسی کی تقلید اور مت متانتروں نے بھی بطرز مختلف تقلید کی ہے۔ مثلاً پارسیوں کے تمام پستک یا نسخوں میں جن کی تعداد غالباً چوبیس ہے۔ اور وہ چوبیس ناموں والے نسخے مشہور ہیں اور ایک ایک پیغمبر یا رسول سے مخصوص ہیں۔ ہر نسخہ کے پہلے "بنام یزداں (بنام ایزد)" آتا ہے۔ اسی طرح مسلمانوں کی دھرم پستک قرآن میں بھی اُسی قسم کی تقلید

"بسم اللہ الرحمن الرحیم" سے کی گئی ہے۔ جہاں تک مصریوں کے عقاید کا تعلق ہے وہ بھی اِس اوم کو مانتے تھے۔ اور یوگیوں نے بھی اپنے پرانا یام منتر میں نہ صرف ایک مرتبہ بلکہ ہر مقام کے خیالی تصور کے وقت اُس کو سب مقام کے پہلے جگہ دیتی ہی ہے۔ حالانکہ اُن کے اس منتر سے بھی رُوحانیت کے مقامات کا پتہ لگتا ہے۔

۲۹ جولائی سنہ ۱۹۱۷ء - گایتری کا پرانا یام منتر یہ ہے :-

"اوم بھُو - اوم بھُووہ - اوم سوہ - اوم مہہ - اوم جنہ - اوم تپہ - اوم ستیم"

پرانا یام گایتری منتر

مگر یہاں سوال یہ کیا جا سکتا ہے۔ کہ ایسا کیوں کیا گیا؟ جواب یہ ہے۔ کہ ان سب مقامات کی پرکھ پرکھ اور جڑ چیتن میں "اوم" یعنی برہمانڈی من کے نام کا سہارا لیا گیا ہے اور اُسی کی نظر سے اُن کے دیکھنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ رادھا سوامی مت کو اس طرزِ عمل پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ کیونکہ رُوحانی مناظر دیکھنے کے لئے رُوحانی آنکھ کی ضرورت ہے۔ اور رُوحانی آنکھ برہمنڈ کے ساکشات کار کرنے ہی پر ملتی ہے۔ اگر اس سے مدد لیکر اشٹ اُونچے پد کا دھارن کیا جائے تو چنداں ہرج نہیں ہے۔ مگر دقت تو یہ ہے۔ کہ کوئی اصل حقیقت کو تو سمجھتا نہیں سب لفظوں میں اٹک جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ "اوم" کی مدد سے ستیہ پد تک کا اشٹ قایم نہیں کرتے۔ اور "اوم" "اوم" کرتے اور رٹتے ہوئے اُسی میں لٹکے رہتے ہیں۔ اس وجہ سے حضور امتلے مقدس نے جہاں "اوم" کی خصوصیت بتائی ہے۔ ساتھ ہی سچّے پد کے اشٹ دِرڑھ کرنے کی غرض سے مقامات کی صراحت کرتے ہوئے اُس کی طرف دل کی طاقتوں کو رجوع رکھنے اور اُسی کے مرکز ماننے کی ہدایت فرمائی ہے۔ یہ وجہ ہے کہ سنت مت میں رادھا سوامی نام پر اس قدر زور دیا گیا ہے۔ تاکہ کسی طرح کے بھرم اور شبہ کی گنجائش نہ رہے۔ کبیر صاحب کی

پانی ہے۔

"وید پوران نہیں ہیں جھوٹے جھوٹا جو نہ بچارے"

اور وچار کوئی کرتا نہیں۔ جس کو دیکھئے۔ وہ صرف لکیر پیٹتا ہوا چل رہا ہے اور لکیر کا فقیر بنا ہوا ہے۔

۲۹۸

۲۸-جولائی ۱۹۱۷ء- ہر نام میں خاص قسم کا اثر ہوتا ہے۔ اور جب عقیدہ کے ساتھ نام کا تصور اور سمرن کیا جاتا ہے۔ اسی کا مکمل پرابت ہوتا ہے۔ پس سنتوں نے ہر کسی نام کی تردید کئے ہوئے صرف اصلی اور اونچے نام کا اشٹ بندھایا ہے۔

۲۹۹

۲۸-جولائی ۱۹۱۷ء- رادھاسوامی مت کا مسئلہ مسائل یا علمی و زبانی فلسفہ کا مضمون نہیں ہے۔ اس کے ست سنگ میں گو فلسفہ کی اصلی مراد کی وضاحت اور مذہبی خیالات کی زبانی جاوے صراحت کر دی جاتی ہے۔ تاکہ دلوں میں بھرم نہ رہنے پائیں ورنہ یہ خالص عملی طریق ہے۔ ست سنگ کرکے تب ابھیاس میں لگو۔ بغیر ست سنگ کئے ہوئے کبھی ابھیاس نہ کرو۔ تاکہ اگر ایک طرف تم کو مذہب کی اصلیت کا پتہ لگ جائے۔ تو دوسری طرف تم کو یہ بھی ذہن نشین ہو جائے۔ کہ یہ کوئی خاص اور نرالا اور سچا طریق ہے۔ جس وقت سے کبیر صاحب نے دنیا میں اپنا حقانی راگ چھیڑا ہے۔ اس وقت سے اس سنت مت نے کروڑوں جیوؤں کے اودھار کا اہتمام کر سکتا ہے۔ سادھو پنتھی۔ نانک پنتھی۔ غریب داسی۔ چرن داسی۔ وشنوی۔ سادھ وغیرہ کتنے طریق سنت مت میں شامل ہیں۔ ان کی تواریخوں کو پڑھو۔ تب پتہ لگے کہ انہوں نے وقتاً فوقتاً پرگٹ ہو کر کس طرح پر کام کئے ہیں۔ تب ان کی اہمیت کا ناز جانوگے آخر ان میں کوئی سچا بھی ہے یا نہیں! یوں ہی تو انسان نے اپنی دنیاوی اور دینی مفاد کو ان کے اوپر قربان نہیں کیا۔ یہاں تک کہ ان میں سے ہزاروں نے سر دیکر دھڑ سودا مول لیا ہے۔ مگر افسوس تو یہ ہے۔ کہ اوروں کو کیا کہا جائے۔

یہہ تمام سنتوں کے نام لینے والے بھی نہ اپنی مذہبی تعلیم سے واقف ہیں نہ اصلیت سے با بہرہ ہیں یہ الگ الگ سماج بن گئے۔ اور صرف سماجک دھرم کے پانوں میں اٹک رہے۔ نہ اصول کی خبر ہے۔ اور نہ سُرت شبد یوگ کی کمائی کا خیال ہے اور اُن کی یہ لاعلمی اُن کو بلا ضرورت دوسروں کا محتاج اور دست نگر بنا رکھتی ہے۔ وہ اتنا بھی تو نہیں کر سکتے۔ کہ سنت مت کی حقانی اور رُوحانی تعلیم پر روشنی ڈال سکیں۔ چاہے دادو پنتھی ہوں یا نانک پنتھی کبیر پنتھی ہوں یا سادھ۔ یہہ سب سِدّھانت اور اصول کی نظر سے ایک ہیں۔ اِن میں نام کے لئے بھی اختلافات نہیں ہیں۔ مگر سب تفرقات کے دام میں پھنس رہے ہیں۔ اس لئے حضور نے پرگٹ ہو کر ان سب کو عام طور پر سنت مت کی دعوت دی۔ اور ہر طریق کے آدمیوں کو اپنے چرنوں میں لگایا۔ اور سب کو بری دیا سے اصلیت کا علم بخش کر سچا سنت مارگی بنایا۔ ابھی اُس کام کی ابتدا ہوئی ہے۔ آہستہ آہستہ وہ دھارا بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ اور زمانہ دیکھیگا۔ کہ کس طرح دُنیا کی رُوحانیت پسند قومیں یکے بعد دیگرے اس سریت مت رکشک طریق سے فیضیاب ہو کر رُوحانی استفادہ کرتی ہیں۔ کبیر پنتھیوں کو سمجھنا چاہیئے۔ کہ حضور کا رُوپ خود کبیر صاحب کا رُوپ ہے۔ نانک پنتھیوں کو یقین ہونا چاہیئے۔ کہ حضور نے نانک صاحب ہی کے [illegible] شکل میں اس حقیقی تعلیم کے سرچشمۂ فیض کو جاری فرمایا ہے۔ سنتوں کی ذات کو مختلف سمجھنا حد درجہ کی غلطی ہے۔ یہاں کھنڈن کس کا کیا جاتا ہے؟ کسی کا بھی [illegible]۔ بات تو وہی ہے۔ اُس کو سمجھ کر اپنا کام بنانا چاہیئے۔ یا فضول بحث مباحثہ [illegible] ہے۔ اور مالک کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ یہہ سب کے سب اب آہستہ آہستہ [illegible] گئے ہیں۔ اور وہ بہت مبارک زمانہ ہوگا۔ جب تمام سنت مت [illegible] بچھڑے ہوئے دُنیا میں رُوحانیت کا سیلاب پھر بہا دینگے۔ اور اُن [illegible] بیشمار جیوں

کا کلیان ہوگا۔ یہ جو مخالفت اور مزاحمت اس وقت رادھا سوامی مت کی کی جا رہی
ہے۔ شخص غلطی اور غلط فہمی کی وجہ سے کی جا رہی ہے۔ ابتدا میں ایسا ہی ہوا کرتا ہے
اس سے کوئی ہرج نہیں ہے۔ یہ مخالفت خود خیالات کی اشاعت کا باعث بن
رہی ہے۔ اور جو لوگ حضور کے چرنوں میں آ گئے ہیں۔ اُن کو سوا اس کے اور
کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کہ اپنی زندگی کو سچائی کے سانچے میں ڈھال کر سڈول
اور خوش نما بنائیں۔ سادھن میں لگے رہیں۔ سادھن کو کبھی نہ چھوڑیں۔ اور اُن کی
ذاتی مثال خود اوروں کی کشش کی باعث ہوگی۔ اور وہ بھی سدھرنے لگ جائیں گے
نہ لکچر دینے، نہ تقریر کرنے، نہ بحث مباحثہ کی ضرورت ہے نہ شاستراتھ کی۔ اور کمائی
کے ذریعہ اپنا اور دوسروں کا کلیان کیجئے۔ چلو سکول اور مدرسے بنانا سماج کا کام
ہے۔ ہسپتال اور خیرات خانے تو دھارمک افراد آپ وقت پر کر لیں گے اور کرتے
رہیں گے۔ اگر کسی کی توجہ ادھر ہے تو اچھی بات ہے۔ مگر رادھا سوامی مت
کی اصلی تعلیم کا اصلی مقصد یہ ہے۔ کہ ہر شخص اپنی زندگی کو با اصول اور با عمل بنا لے
با اصول اور با عمل زندگی میں بڑی طاقت ہوتی ہے۔ ایک با اصول شخص ہزاروں
پر حاوی ہوتا ہے۔ بحیثیت رادھا سوامی مت کے ہم کو ملکی جھگڑوں میں یا جزوی
سماجک جھگڑوں میں حصہ لینے کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔ ہمارا آدرش دنیا میں
صرف رادھا سوامی چرن کی پراپتی ہے۔ اگر یہ مل سکے تو کام بن جاتا ہے اور
اگر یہ نہیں ہے۔ تو لاکھ پتوں پتوں کو سینچو۔ جڑ میں پانی دینے کا جو فائدہ ہے۔ وہ
ان سے کبھی نہ نکلیگا۔ کیا یہ کام اور لوگ نہیں کر رہے ہیں؟ اُن کو اپنا کام کرنے
دو اور تم اپنی زندگی کو شاندار بنالو۔ یہی اصل میں تمہارے کرنے کا فرض ادا کرنا ہے۔
سمجھانا ہے تو اپنے کو سمجھاؤ۔ پڑا کہنا ہے تو اپنے گھر میں۔ رادھا سوامی مت کا اظہار میں
صرف ایک بات ہی کرتا ہوں۔ ست گرو کا نام لینا۔ اور اسی میں سب کچھ ہے۔

کبیر آدھی ساکھی یہہ۔ کوٹی گرنتھ کی کھان
ست نام جگ جھوٹ ہے سُرت شبد پہچان"

۲۵۰
۲۸۔ جولائی ۱۹۱۷ء ۔ اگر سچ گورو کے چرنوں میں آئے ہو۔ تو پریم کے ساتھ پہلے اُس کو پراپت کر لو۔ اور تمہارے ساتھ خود بخود بے شمار جیوں کا کلیان ہوگا۔ اور اگر آج سماجک باتوں میں اٹکتے ہو۔ تو کل تم سیاستی باتوں کی طرف دھیان دینے لگو گے۔ اور پھر ابھیاس کا سادھن نہ ہو سکیگا۔ جو شخص اصول سے ایک سیڑھی سے نیچے گرے گا وہ لامحالہ دوسری اور تیسری سیڑھی سے بھی گر کر نیچے پہنچیگا اس لئے اصول اور سِدّھانت کو سمجھ کر اُسی سے لو لگا رکھو۔

جیسی لو پہلے لگی۔ تیسی نبہے اور
اپنے دیہہ کی کو گنے تارے پُرش کرور

۲۴۴
۲۸۔ جولائی ۱۹۱۷ء ۔ ہر شخص اپنی عادتوں سے پہچانا جا سکتا ہے۔ گُن۔ کرم سوبھاو کو دیکھ کر انسان فوراً یہہ نتیجہ نکال سکتا ہے۔ کہ ایک آدمی میں کس طرح کے گُن کی زیادتی ہے۔ جو آلسی اور مغرور ہے۔ وہ تامسی ہے۔ جو سماجک معاملات میں دلچسپی لیتا اور اس قسم کے جد و جہد کی تعلیم دیتا ہے۔ وہ راجسی ہے۔ اچھی چال کرم کا قرینہ اُس پر بہت ہے۔ اور جس میں شانتی۔ ایکوانیت پسندی۔ اور حقیقت بینی ہے۔ وہ ساتوکی ہے۔ تم پہلے تم پر غالب آؤ۔ پھر رج پر اور پھر ست پر۔ اُس وقت جا کر دل کے پردے پاک ہونگے۔ اور ست پُرش رادھا سوامی کے دیدار کے حقدار ہوگے۔ اور یہی رادھا سوامی مت کی تعلیم ہے۔ اور اگر بغیر سمجھے بوجھے کبھی پولیٹکس۔ کبھی سوشیل۔ اور کبھی اور کاموں میں پھنستے ہو تو یاد رکھو اور ضرور بالعوض پھنسنے کے نہ صرف گھٹے ہوتے جائیں گے۔ بلکہ جس غرض کے لئے تم سنت مت میں شامل ہوئے ہو اُسکو نہ حاصل کر سکو گے۔ اور آخر میں پچھتانا پڑیگا۔

دونوں کی اور دل کو تو یہ خیالات بہت اچھے لگتے ہیں۔ مگر ان کی موجودگی میں جیو کو اپنے دشمنان کے ویرُدھ کرنے میں سخت دقتیں ہونگی۔ اور ان پر غالب آنا تو انتحین کام ہوگا۔ اس مشغل کے زمانہ میں بھائی اس کا اہتمام ذرا بڑھی کھیرے اور یہی سبب ہے۔ کہ گو دم کا اس قدر کھنڈن کیا جارہا ہے۔ جو زیادہ حد تک جائز مناسب۔ اور سچ بھی ہے۔ اسی وجہ سے پھر کہا جاتا ہے سمجھ بوجھ کر جیو تیسا کام سنے۔ آج کل گوروائی کا سانگ دُنیا میں بہت ہے ۔

۹ و ۱۰۔ جیوا ائی منٹ ۱۹۱ء عہد۔ مگر میری ایک بات سنو۔ میں پورانوں یا پورانکوں کی تعلیم کی نِندیا نہیں کرتا۔ میں تم سے صرف یہ کہتا ہوں۔ کہ یہ زمانہ بدھ سے اوتا کا ہے۔ کہ عام سب بدھی والے کی۔ اور علم وعقل کے ابتدائی زمانہ میں بدھ بھاون کا ظہور ہوتا ہے۔ اور علم عقل کے شبہے بکثرت پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس لئے تم اپنے شغل سے کام لیکر ایسی شخصیت کو اپنا رہبر بناؤ۔ جو تمہارے عقل کے تارو میں جاری پیار رکھتی ہو۔ اور کم از کم ایسا تو ہو کہ جس کو پرمارتھ کی اچھی سمجھ بوجھ ہو اور تم کو ہر پہلو سے اپنے ست سنگ میں روحانیت کے مضامین سمجھا سکے۔ اگر اُس نے شوق کی کمائی کی ہے۔ تو اُس کی باتوں میں اثر ہوگا۔ اور اگر اُس کے کام ایسے اثر سے خالی ہوں۔ تو اُس کے دامن سے چھوڑنے میں ہی بھلائی ہے۔ یہ اندر درشناوش کی وقت نہیں ہے۔ اور اسی وجہ سے سنتوں نے بارہا فرمایا ہے :-

چھوڑے گورُو کے پکش کو تجت نہ کیجے بار
دُوار نہ پاوے شبد کا۔ بھٹکے بارمبار
سا چے گورو کے پکش میں من کو دے ٹھہرائے
چنچل سے نِشچل بھیا۔ نہیں کہوں آوے جائے

۱۱۔ مرتبا جیوا ائی سنت ۱۹۱ء عہد۔ تم نے شریہ بانسری دھاری کو گورُو کیا ہے یا آدرش

اور معراج کو گورو کیا ہے! اگر شریر اور شریر ابھمانی اور شریر دھاری کو دوسروں کے دیکھا دیکھی گورو کیا ہے۔ تب تو تم ڈوب گئے۔ کہیں کے بھی نہیں رہے۔ اور اگر درشن کو گورو کیا ہے تو ٹھیک ہے ٭

۲۸- جولائی ۱۹۱۷ء ۳۰۷- گورو اگر گرہستی ہے تو وہ حق و حلال کی کمائی کرتا ہوگا اور اگر وِرکت ہے۔ تو بچن سادھن میں زیادہ لگا رہتا ہوگا۔ اور اُس میں نمایش اور فوق البھڑک ساز و سامان نہ ہوگا۔ گرہستی گورو اپنے چیلے کے دان کو کبھی اپنے ذات کے لئے نہیں لیا کرتے۔ اور وِرکت گورو کو پاکھنڈ کی ضرورت کیا ہے!

۲۸- جولائی ۱۹۱۷ء ۳۰۸- جس گورو کے دربار میں اوروں کی نندیا اور غیبت ہو فوراً سمجھ لو۔ کہ یہاں سوا ردوکانداری کے اور کچھ نہیں ہے۔ نندیا کرنا بہت ہی بُرا عیب ہے۔ اور اگر کوئی گورو ایسا کرتا ہے۔ تو وہ سب سے زیادہ باعیب ہوگا۔ غصہ۔ کام۔ کرودھ۔ یہہ سب بھگتی بھاو کے دشمن ہیں۔ اگر گورو کی اخلاقی حالت درست نہیں ہے۔ تو تم کو اُس سے رُوحانی مفاد کی اُمید کبھی نہ رکھنی چاہئے ٭

۲۸- جولائی ۱۹۱۷ء ۳۰۹- سچے گورو کی پہچان جو ہم نے حضور کے دربار میں مُشتہر کتی سُپنتھ سندیش' نامی کتاب میں قلمبند کر دی ہے۔ جس کا جی چاہے اس میں دیکھ لے۔ سچی اور حقیقی پہچان یہہ ہے:-

(۱) فقر را از چشم و از سیمائے او — مے شناسد ہر کہ دارد رنگ بو

(۲) چوں کشاید او سر انبان راز — جاں بسوئے عرش سازد ترک و تاز

یعنی (۱)۔ فقیر کا لکشن اُس کی پیشانی اور آنکھوں سے پرگٹ رہتا ہے۔ اور حق بینی کی نگاہ رکھنے والے اُس کو پہچان جاتے ہیں۔ اور (۲)۔ جب وہ سَت حال سُنانے لگتا ہے۔ اد ھکاری کے من اور سُرت خود بخود نادانستہ روحانی طبقات اور گگن منڈل کی طرف دوڑنے لگتے ہیں ٭

نشٹ ہو۔ اور جس کی واقفیت تمہارے لئے قابلِ اطمینان ہو۔ اور یہ تم کو دُوسرے
پہلو سے سنت مت کی عظمت ذہن نشین کرانے کے قابل ہو۔ اُس سے پریم حاصل
سیکھ کر اپنا کام شروع کر دو۔ اور اندر میں دیکھتے رہو کہ آیا اُس ست سنگ سے تم کو
کبھی اندرونی رس ملتے ہیں یا نہیں؟ اگر ملتے ہیں تو جس مقام تک کا اُس نے
سادھن کر لیا ہے۔ خواہ کر رہا ہے۔ وہاں تک تم بھی اُس کی رفتہ رفتہ رسائی
حاصل کرتے چلو گے۔ اور آپ تم میں تمیز ہوتی جائے گی۔ اور نتیجے درجہ بدرجہ پیدا ہونا
ممکن ہے کہ اگر اُس نے سادھ گتی پہنچ لی۔ اور ست گتی پراپت کر لی ہے تو تم کو
اُس کے ساتھ یہ حالتیں نصیب ہوتی چلیں گی۔ اور اگر یہ نہیں ہے۔ تو سچائی کا
کا ابھیاس کرتے ہوئے سچے سنت ستگورو کی تلاش میں رہو۔ جو نام تم کو ملا ہے وہ تم کو
سے بیٹھے گا۔ اور جہاں تم میں سچی تڑپ اور سچا شوق پیدا ہو گا ستگورو آپ پرگٹ
ہو کر تمہارا کام بنا دیں گے۔ جہاں مانگ کا سوال ہے قانونِ قدرت میں زور سے سپلائی
پیدا ہوتا ہے۔ وہاں پیدا کرنے کا خود بخود انتظام ہو جاتا ہے۔ یہ سنت مت کا ایک
اصول ہے۔ اس کی سچائی میں ذرا بھی شک نہیں ہے۔ دل کا صدق جب پیدا ہو جاتا
ہے۔ اُس میں تو حقیقت کا مرتبہ رکھنے والا آپ پرگٹ ہوا کرتا ہے۔ صدق
خالی کبھی نہیں رہنے پاتا۔ اس بات کا یقین رکھو۔

۳۱۳
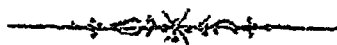
۲۴ جولائی ۱۹۱۶ء سنت مت میں چال۔ بیوہار۔ اور آچار وغیرہ کے متعلق
سخت قاعدوں کا ضابطہ نہ گھڑا جاتا ہے نہ گھڑا گیا ہے۔ صرف اصول کی سیدھی سادی
باتیں بتا دی جاتی ہیں۔ اور ابھیاسی کو اوسط درجہ کی چال اختیار کرنے کی ہدایت کی
جاتی ہے۔ نہ تو بہت لپٹے رہے اور نہ سست رہے۔ صرف دنیا کی راہ میں
کر رکھے۔ کیونکہ جو زیادہ چلتا ہے۔ اس کے اُترنے۔ اُتر سکتے۔ اور ساتھ ہی کبھی

وقت دل برداشتہ ہو جانے کا خوف رہتا ہے - اور جو کاہل اور بالکل سست ہے - اُس کا راستہ ٹیڑھا نہیں ہوتا - ثابت قدمی کے ساتھ آہستہ آہستہ ابتدا میں عمل کرنے کا حکم ہے - تاکہ عادت پڑتی جائے - اور وہ عادت اُس کی زندگی کا جزو بنتی ہے +

۹ ۲۶ جولائی سنہ ۱۹۱۶ء - جو زیادہ کھاتا ہے وہ اوّل تو سست اور نکما ہو ہو جاتا ہے - دوسرے غذا کے ہضم نہ ہونے سے بیماریوں کا شکار بنتا ہے تیسرے سادہ روی اور میانہ روی کے اصول سے انحراف ورزی کرتا ہے - یہ تینوں باتیں خطرہ سے خالی نہیں ہیں - غذا ہلکی اور زود ہضم ہو - ضرورت سے زیادہ استعمال نہ کی جائے - اور نہ اُس کو خواہ مخواہ تن و توش کے موٹا اور جسیم و ضخیم بنانے کا آلہ تصوّر کیا جائے +

۹ ۲۷ جولائی سنہ ۱۹۱۶ء - من غذا سے بنتا ہے - جیسی غذا ہوگی - اُسی کے موافق جذبات اور خیالات ہوں گے - گائے گھاس کھاتی ہے - حلیم اور بُردبار ہوتی ہے درندے گوشت کھاتے ہیں - چنچل - غصہ ور اور مکّار ہوتے ہیں - وعلیٰ ہذا القیاس - ہلکی غذا جو بغیر کسی کی دلآزاری اور تن آزاری کے ہاتھ آتی ہے - اُس میں برکت رہتی ہے - اور انسان ٹیڑھے راستہ پر نہیں چلتا - اور یہ اس کے برعکس ہے - وہ اپنے ساتھ مصیبت لاتی ہے - گوشت کھانے والے حیوان ہمیشہ مکّار ہوتے ہیں - نباتاتی غذا سے تعلق رکھنے والے سیدھے سادے اور بُردبار ہوتے ہیں - بیل آمنے سامنے سینگ لڑاتا ہے - چیتے - بھیڑیے اور شیر گھات میں رہ کر شکار مارتے ہیں - یہ خیال کہ محض گوشت کھانے ہی سے طاقت آتی ہے غلط ہے - ہاتھی گوشت نہیں کھاتا - اور سب سے زیادہ تنومند اور طاقتور ہوتا ہے - ایسا ہی انسان کے متعلق بھی سمجھ لو + /

تین طرح کی غذا

۲۹ جولائی سنہ ۱۹۱۷ء - غذا تین طرح کی ہیں تامسی - راجسی - اور ساتوکی - باسی - سڑی - گلی چیز تامسی ہے - کھٹی چرپری اور زبان کو سختی دینے والی راجسی ہے - میٹھی اور لطیف ذائقہ والی ساتوک ہے - اور راجیاسی کو جہاں تک الامکان اسی سے واسطہ رکھنا چاہیئے - مرچ - مسالحہ وغیرہ سے دل میں حیوانی چنچلتا آتی ہے - جہاں تک ہو سکے بہت کم استعمال کئے جائیں - زیادہ دنوں کی رکھی ہوئی چیز سستی لاتی ہے اس کو ترک کیا جائے - چینی - چرپری اور مرغن اشیاء سے خون گاڑھا ہوتا ہے اور بیماری پیدا ہوتی ہے - ان کا استعمال بہت ہی کمی کے ساتھ ہو - اناج میں بھی کئی قسم کی چیزیں ہیں - جو تامسی ہوتی ہیں - بلا سخت ضرورت کے ان کی طرف توجہ نہ کیا جائے - جو - گیہوں - دودھ - چاول - تھلی - ارہر وغیرہ کی دال ساتوکی ہیں - بشرطیکہ کم مقدار میں برتی جائیں - زیادہ مقدار میں کھانے سے وہ بھی راجسی تامسی ہو جاتی ہیں ÷

لباس

۲۹ جولائی سنہ ۱۹۱۷ء - کپڑوں سے فرد تن کی عریانی ڈھکنا ہے - اگر یہ سادہ اور صاف ستھرے ہیں - تو آرام دیتے ہیں - اور اگر زیادہ گاڑھے قیمتی - اور نمائش کے خیال سے برتے جاتے ہیں - تو محنت اور تکلیف کے علاوہ فکر اور تردد بھی ہاتھ آتے ہیں - یہ موٹے موٹے معمولی اصول ہیں ÷

سادہ زندگی

۲۹ جولائی سنہ ۱۹۱۷ء - مطلب تو یہ ہے کہ انسان کی زندگی سادہ ہو اور وہ بلند خیال اور بلند باطن ہو - سادگی نہایت ہی خوشگوار حالت ہے - یہ نہیں کہا جاتا کہ انسان لنگوٹی لگا کر رہے - یہ زمانہ اور قسم کا ہے - طرز معاشرت میں زمین و آسمان کا انقلاب آیا ہوا ہے - جو کلی رنگ کا تقاضہ ہے - حیثیت اور شان کے قائم رکھنے کی بھی آج کل سخت ضرورت ہے - نیم برہنہ آدمی برا سمجھا جاتا ہے اور اس کا شمار وحشیوں میں ہوتا ہے - اس لئے لباس اور پوشاک کے دائرہ میں

بھی میانہ روی زرّیں اصول ہے - تاکہ کوئی انگشت نمائی بھی نہ کرے - اور ہم آرام سے رہ سکیں ؛

۳۱۹
۲۷ - جولائی سنہ ۱۹۱۷ء - رشتہ دار - عزیز - اقارب اور خویش بیگانوں کے ساتھ معمولی برتاؤ رہے - کسی کی محبت کے تعلقات کو کبھی کسی حالت میں گھٹانہ کیا جائے ورنہ یہ بہت اُتپات مچائیں گے - انسان باطن میں ان کی طرف سے اُداسین رہے ظاہری اور رسمی باتوں کے لحاظ رکھنے سے اس قدر تکلیف نہیں ہوتی - کام کر دیا اور الگ تھلگ بابت مٹھائی زہر ہوتی ہے - اور دُنیا کی گہری محبت - نفرت اور دشمنی میں تبدیل ہوا کرتی ہے - راگ - سے دویش بہت جلد پیدا ہوتا ہے - یہ ہمیشہ ذہن نشین رہے - سچی محبت تو صرف مالک کے چرنوں سے ہونی چاہئے - اور کس دوسرا شخص اس کا مستحق نہیں ہے - ہاں ہمدردی ہر ایک شخص سے ساتھ ہو - مگر وہ بھی اوسط درجہ کی ہو - ورنہ وہ بھی کشمکش اور کھینچا تان کی صورت میں ظہور کریگی - اور یہ حالت سخت ناخوش گوار کہی گئی ہے ؛

۳۲۰
۲۷ - جولائی سنہ ۱۹۱۷ء - اسی طرح تمام سماجک بیوہار کی بابت سمجھ لینا چاہئے - پھنساؤ کسی بات میں نہ ہو - جیسے کمل پانی میں پیدا ہوتا ہے - مگر کیچڑ اور پانی کے اُوپر ہی رہتا ہے ویسے ہی ہم کو سماج میں بے تعلق اور باتعلق ہو کر رہنے کی ضرورت ہے - اور جو اس طرح عمل کرے گا - اُس سے ابھیاس بھی بن سکیگا - اور وہ بتدریج روحانی ترقی کر جائیگا - اور اگر ایسا نہیں کرتا یا نہیں کر سکتا - تو ابھی بہت دیر لگے گی ؛

۳۲۱
۲۷ - جولائی سنہ ۱۹۱۷ء - اکثر آدمی گورو کی عظمت - عزت - اور شہرت کو دیکھ کر چیلے ہوتے ہیں - یہ گورو کے چیلے نہیں ہیں - بلکہ عظمت اور عزت اور شہرت کے چیلے ہیں - اور جہاں ان کی نظر میں کوئی بات برخلاف نظر آئی - تو فوراً بھگتی چھوڑ دینگے ان کی بھگتی اعتبار کے قابل نہیں ہے ؛

مان بڑائی دیکھ کر بھگتی کرے سنسار
جب کچھ دیکھے ہنستا۔ اوگن دھرے گنوار
دیکھا دیکھی بھگتی سے۔ کبھوں نہ لاگے رنگ
بپت پڑے پر چھانڈسی۔ جیوں کیچلی بھجنگ

۲۲۶
۹ جولائی سنہ ۱۹۱۵ء ۔ بہت سے گورو چیلوں کی عزت۔ عظمت اور شہرت پر ناز کرتے ہیں۔ اور اُن کو بڑا آدمی سمجھ کر غرور کرتے ہیں۔ بلکہ بہت سے گورو ایسے بھی دیکھنے میں آتے ہیں۔ جو پرمارتھ میں ترقی کرانے کے عوض اپنے چیلوں کو دنیاوی نمود کی ترغیب دیتے ہیں۔ یہ اپنے چیلوں کے چیلے ہیں۔ اور ان دونوں میں سے کسی کا کلیان نہیں ہوتا۔ ان کا آدرش دنیا پرستی ہے۔ گورو کو یہ خیال نہیں۔ کہ چیلا پرتی ہو۔ بلکہ وہاں تو یہ خواہش رہتی ہے۔ کہ نامی اور مشہور چیلوں کی بدولت اور گورو گے بھی چمکیں۔ اور ان کا دار (؟) چمک جائے۔ یہاں روحانیت کی ترقی کی اُمید رکھنا سخت غلطی میں داخل ہے۔ اپنے ارد گرد دیکھ کر تب نتیجہ اخذ کرو۔ میری باتوں پر نہ جاؤ۔ اور اگر ہو سکے۔ تو ایسی جگہ سے ہمیشہ چوکنا رہو۔ تمہارا اشٹ صرف پرمارتھ ہو۔ اور نہیں۔ ہاں اگر ساد ھارن ریتی سے سنسار کی عزت شہرت اور نیک نامی ملتی ہو۔ تو کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن یہ اصلی مقصد نہیں ہے ٭

گورو چیلوں پر وچار

۲۲۷
۹ جولائی سنہ ۱۹۱۵ء ۔ بھگتی قربانی چاہتی ہے۔ بغیر قربانی کے بھگتی کی دولت نہ آج تک کسی کے ہاتھ آئی۔ اور نہ آئندہ آئے گی۔ جو شخص کسی شے کی قیمت نہیں ادا کر سکتا وہ اُس کو کیا پائے گا! معاوضہ کا قانون یہاں قدم قدم پر اپنا تماشہ دکھاتا رہتا ہے۔ معاوضہ کی سینکڑوں ہی صورتیں ہیں۔ کوئی کہاں تک اُس کا بیان کر سکتا ہے۔ پرمارتھ کے لئے وقت دینا۔ دل دینا۔ جسم دینا۔ سر دینا عیش و آرام دینا۔ عزت و حرمت دینا وغیرہ بے شمار طرح کی قربانیاں اور معاوضے ہیں

بھگتی قربانی سے

آدمی ابھیاس کرتا ہے۔ اور کہتا ہے۔ فائدہ نہیں ہوا۔ فائدہ کہاں سے ہو! کیا تم نے وقت دیا؟ کیا تم نے دل دیا؟ اور اگر تم نے وقت اور دل نہیں دیا۔ تو پھر تم کو کیا ملے! جو دل دیتے ہیں دلدار صرف انہیں کے ہاتھ آتا ہے۔ جو وقت دیتے ہیں وہی کال بھگوان کے چکر سے چھوٹتے ہیں۔ ست سنگ میں جاتے ہوئے جان سی نکلتی ہے۔ ہائے ریل کا کرایہ بھرنا پڑے گا۔ سال میں ایک مہینہ کی تنخواہ مفت میں چلی جائے گی۔ اب سوچو ایسے خیالات اور جذبات والوں کو فائدہ بھی ہو تو کیا ہوا۔ یہ تو چاہتے ہیں۔ کہ ہر شئے مفت میں مل جائے۔ اور یہاں نظام کائنات میں کہیں بھی اس قسم کا بیوپار نظر نہیں آتا۔ آخر انجام یہ ہوتا ہے۔ کہ یہ مفتی کے مفتی رہ جاتے ہیں۔ اور قاضی نہیں بنتے۔ ظاہری علم حاصل کرنے کے لئے پچیسوں برس کا وقت صرف کرنا پڑتا ہے۔ اور یہ چاہتے ہیں۔ کہ بغیر وقت دیئے ہوئے باطنی علم ہاتھ آجائے۔ یہ ہو کیسے سکتا ہے!

۹ جولائی ۱۹۱۷ء۔ دُنیا کے لوگ حریصی ہوتے ہیں۔ اور حریص کو ہمیشہ محروم رہنا پڑتا ہے۔ یہ پرمارتھ کے ادھکاری کب ہیں! سنتوں نے دیا کر کے ان میں سنسکار کا بیج ڈال دیا ہے۔ وقت آئیگا۔ جب یہ قربانی کرنے اور معاوضہ دینے کے قابل ہونگے۔ اُس وقت کمائی کر کے روحانی دولت حاصل کر لیں گے۔ ابھی تو یہ اُس کے دروازہ پر بھی نہیں پہنچے۔ سرمد نے جس وقت شاہزادہ دارا شکوہ کو اپنے قدموں میں لگایا۔ زیب النسا بیگم کو بھی تصوف کا شوق ہوا۔ وہ شاعر تھی مگر جلدباز! چاہتی تھی۔ کہ فوراً اس علم میں اُس کو کمال حاصل ہو جائے۔ سرمد کو درخواست دی فقیر نے اُس کے خط کے جواب میں یہ رباعی لکھدی۔ اور اُس کو ٹال دیا۔ رباعی یہ ہے:

سرمد غم عشق بوالہوس را نہ دہند ۔۔۔ سوزِ دلِ پروانہ مگس را نہ دہند
عمرے باید کہ یار آید بہ کنار ۔۔۔ ایں دولت سرمد ہمہ کس را نہ دہند

جلدی کامیابی کا سبب

دل دینا

۳۷۵

۲۹۔ جولائی سنہ ۱۹۱۷ء ۔ بہت آدمیوں کو صرف دنوں میں کمال حاصل ہو جاتا ہے ۔ اور بہتوں کی عمریں گذر جاتی ہیں ۔ اور کچھ نہیں ہوتا ۔ یہاں پر بھی وہی قانون کام کرتا ہے ۔ اُنھوں نے دِل دیا ۔ اور یہہ دل نہیں دے سکے ۔ بغیر دیا و چند کے کسی کو مِلے بھی تو کیا مِلے !

۳۷۶

۲۹۔ جولائی سنہ ۱۹۱۷ء ۔ ساری بات دل دینے پر موقوف ہے ۔ دِل کے جذبات یکسُو ہونے پر رنگ دکھاتے ہیں ۔ بیدل اور بددل کا تو دل ہی ٹھکانے نہیں ہے ۔ اُس میں مستی کیسے آئے ! اور وہ پرمارتھ کی اہمیت کو کیا سمجھے ۔ پریم اور بھگتی کو اکثر لوگ خودغرض بتاتے ہیں ۔ اور بات بھی کسی قدر سچی ہے ۔ سب سے پہلے تو یہہ ناموری اور عزّت کو چاہتی ہے ۔ دُنیاداروں میں کہاں حوصلہ ہے کہ وہ نام اور ننگ ناموس کو پریم کے نذر کریں ۔ بدنامی تو کوئی نہیں چاہتا ۔ پس ظاہر ہے ۔ کہ وہ عزّت اور نیکنامی کے بھوکے ہیں ۔ پرمارتھ کے خواہشمند نہیں ہیں ۔ پھر اگر کام بھی بنے تو کیسے بنے ! میرا بائی نے ریداس چمار کو گورو کیا ۔ اور شاہی خاندان کی عزّت بطور قیمت ادا کی ۔ اور اُن کو یہہ قیمت دیکر بھگتی کا سودا لیا ۔ بدنام ہوئی زہر کا پیالہ پیا ۔ گھر سے نکالی گئی ۔ مگر بھگتی بھاو کو جواب نہیں دیا ۔ اور آج ہم سب اُس کا نام عزّت کے ساتھ لیتے ہیں ۔ اور بھگتوں کی فہرست میں اُس کا نام آبِ زر سے لکھا ہُوا ہے ۔ اُس نے اس طرح مالک کا نام پراپت کیا تھا ۔

نام نام سے ہوت ہے سُن سمجھے سب کوے
میرا سُت جایو نہیں ہرشیہ نہ مُونڈ مُوڑوے

اس کی نہ کوئی اولاد تھی ۔ نہ کسی کو اس نے چیلا بنایا ۔ مگر اُس کا نام سُورج کی طرح آج تک روشن ہے ٭

۳۷۷

۲۹۔ جولائی سنہ ۱۹۱۷ء ۔ دُنیا میں جس کو دیکھئے وہی گورو بنا ہُوا ہے ۔ چیلا کوئی

دشمن کا دینا سہج ہے۔ من تو دیا نہ جائے
من کا سارا کھیل ہے۔ بھگتی پریم سے کھائے
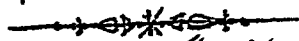
سوال

۲۷ جولائی ۱۹۱۷ء۔ گورو بھگتی پر بہت زور دیا جاتا ہے۔ ایک صاحب نے کل رات کو سوال کیا۔ کہ "رادھا سوامی مت کی تعلیم لامحالہ بہت اونچی ہے۔ مگر بُت پرستی کیوں کرائی جاتی ہے۔ کیا گورو کی پوجا بت پرستی نہیں ہے؟ اگر در اصل یہ روحانی طریق ہے۔ تو اس میں اصول پرستی کی تعلیم ہونی چاہیئے"۔ اس کا جواب سُنو۔ رادھا سوامی مت میں بُت پرستی نہیں کرائی جاتی۔ اور نہ گورو بھگتی بت پرستی میں داخل ہے۔ بلکہ رادھا سوامی مت کا نام ہی اصول پرستی ہے۔ بشرطیکہ کوئی شخص اس کو اچھی طرح ذہن نشین کر لے۔

۲۹ جولائی ۱۹۱۷ء۔ گورو بھگتی نام ہے گورو کے ساتھ ہم آہنگی۔ موافقت اور یکسانیت حاصل کرنے کا۔ اس کو تم کسی معنی میں ہمدردی کہہ سکتے ہو۔ اوّل تو یہ سمجھ لو۔ کہ گورو کس کو کہتے ہیں؟ جس نے اصول کی کمائی کی ہے۔ خواہ جو اس عالم ظہور میں اصول محبت ہے۔ وہ گورو ہے۔ جو شخص جس شے کی کمائی کرتا ہے وہ شے ایڑی سے لیکر چوٹی تک اس میں محیط رہتی ہے۔ اس کے جذبات اور خیالات ویسے ہی ہوتے ہیں۔ جیسا اصول ہے اس اصول کی روح کو جذب کرنے کے لئے اس بات کی سخت ضرورت ہے۔ کہ کمائی کرنے والے۔ کمائی کئے ہوئے یا کمائی مجسم کے ساتھ محبت اور ہمدردی حاصل کی جائے۔ اسی محبت اور ہمدردی کا نام گورو بھگتی ہے۔ جب تک اس کے ساتھ موافقت اور ہم آہنگی نہ ہو گی۔ تب تک اس کے جذبات جیون کے تیرے دل پر اثر انداز اور عکس انداز نہ ہو سکے۔ اور اصول کے جذب کرنے کا جیون کا تیرا مقصود نہ

ہوگا۔ اس لئے گورو بھگتی رُوحانیت حاصل کرنے اور رُوحانیت کے بام پر چڑھنے کا پہلا زینہ ہے ✦

۳۰۔ جولائی ۱۹۱۷ء۔ صوفیوں نے گورو کے ساتھ یکسانیت اور موافقت پیدا کرنے کی تعلیم اس طرح پر دی ہے:۔

در میانِ جانِ ایشاں خانہ گیر
چرخ را خانہ کُن اے بدرِ منیر

یعنی "پہلے ان کی جان کے اندر داخل ہو جاؤ۔ تب آسمان یا گگن منڈل میں جا کر چاند کی طرح روشن ہو جاؤ" ✦

جب تک یہ عمل نہ ہوگا۔ اُن کی ہدایت کا اثر دل میں کم داخل ہوگا۔ اس لئے پہلے اُن کی صحبت کرو۔ پھر اُن کی محبت کا دم بھرو۔ تاکہ تم میں یکسانیت آ جائے۔ یہ جب دو دل ملے ہوئے ہوتے ہیں۔ تو زبان سے گفتگو کرنے کی بھی چنداں ضرورت نہیں رہتی۔ ایک دوسرے کی آنکھیں اور ایک دوسرے کے دل خیالات کے منتقل کرنے کے آلہ بنتے ہیں۔ اور اس فرض کو بآسانی ادا کرتے ہیں۔ یہ عمل تم دُنیا میں ہر جگہ دیکھتے ہو۔ یہ گورو بھگتی کا راز ہے۔ اِس کے سوا اور کوئی مطلب نہیں ہے ✦

۳۱۔ جولائی ۱۹۱۷ء۔ جب تک تم کسی کتاب یا کتاب کے مضمون کے ساتھ سچی ہمدردی اور سچا تعلق نہ ہوگا تب تک وہ کتاب کسی حالت میں تم کو اپنا راز نہ دیگی۔ خواہ اگر دیگی بھی تو وہ تمہاری زندگی اور تمہاری زندگی کے طرزِ عمل کا جزوِ اعظم نہ بنے گا۔ اور نہ اُس سے سچی اُنسیت ہوگی۔ عالم اسباب میں کتاب خاص قسم کے علم یا خیال کی مجسم صورت ہے۔ اِسی طرح گورو کی ذات رُوحانیت کے علم و خیال کی مجسم صورت ہے۔ اُس کے ساتھ اُنسیت پیدا کرنا گورو بھگتی ہے ✦

صوفیوں کی گورو سے یکسانیت

کتاب اور گورو

۲۳ جولائی سنہ ۱۹۱۷ء ـ وہی صاحب سوال کرتے ہیں "سوا آپ کے اور کوئی شخص اس طرح گورو بھگتی کی تاویل نہیں کرتا ـ یہہ تاویل سائینٹفک اور علم حکمت پر مبنی ہے ـ مگر اور جگہہ تو متھا ٹیکنے ـ ہار چڑھانے ـ اور پرشاد کے لینے ہی پر زور دیا جاتا ہے ـ جس کو اکثر طبایع پسند نہیں کرتیں" ـ

جواب ـ معمولی دل و دماغ والے اس کے سوا اور کیا سمجھ سکتے ہیں یا وہ سوا مادّہ پرستی کے اور خیال ہی کیا کر سکتے ہیں ـ اگر جن کا دل وسیع عقل لطیف اور طبیعت بلند ہے ـ وہ انھیں باتوں کو اور طرح پر ادا کر سکتے ہیں ـ مطلب تو صرف چل دیجے اور دلی اُنسیت کے ساتھ گہرا تعلق پیدا کرنے سے ہے ـ دھیان اور خیال ـ تصوّر اور اتحادی مرکز کی وابستگی یہی کام دیتی ہے ـ وہ اگر ان کو نہیں پسند کرتے تو تعظیم کے ساتھ اُنسیت تو پیدا کر سکتے ہیں ـ تاکہ گورو کی کشفی طاقت اور اُن کا باطنی اثر ان میں داخل ہو جائے ـ اس کے بغیر اصلی کام نہیں چل سکتا ـ اس لئے گورو کی بھگتی پر اس قدر زور دیا جاتا ہے ـ تم دُنیا میں اگر کسی کو کچھ دو ـ کچھ سمجھاؤ ـ کچھ قبول کرو ـ تو محبت اور عزت کے ساتھ کرو ـ یہاں تک کہ اگر کوئی سامنے آئے ـ تو صفائی اور خوش دلی کے ساتھ اُس کو قبول کرو ـ یہہ کھانے کی تعظیم اور پوجا ہے ـ اسی طرح اور قسم کی پوجاؤں کو بھی سمجھ لو ـ مکان کی پوجا اُس کا صاف ستھرا رکھنا ـ اور ایک خوش گوار حالت میں اُس کو بنانا ہے ـ علیٰ ہذا القیاس ـ

۲۴ جولائی سنہ ۱۹۱۷ء ـ اصول کی سمجھ ہر کس و ناکس کو نہیں ہوتی ـ ہر شخص ہر بات کو صرف اپنے مذاق اور طبیعت کے موافق سمجھتا ہے ـ اس لئے کسی سے ہاتھ دست و گریباں ہونے کی ضرورت نہیں ہے ـ جو جیسا ہے ویسا ہی عمل کریگا ـ اس لئے کسی کے ساتھ اُلجھتے کیوں ہو؟ تم کو صرف اصول سمجھ کر اصول پرستی کے نکتہ کو ذہن نشین اور دل نشین کر لینا چاہئے ـ اصلی مطلب تو صرف یکسانیت ہے ـ

سوال و جواب

ہم آہنگی اور انسیت پیدا کرتا ہے۔ اور وہی حوصلہ کو بلند اور عزم کو بالجزم بنانیکا موجب ہوا کرتی چلی جائیگی۔ تم اس طرح گورو کے ذات کو قبول کرو۔ اور اس طرح کی گرشد پرستی کو دل دو۔ اور جھگڑوں کو پرے پھینکو۔

ستسنگ ۱۲ جولائی ۱۹۱۶ء۔ وہی صاحب دوسرا سوال کرتے ہیں۔ آپ جس طرح ہر مضمون کی وضاحت کرتے ہیں ویسا رادھا سوامی ست سنگ میں نہیں ہوتا وہاں تو صرف پستکوں کا پاٹھ کر چھوڑا۔ یا چھوٹے موٹے ایک آدھ بچن سنا دیئے۔ آپ نہ کسی شاستر کا کھنڈن کرتے ہو۔ نہ کسی مذہب کی تردید سے کام ہے۔ بلکہ آپ سب کے رادھا سوامی مت سے سمجھانے کا ذریعہ اور یقینی وسیلہ بتلاتے ہو۔ اسکا سبب کیا ہے؟

جواب۔ سنتو۔ ہم کو حضور ستگرو مقدس نے روحانی تعلیم خاص قسم کی فرمائی ہے اور اچھی طرح ذہن نشین کر دیا ہے۔ کہ رادھا سوامی مت سرب مت ورتنک ہے۔ اس مت تمام مذہبوں کے دقایق اور مسایل کے حل کرنے کی کنجی ہاتھ آتی ہے۔ اس وجہ سے ہمارا طرز عمل اوروں سے جداگانہ ہے۔ صوفی۔ ویدانتی۔ بودھ۔ جینی۔ عیسائی۔ مسلمان یا ہندو۔ کوئی بھی آئے۔ ہم کسی کی زبان نہیں بند کرتے۔ نہ کسی کا سوال سن کر چین بچیں ہوتے ہیں۔ بلکہ اسی کے پہلو سے نظر سے اس کو حقیقت اور رادھا سوامی مت کی سچی اہمیت ذہن نشین کراتے ہیں۔ جب گورو نے خاص نگاہ عطا کی تو ہم اسی نگاہ سے سب کو دیکھنے کے عادی ہو گئے ہیں۔ ہم کسی کی زبان کیوں بند کریں۔ سوال کو اگر ایک دفعہ بند کیا تو کیا ہوا۔ وہ پھر بار بار پیدا ہوگا۔ وہ تو ہمیشہ کے لیئے رکنے والی چیز نہیں ہے۔ اس لیئے سب کو موقع دو۔ کہ وہ دل کھول کر اپنے شکوک کو رفع کر لیں۔ تاکہ پھر آسانی کے ساتھ کمائی میں لگ جائیں۔ زبان کسی کی بھی بند نہ کرو۔ اگر رادھا سوامی مت سچا ہے تو پھر خوف کس بات کا ہے؟ جس کا جی چاہے وہ اپنے شک و شبہات کو آکر رفع کر لے۔

ستسنگ ۱۲ جولائی ۱۹۱۶ء۔ سوال۔ آپ باقاعدہ ست سنگ کیوں نہیں کراتے

اور لوگوں کو اپنی جانب رجوع کیوں نہیں ہونے دیتے؟ تاکہ رادھا سوامی مت کا پرچار اور زیادہ ہو؟

سوال و جواب

جواب - آج کل خود رادھا سوامی مت میں غلط فہمیاں پھیل گئی ہیں - اور ہر جگہ تفرقہ اندازی کا سیلاب آگیا ہے - کال کی سرشٹی میں ایسا ہوا ہی کرتا ہے - میں صرف اپنی تحریر سے اُن کے رفع کرنے کی کوشش کر رہا ہوں - یہ بھی تو ضروری بات ہے - میں کیوں خواہ مخواہ ایک علیحدہ ٹولی بنا کر اور تفرقہ پردازی کروں - قدرت نے حضور کی موج سے یہ کام مجھ کو دے رکھا ہے - اور میں ہمہ تن اسی میں مصروف ہوں ◆

میری تحریر

۲۴ جولائی ۱۹۴۶ء - میری تحریرات دور افتادہ ست سنگیوں کو روحانی اصول سمجھانے میں مددگار ہو رہی ہیں - آہستہ آہستہ غلط فہمیاں دور ہوتی جاتی ہیں - یہ بھی ایک طرح کے ست سنگ کا فائدہ دے رہی ہیں - ایک سرا اور ہزار سودا کا طریق ٹھیک نہیں ہے - اگر اس کام کو چھوڑ دیا جائے تو پھر ایک نقص رہ جائے گا - یہ مانا کہ وہ گورو کے ست سنگ کا فائدہ نہیں دے سکتیں - مگر پڑھنے والوں کے دلوں میں روحانیت کا سنسکار تو پیدا کرتی جا رہی ہیں - اور جو ادھکاری ہیں اُن کو خبر خود بخود ملتی چلی جا رہی ہے - وقت آئے گا - جب وہ سنت ست گورو سے فائدہ اُٹھا لیں گے - جلد کیسی بات کی ہے ◆

چار طرح کے گورو

۲۵ جولائی ۱۹۴۶ء - گورو دُنیا میں چار طرح کے ہوتے ہیں - انش - ہنس - ہنس - اور سنت - ان کے ذریعے رادھا سوامی مت کا خود بخود پرچار ہو رہا ہے - میں حضور کا سیوک بن کر اِن چاروں کے کام کو سہل اور آسان بنا رہا ہوں - یہ کام تو حضور کی موج ہی کر رہی ہے - بیچ میں مجھ کو اِن سب کی خدمات کا موقع مل گیا ہوا ہے - اور میں سب کی تعلیم کرتا ہوا صرف تحریر ہی سے تعلق رکھتا ہوں ◆

٢٣٨
١٢ - جولائی ١٩١٧ء - آج کل اکثر لوگوں کی زبان پر یہہ رہتا ہے - کہ " بھگتی سنگور وقت کی کرنی چاہیئے - یا پُرانے اور قدیم گورُو کی ؟" اُن سے یہہ سوال پوچھنا چاہیئے - کہ " روشنی موجودہ چراغ سے ملتی ہے یا غائب شدہ چراغ سے " گورو تو تاریکی دُور کرنے والی شخصیت کو کہتے ہیں - اور وہ حقیقی معنی میں شمعِ معرفت ہے جب شمع روشن ہوتی ہے تب ہی پروانے اُس پر نثار ہونے کو چلتے ہیں - اور جب گلاب کھلتا ہے تب ہی بھونرے اُس کے اِردگرد منڈلانے لگتے ہیں - جو شمع کبھی تھی اور اب نہیں ہے - وہ نور کے جان نثار خواہشمندوں کو اپنی طرف کیسے کھینچ سکے گی - اور جو گلاب کبھی کسی وقت میں کھلا تھا - اور اب نہیں ہے - وہ بھونروں کو جو خوشبو کے دلدادہ ہیں کیسے اپنی طرف رجوع کریگا ! وقت کے پروانہ اور وقت کے بھونروں کے لئے جب وقت کی شمع اور وقت کے گلاب کی ضرورت ہے - تو پھر وقت کے شائقین معرفت کے لئے وقت کے گورُو کی ضرورت کیوں نہ ہوگی ؟ یہ بہت سہل اور سمجھنے کے لئے آسان بات ہے *

زندہ ہو تو زندہ شے کی رہتی ہے تلاش — زندہ ہی کو ہے فکرِ معاد اور معاش

زندہ ہو تو زندگی میں زندہ سے لو کام — کیا کھو گئے ہم تم سے کہیں راز کو فاش

٢٣٩
١٣ - جولائی ١٩١٧ء - دوسرا سوال یہہ ہے کہ وقت کا گورُو ایک ہو یا دس بیس ؟ اب یہاں دوسرا راز بتانا پڑتا ہے - قبل اس کے کہ ہم اس سوال کا جواب دیں - اس قدر پوچھنے کی ضرورت ہے - کہ تم وحدت پسند ہو یا کثرت پسند ؟ اور جو تمہارا جواب ہوگا وہی ہمارا بھی جواب ہوگا *

٢٤٠
١٤ - جولائی ١٩١٧ء - سدھانت ایک ہے - نظر کو واحد بین بنانا ہے - اور اس وجہ سے اگر رُوحانی تعلقات میں کثرت ہوگی تو وہ وحدت کے سنسکار پیدا کرانے میں سخت دقتیں پیدا کرے گی - جس نے کسی ایک کا دامن پکڑا وہ دوسرے

کی طرف کم ملتفت ہوگا۔ اور جس نے ایک سے زیادہ تعلق پیدا کر لیا۔ وہ ممکن ہے کہ تیسرے چوتھے اور پانچویں کی طرف بھی رجوع ہو۔ ظرف میں کامل طور پر ایک شے اور ایک ہی شے کا خیال ہونا چاہئے۔ جہاں دو چار۔ دس بیس ہونگی۔ وہاں تفرقہ کی صورت پیدا ہونے کا ہر وقت خوف لگا رہیگا۔ اسی وجہ سے بار بار کہا جاتا ہے۔ کہ پہلے سمجھ بوجھ کر تب گورو کرو تاکہ یہ دِقت پھر سدِّراہ نہ ہونے پاوے +

سوال ۔ تب تک کیا کیا جائے؟

جواب ۔ کسی ست سنگی یا ایسے شخص سے ابھیاس لیکر کام شروع کرو جس کو تم نسبتاً اور مقابلتاً بہتر اور بااصول سمجھتے ہو۔ پھر آپ ہی آپ کام چل نکلیگا +

۱۴۔ جولائی ۱۹۱۶ء۔ **سوال** ۔ اگر ایک گورو کر لیا۔ اور وہ گپت ہو گیا تب پھر دوسرے گورو کے پاس جانے کی ضرورت ہے یا نہیں؟

جواب ۔ جب اصلی معنی میں گورو کر لیا۔ تو پھر وہ گپت کیسے ہوگا۔ وہ تو سر پاؤں تک تمہارے جسم دل اور دماغ میں سرایت کر گیا۔ بھولے بھالے لوگو! گورو آدمی نہیں ہے۔ جو گپت ہوگا۔ وہ تو اِشٹ آئیڈیل اور آدرش ہے۔ جو دماغ میں جمع ہے اور پہلے ہی سے موجود ہے۔ اگر اُس کا ذرا بھی ساکشات کار ہو گیا۔ تو پھر وہ کبھی گپت یا غائب ہوگا؟ ہاں اگر کسی نے گورو سچے معنی میں نہیں کیا۔ تو پھر اُس کو تو دوسرا دروازہ دیکھنا ہی پڑیگا۔ وقت کا گورو ایک ہی ہوتا ہے۔ اور وہ فنا اور معدوم نہیں ہوا کرتا یہ خیال غلط ہے اور سخت گمراہ کرنے والا ہے۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ نادان ایک دو تین چار گورو کر کے خیالی عقیدہ کو کمزور کرتے ہیں۔ بد دماغی ہیں۔ اور ان کا کام کئی جنم میں ہوگا +

۱۴۔ جولائی ۱۹۱۶ء۔ **سوال** ۔ پنتھ کی نظر سے ایک گورو نے چولا بدل دیا۔ دوسرا اُس کی جگہ جانشین ہوا۔ ایسے موقع پر کیا کرنا چاہئے؟

گورو دھارن رنیکا راز

سوال و جواب

جواب: آچاریہ کی نظر سے اُس کی تعظیم کرو۔ اُس کے ست سنگ سے فائدہ اُٹھاؤ اور نتیجہ کو تقویت دو۔ لیکن اگر اندرونی مقامات طے ہو گئے ہیں تو دھیان تو اُسی گورو کا رہیگا جس نے چتایا ہے۔ دوسرے کی دل میں گنجایش کب ہوگی! ہاں اگر مقامات طے نہیں ہوئے ہیں تب سوال کرنا عبث ہے۔

۱۱۷۔ جولائی سنہ ۱۹۱۱ء۔ **سوال**: جس شخص نے آچاریہ پدوی کو اختیار کی ہے اُس کے نتیجے اوصاف ظاہر کیجئے؟

جواب: (۱)۔ وہاں یہ دیکھنا ہے کہ آیا وہ اپنی زندگی میں گورو مکھ تھا یا نہیں۔ گورو مکھ وہ ہے جو صرف ایک ہی گورو سے فیضیاب ہوا ہے۔ اگر اُس نے کئی گوروں سے دیکشا لی ہے تو اُس میں گورو مکھتا نہیں آئی۔ اور وہ آچاریہ پد کے قابل نہیں ہے۔ اور اُس کے شاگرد اور مقلدین میں بھی خیالی طور پر ہر وقت ردّو بدل ہوتے رہیں گے۔ اور اِن میں یہ مشکل گورو مکھتا آئے گی۔ تخت پر بادشاہ کا حقیقی لڑکا اور خلف الرشید ہی بیٹھتا ہے۔ اور جو ایسا نہیں ہے۔ اگر وہ تخت کا دعویدار ہوا۔ تو اُس کو مکار اور دھوکہ باز سمجھو۔ گورو آئی کی ہوس میں اُس نے یہہ سانگ بنا لیا ہے۔ دوسرے جو سچا آچاریہ ہوگا۔ وہ کسی کی غیبت یا نندیا نہ کریگا۔ اور وہ دوسروں کو بُرے بھلے ناشایستہ کلمے کہکر اپنی بھگتی کرنے پر زور دیگا۔ یہہ رُوحانی طریق ہے۔ اس میں نندیا اور غیبت کی ضرورت نہیں ہے۔ تیسرے یہہ دیکھنا چاہئے۔ کہ اُس میں شان قطبیت ہے یا شان ابدالی ہے۔ قطبیت کہتے ہیں وحدت کے مرکز پر قایم رہنے کو اور ابدالی کہتے ہیں بدلنے والے کو۔ اکثر فقرا ایک مقام سے دوسرے مقامات کا دورہ کر کے ہدایتیں دیا کرتے ہیں یہ ابدال ہیں۔ جہانتک ممکن ہو صاحب کمال قطب سے تعلق پیدا کرنا چاہئے۔ چوتھے یہ دیکھنا چاہئے۔ کہ وہ اپنے چیلوں کی کمائی کا ناجائز فائدہ تو نہیں اُٹھاتا۔ اگر یہہ بات ہے تو کنارہ کشی بہتر ہے

آچار یہ میں نفس کشی - حق و حلال کا رزق - اور باقاعدہ عملی زندگی کا ہونا لازمی ہے تاکہ اُس کا روحانی اثر اور دل پر پڑا کرے ۔

۱۱ جولائی ۱۹۱۷ء - سوال - ست سنگ ایک کا کرنا چاہئیے یا دس بیس کا ؟

جواب - اگر ست نے کہیں ظہور کا جلوہ دکھا دیا ہے - تو انسان اُس کے سنگ کو ترک کیوں کرنے لگا - اور اگر زمانہ کے واقعات کے زیر اثر ایک جگہ قیام کی صورت ممکن نہ ہو - تو کسی بزرگ صاحب کمال کے ست سنگ کی شرکت کرنے میں کبھی کوئی ہرج نہیں ہو سکتا - دل کے جذبات اور محسوسات کے حرکت دینے کے لئے یہ بہت ضروری بات ہے - ہر کوئی صاحب کمال بزرگ کبھی کسی حالت میں یہ نہ کہیگا - کہ تم پہلے اِشٹ کو چھوڑ کر میرا اشٹ دل میں قایم کرو - یہ تو بھنڈ پنگی درا صول سے ناواقفت - اور چیلا بنانے کے خبط میں پڑا ہوگا - وہ کاندار ی شانِ معرفت سے بعید ہے - بلکہ اکثر سچے گورو ہدایت بھی کر دیتے ہیں - کہ تم فلاں شخص کی صحبت میں بیٹھ کر استفادہ کرو - تفرقہ پردازی فقیری کے اصول کے برخلاف ہے - یہ وحدت کا مضمون ہے - اتحاد اس کا مقصد ہے ۔

۱۲ جولائی ۱۹۱۷ء - سوال - بعض ست سنگی ایسے دیکھے جاتے ہیں جو صرف کسی خاص گورو کے متعلق پیراں نمی پرند و مریداں می پرانند کے قاعدہ کے پابند ہو کر دوسروں کو ورغلاتے رہتے ہیں - ان کی نسبت آپ کا کیا خیال ہے ؟

جواب - ان کو جو شخص ست سنگی کہتا ہے وہ غلطی میں پڑا ہے - یہ تو ست سنگی ہیں - یہ تھما بازی کرنے اور کراتے ہوئے دوکان داری کو چمکانا چاہتے ہیں - ان کو اب تک ست مت کے سدھانت کی خبر تک نہیں ہے - اور جس کا طرز عمل اس قسم کا دیکھو تو سمجھ لو کہ سوا دوکانداری کے اور یہاں کچھ نہیں ہے - ست سنگی تو تعلق میں بے تعلق اور بے تعلقی میں با تعلق رہتے ہیں ۔

سوال ۱۱ جولائی ۱۹۱۷ء

سوال ۱۲ جولائی ۱۹۱۷ء

جیسے جل میں کنول نرالا۔ مرغابی نسانے
سُرت شبد بھو ساگر تریئے۔ نانک نام بکھانیے

۱۲۔ جولائی ۱۹۱۷ء۔ **سوال**۔ ایک وقت میں ایک سنت ستگورو ہوگا یا کئی کئی؟

جواب۔ ایک ہی ہوگا۔ اس کا جواب دیا گیا ہے۔ جس نے جس سے راسخ الاعتقادی کے ساتھ تعلیم پائی وہی اُس کا وقت گورو ہو چکا۔ گوروکی قسمیں ہم نے پہلے بیان کر دی ہیں۔ جس کو جو ملے اُس سے فائدہ اُٹھائیے۔ تفرقہ پردازی کیوں کی جائے؟

۱۳۔ جولائی ۱۹۱۷ء۔ **سوال**۔ مگر یہ اچھا ہوتا اگر سب کا ایک ہی گورو اور ایک ہی آچاریہ ہوتا؟

جواب۔ بیشک اس کے اچھا ہونے میں شک کس کو ہوتا ہے۔ مگر دنیا میں طبائع مختلف ہیں۔ اس جھگڑے میں پڑنے سے سوا روحانی نقصان کے اور کوئی فائدہ نہیں ہے۔ کام سے کام رکھو۔ جب کوئی زبردست سنت پرگٹ ہوگا تب خود بخود ایسا ہو جائیگا۔ وقت کی درمیانی حالت میں پہلے سنت ستگیوں کو اپنے گورو کے خیال کو مضبوط کرنا چاہیئے۔ جو نئے سنت سنگی ہونے والے ہیں اُن کو جہاں موقع ملے روحانی استفادہ حاصل کریں۔ فضول توہمات کے کبھی شکار نہ ہوں۔ ورنہ زندگی اکارت جائیگی۔ اور وہ روحانی کے خالی رہ جائینگے۔ کسی خودغرض اور خود مطلبی شخص کے دام میں پھنسنے سے روحانیت کا خون ہوگا۔

۱۴۔ جولائی ۱۹۱۷ء۔ سودا کے خواہشمند دل کو اپنا سودا خریدنا ہے۔ یا دوکاندار کے ساتھ لڑائی جھگڑا مول لینا ہے؟ زندگی اور زندگی کا وقت نہایت قیمتی چیزیں ہیں۔ ان کو کبھی فضولیات میں ضایع نہ کرو۔ صرف اپنے کام سے کام رکھو۔

۱۵۔ جولائی ۱۹۱۷ء۔ **شبد**

۱۔ رادھا سوامی روپ دھر گورو کا۔ اور پرگٹ کیا دن آ سکے

جو کوئی پنتھ چلے بھگتی کے۔ اُس کا کاج بنائے

(۲)۔ تت پویک کی سُوجھ سجھائی۔ بھرم کے پھند کٹائے
پرماتمر اگیان موہ کا۔ گھٹ میں سُور لکھائے

(۳)۔ گھٹ کی لیلا اپرمپارا۔ گورُو نے سکل دکھلائے
دیکھ دیکھ من اتی بگسانا۔ چرن کمل لپٹائے

(۴)۔ چند چکور بھئی گتی اپنی۔ گورُو بن کوئی نہ سُہائے
گورُو انتر گورُو باہر دَرسے۔ چت کہاں اب جائے

(۵)۔ نہیں یہہ گیان دھیان تریاتت۔ یہ تو اگم اُپائے
رادھا سوامی چرن شرن بلہاری۔ سار شبد لکھ پائے

۳۵۰

۳۱ جولائی ۱۹۱۷ء۔ بچن سار حصہ اوّل کی سماپتی پر حضور معلّی مقدّس کے چرنوں میں بنتی:۔

(۱)۔ سنو بنتی ناتھ میری۔ جیو سہت کلیش
بھو کا بندھن کاٹ یا کے دیا کر و شیش

(۲)۔ ترن تارن نام دھارا۔ تار دیجے آج
ہے تمہارے ہاتھ اب تو۔ سوامی سب کی لاج

(۳)۔ روگ بھوگ یوگ نہیں بھگتی سادھن جوگ
دین بندھو بخش دیجے۔ شرن کا سنجوگ

(۴)۔ نام دیجے کام کیجے۔ لیجے چرن لگائے
سب بھکاری ہیں تمہارے راکھی کیجے سہائے

(۵)۔ پتت پاون بھگتے متا دن یہہ کہوں کر جوڑ
رادھا سوامی کی مہر سے چھوٹے مور اور تور

ختم ہوا بچن سار حصہ اوّل

التماس۔ جن صاحبوں کو بچن سار حصہ اوّل پسند آئے وہ براہ مہربانی بچن سار حصہ دوم کیلئے اپنا نام درج رجسٹر کرا دیں۔ کاغذ کے مہنگے اور زیادہ گاہک نہ ہونے سے صرف ایکہزار جلد چھاپا جائیگا۔ اگر کسی کے پاس پہلا اڈیشن جبکہ نہ پہنچ سکے تو ہمارا ذمہ نہ ہوگا۔ بنس دھاری لال انگر منیجر دگیانی لاہور

بچن سار حصہ اوّل کی سماپتی پر حضور معلّی مقدّس کے چرنوں میں بنتی

نہایت دلچسپ مفید نئی اور بے نظیر کتابیں

شری ویدانت نامی ۴۰۰ صفحات کی لاجواب کتاب نہایت
ہی آسان پیرایہ میں عام فہم عبارت اور بچوں کی سادہ سلیس
زبان میں ایڈیٹر صاحب وگیانی نے لکھی ہے نہایت ہی خوبصورت
اور پُر مغز کتاب ہے اس نادر کتاب میں ادویت کے دقیق مسائل جو اب تک
ذہن نشیں نہ ہوتے تھے نہایت ہی آسانی سے سمجھائے گئے ہیں
پڑھنے والا بہت محظوظ ہوتا ہے۔ کام کی چیز ہے مستقل خریداروں
کو ۲ روپیہ میں دی جاتی ہے اور ۳۔ امید یقین ایک ایک کاپی خرید لینگے

کبیر صاحب کا جیون چرتر (اردو)
پرم سنت کبیر صاحب کی زندگی کے واقعات ۴۴ ابواب میں

پوری حقیقت ذات کی اصلیت عرفان کی مجسم تصویر معرفت کی
عملی مثال حقانی نظارہ کا بہترین تماشہ۔ وحدت و توحید کا سچا مشاہدہ
حالات عجیب و غریب ہیں اس سے زیادہ ضخیم اور واقعات سے مملو
سوانح عمری کبیر صاحب کی آج تک کسی نے نہیں لکھی معہ انکے کلام کے
قیمت فی جلد ۱ر مستقل خریداروں سے ۸ر معہ محصول ڈاک

کبیر چرتر بودھ کامل (ہندی)
پرم سنت کبیر صاحب کا مکمل جیون چرتر ۲ بڑے سنت سندیش میں نکل چکا ہے

اب یہ کتاب معہ غیر معمولی اضافہ کے ہندی میں چھپی ہے اردو میں
۴۴ ابواب میں کتاب ختم ہوئی تھی اس میں ۸۴ ابواب ہیں
ہیں ہمارے خیال میں اس سے زیادہ ضخیم کبیر صاحب کی سوانح عمری آج تک
کسی نے نہیں لکھی۔ شائقین جلد درخواست کریں کتاب تھوڑی تعداد
فروخت ہو رہی ہے قیمت ۱۲ر معہ محصول ڈاک۔ وگیانی کے
خریداروں کو معہ محصول ڈاک ۱۰ر میں ملے گی

المشتہر منیجر چھاجوری لال اینڈ کو منیجر وگیانی لاہور

ویدانت امرت بانی

یہ کتابوں کا دوسرا سلسلہ ہے جو شیو جی مہاراج
کے قلم سے نکلیگا۔ لکھنا شروع ہو گیا ہے۔ سنسکرت کی کتابیں
دقیق اور مشکل ہوتی ہیں۔ اُن کی وضاحت اور صراحت اس طرح
پر کیجائیگی۔ کہ معمولی پڑھا لکھا آدمی بآسانی سمجھ سکیگا۔ محض لفظی
ترجمہ نہ ہوگا۔ دلائل سب ہی دیے جاینگے حتی الامکان مشکل اصطلاحات سے
وہاں ہی کا تعلق رہیگا جہاں تک ضروری اور مناسب ہے مطلب
صرف اس قدر ہے کہ شیو جی کے لٹریچر پڑھنے والے گیان کا اُنکے
مضامین پر پورا پورا عبور پا جائیں۔ اُن کا اپنا تجربہ بڑھ جاوے
اور وہ دوسری کتابوں کے محتاج رہیں۔ اور نہ انہیں ان کے سمجھنے کی کمی
کو محسوس ہو جنہوں نے وگیان و شانتی حاصل کی ہے ان کو کہنے
سننے کی ضرورت نہیں ہے یہ کتابیں مجبوراً بڑی بڑی اور ضخیم ہونگی
اور ویدانت پسند طبیعتوں کو ابھارنے میں کافی مدد دیں گی۔ گویا
ایک طرح پر ان کے مطالعہ سے اچھے ست سنگ کا فائدہ ہو
جائیگا۔ اور جن کو دنیاوی کاروبار سے فرصت کم ہے وہ روزانہ
ان کو ایک آدھ گھنٹہ باقاعدہ پڑھتے رہنے سے بہت ترقی
کر جائیں گے

جو اس سلسلہ کے مستقل خریدار ہونا چاہیں۔ اپنا نام بھیج دیں
ہر کتاب صرف ۳/۴ قیمت پر ان کو دیجائیگی اور وی پی کر دیجایا کریگی
خط و کتابت ہمیشہ اس پتہ سے ہو۔

منیجر رادھا سوامی جنرل لٹریچر سوسائٹی۔

ویدانت امرت بانی دفتر وگیانی سادھو سٹریٹ لاہور

مژدۂ جانفزا

بالعوض اس کے کہ ہزاروں کتابیں پڑھو۔ اور اصلیت سے بے خبر بھی بے خبر رہو۔ ہم آپ کو توحید کے خزانہ کی سیر کی سفارش کرتے ہیں۔ اس میں تصوّف و راہ سلوک کے تمام اسرار نہانی اور رموز روحانی وضاحت کے ساتھ عام فہم و دلچسپ زبان میں بیان کئے گئے ہیں۔ جن کو پڑھ کر کوئی شخص حقیقت کے علم سے محروم نہیں رہ سکتا۔ اس خزانہ میں کم از کم سینکڑوں تو ایسے قصے آئے ہیں جو روحانی مضامین کو ذہن نشین کر دیتے ہیں۔ یہ بارہ حصوں میں منقسم ہیں اور ۱۶۴۴ صفحے ہیں۔ ابواب ۳۱۰ ہیں۔ جن میں ساری باتیں علم سینہ کی کھول کر بیان کی گئی ہیں۔ اس مجموعی سلسلہ کو راز باطن کا گنجینہ سمجھو۔ نمبروں کی وضاحت حسب ذیل ہے:-

(۱) گیان سندیش ۱۶ باب (۲) کرم سندیش ۱۰ باب۔ (۳) کبیر چرتر سندیش ۴۴ باب (۵ و ۶) پنتھ سندیش ۴۴ باب (۷) بچن سندیش ۷۰ باب۔ (۸) یاترا سندیش ۲۲ باب (۹) سچ سندیش ۲۶ باب (۱۰) وچار سندیش ۸۲ باب (۱۱) پریم سندیش ۲۳ باب۔ (۱۲) درشٹانت سندیش ۱۷ باب ۷۵ قصے ✤

اس کی تعریف کرنا فضول ہے جو مطالعہ کریں گے وہ خود سمجھ جائیں گے کہ علم عرفان میں شروع سے آج تک ایسی ضخیم مکمل اور کارآمد کتاب نہیں شایع ہوئی۔ ویدانتی صوفی۔ پنتھائی۔ بھگت اور گیانی سب کے کام کی چیز ہے۔ اور اس قابل ہے کہ لوگ بلاناغہ اس کا مطالعہ کریں۔ الست سے تا لاالہ الا اللہ اور شروع سے اخیر تک ہر بات بہت وضاحت کے ساتھ لکھی گئی ہے۔ جس کے سمجھنے میں ذرا بھی دقت نہیں آتی اور طرز بیان ایسا دلچسپ ہے کہ تاوقتیکہ سارا مطالعہ نہ کیا جائے کتاب کو علیحدہ کرنے کو جی نہیں چاہتا۔ بایں ہمہ خوبی قیمت صرف [illegible] محصول ڈاک غالباً ۲ر ہوگا۔ کیونکہ کتاب بہت ضخیم ہے تاہم جو لوگ یکجائی مجموعہ کو خرید کریں گے ان کو ہم محصول ڈاک اپنی گرہ سے ادا کریں گے۔ اور ساتھ ایک دلچسپ ضخیم ناول ۲۴۲ صفحوں کا جو شاہی لکڑہارا کے نام سے مشہور ہے صرف کاغذ و محصول کے ۸ر لیکر بھیج دیں گے۔ وی پی ۱۲ کا ہوگا۔ جن کو ضرورت ہو فوراً اس پتہ سے منگا لیں۔ مجموعی ضخامت معہ ناول کے ۱۸۸۶ صفحات ✤

المشتہر بنس دھاری لال انگا منیجر سنت سندیش و گیانی سادھو سٹریٹ لاہور

باخط مینیجر وگیانی لاہور کے نام آئے

مصنفہ

بابو شیو برت لال صاحب ورمن ایم اے

کی سنہ ۱۹۱۷ء کی نکلی ہوئی اور نہایت ہی پبلک پسند پُر اثر دلوں کو ہلا دینے والی بھگتی بھاؤ کی بڑھانے والی اور رقت پسند طبیعتوں کو خون کے آنسو رلانے والی کتابیں جن کی اس وقت اُردو خواں طبقہ میں دھوم ہے۔ ایسی نایاب کتابیں اُردو میں پہلے کبھی نہیں چھپی تھیں۔ ایک مرتبہ پڑھ لیجیے اور آپ کو اقرار کرنا پڑیگا کہ یہ لاجواب انمول اور علمی خزانہ کے قیمتی رتن ہیں +

(۱) وگیان راماین } شری رام چندر جی کا چرتر ضخامت ۵۹۴ صفحے قیمت اصلی للعہ رعایتی ایک روپیہ بارہ آنہ (عہ) +

(۲) وگیان کرشناین } مہا پربھو کرشن کی زندگی ضخامت ۲۹۴ صفحے قیمت اصلی ۲ رعایتی (عہ) +

(۳ اور ۴) وگیان وششٹاین اور وگیان پرشو نراین } ایک ساتھ۔ ویدانت کی نادر۔ عام فہم اور نہایت سہل کتابیں۔ ضخامت ۴۰۴ صفحے قیمت اصلی ۲ رعایتی (عہ) +

(۵ و ۶) وگیان بودھاین اور وگیان بچپناین } (ایک ساتھ) مہا پربھو بدھ بھگوان کا جیون چرتر معہ ان کی مفصل تعلیم کے۔ ضخامت ۴۳۰ صفحے اصلی قیمت للعہ۔ رعایتی (عہ) +

(۷) وگیان سنتاین } پورن دھنی حضور رائے سالگرام صاحب بہادر کا جیون چرتر معہ ارشادات وغیرہ کے۔ ضخامت ۲۲۸ صفحے قیمت اصلی عہ رعایتی (عہ) +

نوٹ دفتر میں صرف راماین بیس تیس جلدیں رہ گئی ہیں۔ اور کتابیں صرف دو دو سو جلد رہ گئی ہیں۔ جو صاحب ... نیا خریدار کریں اُن کو ویدانت نامی خوبصورت کتاب ... دفتر سے زیر طبع ہے اور ضخامت ۴۰۰ صفحے قیمت ... مفت دیجائیگی

المشتہر بنسی دھاری لال اختر مینیجر وگیان ساد ھو سٹریٹ لاہور

وگیانی

گیان - دھیان - پوجا پاٹ - بھگتی بھاؤ - کرم دھرم
یوگ - سانکھ - ویدانت وغیرہ مضامین کا

ایک ماہوار رسالہ

وگیانی اپنی وضع کا دنیا میں نرالا - اور اعلےٰ درجہ کا مفید اور لاثانی رسالہ ہے
وگیانی صرف اُن زندہ دل حق پسند صاحبان کے پاس محنت کرنا گوارا کرتا ہے جو طالبِ حق ہیں
وگیانی میں مذہبی فلسفہ کے ہر پہلو پر روشنی ڈالی جاتی ہے اور روحانی ترقی کا نیک راز بتایا جاتا ہے
وگیانی میں اکثر بھگت سادھو سنت اور مہاتماؤں کے نہایت ہی عجیب موثر حالات بھی شایع ہوتے ہیں
وگیانی مت متانتروں کے جھگڑوں میں بالکل نہیں پڑتا بلکہ ہمیشہ ہر مذہب کے روشن پہلو کو پیش کرتا ہے
وگیانی صلح کل کے مشرب کا پابند اور مرنجان مرنج پالیسی کا واعظ - عامل اور اشاعت کنندہ ہے
وگیانی میں اب تک متعدد ضخیم مجلد کتابیں نکل چکی ہیں جو باوجود زیادہ قیمتی ہونے کے خریداروں کو اسی سلسلہ [illegible]
وگیانی کو پڑھو تم کو رسالہ ویدوں کی اصلی تعلیم - ویدانت کے رہانیت یوگ کے طرز عمل اور سنتوں کی تلقین [illegible]
وگیانی کے خریداروں کو ہر سال نئی نئی کئی کتابیں اسی کے سلسلہ میں مل جاتی ہیں جو دل و دماغ اور نظر کو وسیع بناتی ہیں
وگیانی کی سالانہ قیمت [illegible] ہے نہ کم نہ زیادہ - نمونہ کے پرچہ کی قیمت [illegible] ہے مفت کسی کو نہیں [illegible]

درخواست خریداری اس پتہ سے ہو -

دیوان بنسی دھاری لال انچارج اسسٹنٹ ایڈیٹر وگیانی سادھو [illegible] لاہور